جامع ترمذی جلد اوّل
کی عام فہم اُردو شرح

تقریراتِ ترمذی

جلد ۲

(بقیہ ابواب)
ابوابُ الصّلاۃ

مجموعہ افادات
حضرت مولانا
محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ
حضرت مولانا شبیر الحق کشمیری دامت برکاتہم
اُستاذ الحدیث (جامعہ خیر المدارس ملتان)
ودیگر جدید وقدیم شیوخ الحدیث

کلماتِ تحسین
حضرت مولانا محمد اکبر صاحب دامت برکاتہم
(شیخ الحدیث جامعہ قاسم العلوم ملتان)
حضرت مولانا محمد امین صاحب دامت برکاتہم
(نائب شیخ الحدیث جامعہ عمر بن خطاب ملتان)

اِدارۂ تالیفاتِ اَشرفیہ
چوک فوارہ مُلتان پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریراتِ ترمذی

جلد دوم

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِيمًا

ہدیۂ مُحبّت

بخدمت جناب ....

....

....

....

نوٹ:۔ دوست احباب کو ہدیہ کر کے اپنے لئے صدقہ جاریہ بنائیے

جامع ترمذی جلد اوّل کی عام فہم اُردو شرح

تقریراتِ ترمذی

جلد دوم

مشتمل برابواب الصلاۃ (بقیہ ابواب)

مجموعہ افادات

حضرتؒ مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ

اُستاذ الحدیث مولانا شبیر الحق کشمیری مدظلہ العالی

ودیگر جدید وقدیم شیوخ الحدیث

کلمات تحسین

شیخ الحدیث مولانا محمد اکبر صاحبؒ دامتؒ برکاتہم

(شیخ الحدیث جامعہ قاسم العلوم ملتان)

حضرتؒ مولانا محمد امینؒ صاحبؒ دامتؒ برکاتہم

(نائب شیخ الحدیث جامعہ عمر بن خطاب ملتان)

ترتیب وتالیف

اشرفیہ مجلس علم وتحقیق ملتان

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان

(0322-6180738, 061-4519240)

تقریراتِ ترمذیؒ

تاریخ اشاعت.................. ذوالحجہ ۱۴۳۶ھ
ناشر.......................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت................ سلامت اقبال پریس ملتان

انتباہ
اس کتاب کی کاپی رائٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں

قانونی مشیر
محمد اکبر ساجد
(ایڈووکیٹ ہائی کورٹ ملتان)

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ....چوک فوارہ....ملتان
مکتبہ سید احمد شہید........اردو بازار......لاہور — دارالاشاعت.........اُردو بازار..........کراچی
مکتبہ علمیہ..............اکوڑہ خٹک.......پشاور — مکتبہ رشیدیہ.......سرکی روڈ......کوئٹہ
اسلامی کتاب گھر.......خیابان سرسید.....راولپنڈی — مکتبہ دارالاخلاص....قصہ خوانی بازار......پشاور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K — 119-121- HALLIWELL ROAD
(ISLAMIC BOOKS CENTERE — BOLTON BLI 3NE. (U.K.)

عرض ناشر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ
وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَمَنْ تَبِعَھُمْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنَ

صحاح ستہ میں امام ترمذی رحمہ اللہ کی جامع ترمذی خاص فضیلت واہمیت کی حامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف کے طلبہ وطالبات میں اس کے درس کو بڑی اہمیت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ادارہ نے کچھ عرصہ قبل ترمذی شریف جلد ثانی کی شرح انتہاب المنن فی شرح السنن جو کہ ''دروس ترمذی'' کے نام سے شائع شدہ ہے اور مظاہر علوم سہارن پور کے شیخ الحدیث حضرت مولانا رئیس الدین صاحب رحمہ اللہ کی درسی وتشریحی دروس کا مجموعہ ہے۔ الحمد للہ! یہ علمی شرح علماء متقدمین ومتاخرین کے علمی افادات کا دفینہ ہے۔

''دروس ترمذی'' کی اشاعت کے بعد جامع ترمذی کی جلد اوّل ادارہ کی مطبوعات میں غیر موجود تھی۔ راقم الحروف کی بڑی خواہش تھی کہ ادارہ سے جامع ترمذی کی مکمل شرح شائع ہو جائے۔ اسی سوچ اور فکر میں ایام گزرتے رہے کہ ''کل امر مرھون باوقاتہ'' کے تحت اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب کا انتظام فرمادیا کہ ادارہ کے زیر اہتمام اشرفیہ مجلس علم وتحقیق جو کہ جامعہ خیر المدارس ملتان، جامعہ فریدیہ اسلام آباد، جامعہ قاسم العلوم ملتان اور جامعہ علوم اسلامیہ لاہور کے جید الاستعداد فضلاء پر مشتمل ہے۔ بندہ نے ان احباب کے ذمہ ترمذی شریف جلد اوّل کی شرح مرتب کرنے کا کام سونپا اور اس سلسلہ میں جن موجود وغیر موجود شیوخ الحدیث کی درسی تقریریں میسر آسکیں انہیں بھی پیش نظر رکھا گیا۔

ملتان میں ہمارے مہربان دوست حضرت مولانا عبد الخالق صاحب مدظلہ جو کہ حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید ہیں اور انہوں نے دورۂ حدیث کے سال اپنے استاذ کی درسی تقریر قلم بند فرمائی تھی۔ موصوف

نے بندہ کی درخواست پر وہ مکمل کاپی عنایت فرمادی۔ زیر نظر شرح تقریرات ترمذی میں جہاں حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ کی درسی تقریر سے استفادہ کیا گیا ہے وہاں جامعہ خیر المدارس ملتان کے استاذ الحدیث حضرت علامہ شبیر الحق کشمیری صاحب مدظلہم کی بیان فرمودہ تشریحات کو بھی جزو شرح بنایا گیا ہے۔

علاوہ ازیں دیگر شروحات سے بھی استفادہ کر کے اس شرح کو آسان اور عام فہم انداز میں مرتب کیا گیا ہے تا کہ علم حدیث کا یہ عظیم سرمایہ نہ صرف اہل علم اور اہل خواص کے لیے لائق استفادہ ہو' بلکہ عامۃ المسلمین بھی حدیث شریف کی اس کتاب سے متمتع ہوسکیں۔ دوران طباعت اس چیز کا بھی خیال رکھا گیا ہے کہ معرب متن حدیث، ترجمہ اور شرح ہر چیز واضح اور آسانی کی حامل ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمارے مخدوم ومکرم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اکبر صاحب مدظلہم (شیخ الحدیث جامعہ قاسم العلوم ملتان) اور حضرت مولانا محمد امین صاحب مدظلہم (نائب شیخ الحدیث جامع عمر بن خطاب ملتان) کو ہماری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائیں جنہوں نے ''اشرفیہ مجلس علم وتحقیق'' کی اس خدمت کو پذیرائی وسرپرستی سے نوازا اور اپنی مستجاب دُعاؤں کے ساتھ ساتھ اپنے تاثرات سے بھی نوازا جو اراکین ادارہ کی حوصلہ افزائی اور ارباب علم کیلئے باعث تسکین ہیں۔

''فجزاهما اللّٰه عنا خير الجزاء''

اللہ تعالیٰ حدیث شریف کی اس خدمت کو شرف قبول نصیب فرمائے اور اسے اہل علم کیلئے دینی، دُنیاوی خیر وبرکات کا ذریعہ بنائے اور جملہ اراکین مع راقم الحروف کو اپنی رضا نصیب فرمائے۔ آمین

والسلام

محمد اسحٰق غفرلہ

ذیقعدہ ۱۴۳۶ھ بمطابق ستمبر ۲۰۱۵ء

تقریظ و تاثرات

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اکبر صاحب دامت برکاتہم العالیہ

(شیخ الحدیث جامعہ قاسم العلوم گلگشت ملتان)

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَمَنْ تَبِعَھُمْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ

امابعد! ''تقریرات ترمذی'' جامع ترمذی کی جلد اوّل کی جدید اُردو شرح ہے جس کی جلد اوّل اس وقت میرے سامنے ہے۔ ماشاء اللہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان کی علمی و اصلاحی تالیفات وقتاً فوقتاً سامنے آتی رہتی ہیں۔ زیر نظر شرح بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ادارہ کے زیر اہتمام ''اشرفیہ مجلس علم و تحقیق'' جو کہ اہل علم پر مشتمل ہے۔ ماشاء اللہ ان احباب نے بڑی کاوش سے اس شرح کو اکابر شیوخ الحدیث کے افادات سے مزین کر کے عام فہم انداز میں مرتب کیا ہے جو جامع ترمذی کا درس دینے والے شیوخ الحدیث کے لیے بالعموم اور حدیث شریف کے طلبہ و طالبات کے لیے بالخصوص عظیم نعمت ہے۔ اس کی خصوصیات کا اندازہ تو اس کے بالاستیعاب مطالعہ سے ہی کیا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں جن ارباب علم و فضل سے وابستہ فرمایا ہے' انہوں نے جہاں عملی میدان میں اسلاف کی یادیں تازہ کی ہیں وہاں علم و فضل انمٹ نقوش چھوڑے۔ علوم تفسیر، علوم حدیث، فقہ و احکام اسی طرح دیگر علوم و فنون میں ہمارے اکابر نے ایسی خدمات سرانجام دی ہیں کہ بعض شخصیات اپنے دور کی رازی اور غزالی کہلائیں۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی عبقری شخصیت کو دیکھا جائے کہ صرف کثرت تصانیف کے باعث سیوطی وقت کہلائے۔ ہمارے اکابر میں سے وہ اہم شخصیات جنہوں نے علم حدیث میں نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں، ان میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ، حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ

اللہ، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ، حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ، حضرت مولانا فخر الدین مراد آبادی رحمہ اللہ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمہ اللہ، حضرت مولانا حبیب الرحمن، محدث اعظمی رحمہ اللہ ،شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا منظور نعمانی رحمہ اللہ وغیرہ۔

دار العلوم دیوبند سے وابستہ اہل علم شخصیات میں سے یہ چند اسماء ارتجالاً زیرِ قلم آ گئے جنہوں نے اپنی حیات مستعار میں علم حدیث کی گراں قدر خدمات سر انجام دیں اور اپنی محدثانہ خدمات سے ایک عالَم کو گرویدہ کر لیا۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے ان اکابر اہل حق سے وابستگی فرمائی اور انہی حضرات کی نسبت ہی ہماری کامیابی کی کلید ہے۔ زیرِ نظر شرح ایسے ہی سلاطین علم کے افادات کا مجموعہ ہے جس میں علم حدیث کی مروجہ مباحث کو بالتفصیل لیکن آسان انداز میں مرتب کیا گیا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ زیرِ نظر شرح میرے استاذ مکرم حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ کے افادات سے بھی آراستہ ہے۔

اس جدید شرح کی تالیف اور اشاعت پر محترم حافظ محمد اسحٰق ملتانی مدظلہ اہل علم کی طرف سے خراج تحسین کے مستحق ہیں کہ جن کی شبانہ روز کاوشوں سے علم حدیث کی اس خدمت کی سعادت ان کے حصہ میں آئی۔ اللہ تعالیٰ اس جدید شرح کو شرف قبول نصیب فرمائے اور اسے طلبہ وطالبات کے لیے نافع بنائے اور ہم سب کو خدمت دین کے اعلیٰ کام سے وابستہ فرمائے اور مذکورہ محدثین عظام کو ہم سب کی طرف سے اجر عظیم عطا فرمائے جو ہمارے لیے بہترین علمی سرمایہ چھوڑ گئے۔

دل سے دُعا ہے کہ حق جل مجدہ اس تالیف اور اس کی اشاعت کو اپنی رضا کا ذریعہ بنائے اور اسے ہم سب کیلئے ذخیرہ آخرت بنائے اور راقم السطور کو تاحیات خدمت حدیث کے شرف سے نوازتا رہے۔ (آمین)

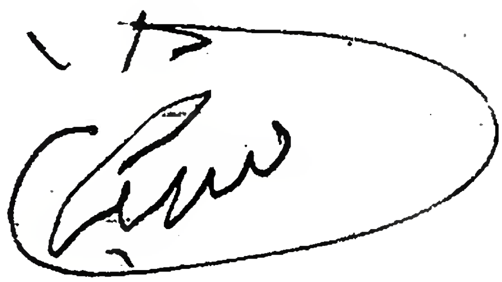

تقریظ وتاثرات

حضرت مولانا محمد امین صاحب دامت برکاتہم العالیہ

(نائب شیخ الحدیث جامعہ عمر بن خطاب شاہ رکن عالم کالونی ملتان)

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنَ

امابعد! تقریرات ترمذی اُردو شرح جامع ترمذی کی جلد اول دیکھنے کا شرف نصیب ہوا۔ ماشاء اللہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان کے زیر اہتمام ''اشرفیہ مجلس علم وتحقیق'' نے بڑی کاوش سے آسان انداز میں اس کی شرح مرتب کی ہے جس میں برصغیر پاک وہند کے جملہ شیوخ الحدیث کے افادات سے استفادہ کیا گیا ہے۔

مجھ سے اس شرح کے متعلق اپنے تاثرات بیان کرنے کی فرمائش کی گئی ہے۔ اگرچہ بندہ حدیث شریف کی اس اہم کتاب کے متعلق کہ صحاح ستہ میں جامع ترمذی فضیلت واہمیت اور اپنی گوناگوں خصوصیات کی بدولت جس مقام کی حامل ہے اس کی اُردو شروحات کا میدان تاہنوز تشنگی کا شکار ہے۔ ان حالات میں اس جدید شرح کی اشاعت بڑی مبارک اور امید افزا ہے۔ رائے دینے کا مجاز نہیں۔ تاہم شروحات حدیث میں اس جدید شرح کا اضافہ خوش آئند ہے۔

اس سے قبل ادارہ کی مطبوعہ کتاب خیر المفاتیح (جو کہ حضرت مولانا شبیر الحق کشمیری مدظلہ کے افادات پر مشتمل چھ جلدوں کا مجموعہ ہے) کے مطالعہ کی توفیق ہوئی تو ماشاء اللہ ادارہ کی علمی خدمات کا اندازہ ہوا۔ ان شاء اللہ یہ جدید شرح بھی اہل علم کیلئے بالخصوص اور حدیث شریف کے طلبہ وطالبات کے لیے نہایت نافع ہے۔

اللہ تعالیٰ ادارہ کی اس دینی کاوش کو خالصتاً لوجہ الکریم بنائے اور راقم السطور کے علاوہ جملہ مستفیدین کے لیے سرمایہ آخرت بنائے۔ آمین

محمد امین نائب شیخ الحدیث جامعہ عمر بن الخطاب

محمد امین نائب شیخ الحدیث

جامعہ عمر بن الخطاب

تقریراتِ ترمذی

(جلد دوم)

مشتمل بر بقیہ ابواب الصلاۃ

درود شریف ابراہیمی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

حدیث مبارک کی مجالس کے چند آداب

قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کتاب الشفاء میں فرماتے ہیں کہ وہ تمام چیزیں جن کو سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہے۔ان کی تعظیم وتکریم کرنا' حرمین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہد ومساکن کی تعظیم کرنا اور وہ چیزیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے پکاری جاتی ہوں یا جن کو آپ نے اپنے دستِ مبارک سے چھوا ہو اُن سب کا ادب واکرام کرنا درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اکرام میں داخل ہے۔سلف صالحین کا دستور تھا کہ جن محفلوں میں حدیث نبوی سنی یا سنائی جاتی ہو' محفلوں میں باادب اور باوقار بیٹھتے' جس طرح صحابہ کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باادب ہو کر بیٹھتے تھے۔یہ سب اس لیے تھا کہ وہ حدیث رسول کے ادب کو درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب تصور کرتے تھے۔

(۱) افضل درجہ تو یہ ہے کہ غسل کر لیا جائے۔اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم باوضو ہو کر شاملِ مجلس ہونا۔

(۲) جسم اور کپڑوں پر خوشبو لگانا۔ (۳) دوزانو ہو کر بیٹھنا۔

(۴) پڑھنے والے کے لیے حدیث مبارک اونچی جگہ پر بیٹھ کر پڑھنا۔

(۵) جب حدیث مبارک پڑھی جائے تو آواز کو پست رکھنا۔

(۶) سننے والوں کے لیے حدیث مبارک خاموشی سے سننا۔

(۷) حدیث مبارک پڑھنے یا پڑھانے کے دوران اگر کوئی مہمان بھی آجائے تو اس کی تعظیم کے لیے نہ اٹھنا۔

(۸) اگر کوئی حدیث مبارک پہلے پڑھی یا سنی ہو تو اسے بھی اس طرح پوری توجہ سے سننا جیسے پہلی دفعہ سن رہا ہو۔

فہرست عنوانات

بَاب مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُصَلِّي وَحْدَهُ ثُمَّ يُدْرِكُ الجَمَاعَةَ	۲۹
بَاب مَا جَاءَ فِي الجَمَاعَةِ فِي مَسْجِدٍ قَدْ صُلِّيَ فِيهِ مَرَّةً	۳۰
بَاب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ العِشَاءِ وَالفَجْرِ فِي الجَمَاعَةِ	۳۲
بَاب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الصَّفِّ الأَوَّلِ	۳۴
بَاب مَا جَاءَ فِي إِقَامَةِ الصُّفُوفِ	۳۵
بَاب مَا جَاءَ لِيَلِيَنِّي مِنْكُمْ أُولُو الأَحْلَامِ وَالنُّهَى	۳۵
اياكم وهيشات الاسواق	۳۶
بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الصَّفِّ بَيْنَ السَّوَارِي	۳۶
بَاب مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهُ	۳۸
بَاب مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُصَلِّي وَمَعَهُ رَجُلٌ	۳۹
بَاب مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُصَلِّي مَعَ الرَّجُلَيْنِ	۴۰
بَاب مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُصَلِّي وَمَعَهُ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ	۴۱
بَاب مَنْ أَحَقُّ بِالإِمَامَةِ	۴۲
جمہور کی دلیل اوّل: واقعہ مرض الوفات	۴۳
مسئلہ ۲: فاقدمھم ھجرۃً	۴۴
مسئلہ ۳: لا یوم الرجل فی سلطانہ	۴۴

بَاب مَا جَاءَ إِذَا أَمَّ أَحَدُكُمُ النَّاسَ فَلْيُخَفِّفْ	۴۵
بَاب مَا جَاءَ فِي تَحْرِيمِ الصَّلَاةِ وَتَحْلِيلِهَا	۴۶
بَاب فِي نَشْرِ الْأَصَابِعِ عِنْدَ التَّكْبِيرِ	۴۸
بَاب فِي فَضْلِ التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى	۴۹
قال ابو عیسیٰ قد روی هذا الحديث	۴۹
بَاب مَا يَقُولُ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ	۵۰
پہلی بات: اختلافی مسئلہ	۵۰
تیسری بات: چند سوالات وجوابات	۵۱
بَاب مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الْجَهْرِ بِ {بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ}	۵۲
بَاب مَنْ رَأَى الْجَهْرَ بِ {بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ}	۵۲
آئمہ فقہاء مجتہدین کے مستدلات	۵۳
شوافع حضرات کی پہلی دلیل:	۵۳
حضرات شوافع کے دلائل کے جوابات	۵۴
دوسرا مسئلہ: تسمیہ فی الصلوٰۃ جہراً پڑھیں گے یا سراً	۵۴
امام شافعی رحمہ اللہ کے متعدد مستدلات ہیں	۵۵
پہلے دو فریقوں کے دلائل کے جوابات	۵۶
بَاب فِي افْتِتَاحِ الْقِرَاءَةِ بِالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ	۵۷
بَاب مَا جَاءَ أَنَّهُ لَا صَلَاةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ	۵۷
بَاب مَا جَاءَ فِي التَّأْمِينِ	۵۹
شوافع حضرات کی دلیل:	۶۳
بَاب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ التَّأْمِينِ	۶۴

بَاب مَا جَاءَ فِي السَّكْتَتَيْنِ	۶۵
بَاب مَا جَاءَ فِي وَضعِ اليَمِينِ عَلَى الشِّمَالِ فِي الصَّلَاةِ	۶۵
بَاب مَا جَاءَ فِي التَّكْبِيرِ عِنْدَ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ	۶۸
بَاب رَفعِ اليَدَيْنِ عِنْدَ الرُّكُوعِ	۶۹
اعتراض رابع کا جواب	۷۲
جوابات من جانب الاحناف، جواب اوّل:	۷۵
ترک رفع یدین کی وجوہ ترجیح	۷۶
بَاب مَا جَاءَ فِي وَضعِ اليَدَيْنِ عَلَى الرُّكْبَتَيْنِ فِي الرُّكُوعِ	۷۸
بَاب مَا جَاءَ أَنَّهُ يُجَافِي يَدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ فِي الرُّكُوعِ	۷۸
بَاب مَا جَاءَ فِي التَّسْبِيحِ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ	۷۹
بَاب مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ القِرَاءَةِ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ	۸۰
بَاب مَا جَاءَ فِيمَنْ لَا يُقِيمُ صُلْبَهُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ	۸۰
ائمہ ثلاثہ کی پہلی دلیل:	۸۱
بَاب مَا يَقُولُ الرَّجُلُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ	۸۱
بَاب مِنْهُ آخَرُ	۸۱
بَاب مَا جَاءَ فِي وَضعِ اليَدَيْنِ قَبْلَ الرُّكْبَتَيْنِ فِي السُّجُودِ	۸۲
بَاب آخَرُ مِنْهُ	۸۲
مالکیہ کی دلیل:	۸۳
بَاب مَا جَاءَ فِي السُّجُودِ عَلَى الجَبْهَةِ وَالأَنْفِ	۸۴
دوسری بات، مسئلہ اختلافی (۲):	۸۴
امام صاحب کی دلیل اوّل:	۸۴
بَاب مَا جَاءَ أَيْنَ يَضَعُ الرَّجُلُ وَجْهَهُ إِذَا سَجَدَ	۸۵

بَابُ مَا جَاءَ فِي السُّجُودِ عَلَى سَبْعَةِ أَعْضَاءٍ	۸۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّجَافِي فِي السُّجُودِ	۸۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاعْتِدَالِ فِي السُّجُودِ	۸۷
پہلی بات:	۸۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي وَضْعِ الْيَدَيْنِ وَنَصْبِ الْقَدَمَيْنِ فِي السُّجُودِ	۸۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي إِقَامَةِ الصُّلْبِ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ وَالرُّكُوعِ	۸۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ يُبَادِرَ الْإِمَامَ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ	۸۹
قوله قال ثنا البراء وهو غير كذاب	۹۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْإِقْعَاءِ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ	۹۰
بَابٌ فِي الرُّخْصَةِ فِي الْإِقْعَاءِ	۹۱
بَابُ مَا يَقُولُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ	۹۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاعْتِمَادِ فِي السُّجُودِ	۹۲
بَابُ كَيْفَ النُّهُوضُ مِنَ السُّجُودِ	۹۳
"بَابٌ مِنْهُ أَيْضًا"	۹۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّشَهُّدِ	۹۵
بَابٌ مِنْهُ أَيْضًا	۹۶
بَابُ مَا جَاءَ أَنَّهُ يُخْفِي التَّشَهُّدَ	۹۸
بَابُ كَيْفَ الْجُلُوسُ فِي التَّشَهُّدِ	۹۸
باب مِنْهُ أَيْضًا	۹۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِشَارَةِ	۱۰۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْلِيمِ فِي الصَّلَاةِ	۱۰۱

بَاب مِنْهُ أَيْضًا	۱۰۲
بَاب مَا جَاءَ أَنَّ حَذْفَ السَّلَامِ سُنَّةٌ	۱۰۳
بَاب مَا يَقُولُ إِذَا سَلَّمَ	۱۰۳
بَاب مَا جَاءَ فِي الِانْصِرَافِ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ	۱۰۵
بَاب مَا جَاءَ فِي وَصْفِ الصَّلَاةِ	۱۰۶
بَاب مَا جَاءَ فِي الْقِرَاءَةِ فِي الصُّبْحِ	۱۱۰
بَاب مَا جَاءَ فِي الْقِرَاءَةِ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ	۱۱۱
بَاب فِي الْقِرَاءَةِ فِي الْمَغْرِبِ	۱۱۱
بَاب مَا جَاءَ فِي الْقِرَاءَةِ فِي صَلَاةِ الْعِشَاءِ	۱۱۲
بَاب مَا جَاءَ فِي الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ	۱۱۲
احناف کے دلائل، پہلی دلیل:	۱۱۴
اعتراض اوّل کا جواب اوّل:	۱۱۷
اعتراض ثانی کا جواب:	۱۱۸
اعتراض ثالث کا جواب (۱):	۱۱۸
اعتراض سابع کا جواب:	۱۱۹
اعتراض اوّل کا جواب (۱):	۱۲۱
اعتراض ثانی کا جواب:	۱۲۱
اعتراض ثالث کا جواب (۱):	۱۲۲
اعتراض رابع کا جواب (۱):	۱۲۲
مسلک احناف کی وجوہ ترجیح	۱۲۶
باب مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ إِذَا جَهَرَ الْإِمَامُ بِالْقِرَاءَةِ	۱۲۷
بَاب مَا يَقُولُ عِنْدَ دُخُولِهِ الْمَسْجِدَ	۱۲۸

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ المَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ	۱۲۸
بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الأَرْضَ كُلَّهَا مَسْجِدٌ إِلَّا المَقْبَرَةَ وَالحَمَّامَ	۱۳۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ بُنْيَانِ المَسْجِدِ	۱۳۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ يَتَّخِذَ عَلَى القَبْرِ مَسْجِدًا	۱۳۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّوْمِ فِي المَسْجِدِ	۱۳۲
ان دونوں روایات میں تطبیق:	۱۳۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ البَيْعِ وَالشِّرَاءِ وَإِنْشَادِ الضَّالَّةِ وَالشِّعْرِ فِي المَسْجِدِ	۱۳۲
سند عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عاص:	۱۳۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي المَسْجِدِ الَّذِي أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَى	۱۳۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ فِي مَسْجِدِ قُبَاءٍ	۱۳۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي أَيِّ المَسَاجِدِ أَفْضَلُ	۱۳۵
قول ثانی والوں کی دلیل:	۱۳۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي المَشْيِ إِلَى المَسْجِدِ	۱۴۰
ابوحنیفہ کا قول اقویٰ ہے من وجوہ	۱۴۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي القُعُودِ فِي المَسْجِدِ وَانْتِظَارِ الصَّلَاةِ مِنَ الفَضْلِ	۱۴۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الخُمْرَةِ	۱۴۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الحَصِيرِ	۱۴۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى البُسُطِ	۱۴۳
خمرہ، حصیر، بساط میں فرق	۱۴۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ فِي الحِيطَانِ	۱۴۴
قال ابوعیسیٰ: قولہ والحسن بن ابی جعفر قد ضعف	۱۴۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي سُتْرَةِ المُصَلِّي	۱۴۵

مسئلہ اختلافی: سترۃ الامام سترۃ القوم ہے یا نہیں؟	۱۴۶
بَابُ مَاجَاءَ لَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ شَيْءٌ	۱۴۶
بَابُ مَاجَاءَ: أَنَّهُ لَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ إِلَّا الْكَلْبُ وَالْحِمَارُ وَالْمَرْأَةُ	۱۴۷
بَابُ مَاجَاءَ فِي الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ	۱۴۹
بَابُ مَاجَاءَ فِي ابْتِدَاءِ الْقِبْلَةِ	۱۵۰
بَابُ مَاجَاءَ أَنَّ مَابَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ	۱۵۲
پہلی بات:	۱۵۲
بَابُ مَاجَاءَ فِي الرَّجُلِ يُصَلِّي لِغَيْرِ الْقِبْلَةِ فِي الْغَيْمِ	۱۵۳
مَاجَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ مَايُصَلَّى إِلَيْهِ وَفِيهِ	۱۵۴
پہلی بات: چار الفاظ کی وضاحت:	۱۵۴
دوسری بات، مسئلہ: بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟	۱۵۴
قال ابوعیسیٰ حدیث ابن عمر اسنادہ لیس بذاک القوی	۱۵۵
بَابُ مَاجَاءَ فِي الصَّلَاةِ فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ، وَأَعْطَانِ الْإِبِلِ	۱۵۵
بَابُ مَاجَاءَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الدَّابَّةِ حَيْثُ مَاتَوَجَّهَتْ بِهِ	۱۵۶
بَابُ مَاجَاءَ فِي الصَّلَاةِ إِلَى الرَّاحِلَةِ	۱۵۶
بَابُ مَاجَاءَ إِذَا حَضَرَ الْعَشَاءُ وَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَابْدَءُوا بِالْعَشَاءِ	۱۵۶
بَابُ مَاجَاءَ فِي الصَّلَاةِ عِنْدَ النُّعَاسِ	۱۵۷
بَابُ مَاجَاءَ فِيمَنْ زَارَ قَوْمًا فَلَا يُصَلِّ بِهِمْ	۱۵۸
اسحاق بن راہویہ کی دلیل:	۱۵۸
بَابُ مَاجَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ يَخُصَّ الْإِمَامُ نَفْسَهُ بِالدُّعَاءِ	۱۵۸
بَابُ مَاجَاءَ فِيمَنْ أَمَّ قَوْمًا وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ	۱۵۹

بَاب مَا جَاءَ إِذَا صَلَّى الإِمَامُ قَاعِدًا فَصَلُّوا قُعُودًا	۱۶۱
آئمہ مذاہب کے دلائل	۱۶۲
بَاب مِنْهُ أَيْضًا اسی سے متعلق	۱۶۳
بَاب مَا جَاءَ فِي الإِمَامِ يَنْهَضُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ نَاسِيًا	۱۶۳
بَاب مَا جَاءَ فِي مِقْدَارِ الْقُعُودِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الأُولَيَيْنِ	۱۶۴
بَاب مَا جَاءَ فِي الإِشَارَةِ فِي الصَّلاَةِ	۱۶۵
بَاب مَا جَاءَ أَنَّ التَّسْبِيحَ لِلرِّجَالِ، وَالتَّصْفِيقَ لِلنِّسَاءِ	۱۶۶
بَاب مَا جَاءَ أَنَّ صَلاَةَ الْقَاعِدِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ صَلاَةِ الْقَائِمِ	۱۶۷
بَاب فِيمَنْ يَتَطَوَّعُ جَالِسًا	۱۶۸
بَاب مَا جَاءَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنِّي لأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فِي الصَّلاَةِ، فَأُخَفِّفُ	۱۷۰
بَاب: مَا جَاءَ لاَ تُقْبَلُ صَلاَةُ الْحَائِضِ إِلاَّ بِخِمَارٍ	۱۷۰
بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ السَّدْلِ فِي الصَّلاَةِ	۱۷۱
بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ مَسْحِ الْحَصَى فِي الصَّلاَةِ	۱۷۱
بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ النَّفْخِ فِي الصَّلاَةِ	۱۷۲
بَاب مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الاِخْتِصَارِ فِي الصَّلاَةِ	۱۷۲
بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ كَفِّ الشَّعْرِ فِي الصَّلاَةِ	۱۷۳
بَاب مَا جَاءَ فِي التَّخَشُّعِ فِي الصَّلاَةِ	۱۷۳
بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ التَّشْبِيكِ بَيْنَ الأَصَابِعِ فِي الصَّلاَةِ	۱۷۴
بَاب مَا جَاءَ فِي طُولِ الْقِيَامِ فِي الصَّلاَةِ	۱۷۵
بَاب مَا جَاءَ فِي كَثْرَةِ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ	۱۷۵
بَاب مَا جَاءَ فِي قَتْلِ الأَسْوَدَيْنِ فِي الصَّلاَةِ	۱۷۶

بَابُ مَا جَاءَ فِي سَجْدَتَيِ السَّهْوِ قَبْلَ السَّلَامِ	۱۷۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي سَجْدَتَيِ السَّهْوِ بَعْدَ السَّلَامِ وَالْكَلَامِ	۱۷۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّشَهُّدِ فِي سَجْدَتَيِ السَّهْوِ	۱۸۱
بَابُ فِيمَنْ يَشُكُّ فِي الزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ	۱۸۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُسَلِّمُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ	۱۸۳
مخالفین کی دلیل کے بقیہ جوابات	۱۸۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ فِي النِّعَالِ	۱۸۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقُنُوتِ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ	۱۹۰
بَابُ فِي تَرْكِ الْقُنُوتِ	۱۹۰
شوافع و مالکیہ کی دلیل اوّل:	۱۹۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَعْطِسُ فِي الصَّلَاةِ	۱۹۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي نَسْخِ الْكَلَامِ فِي الصَّلَاةِ	۱۹۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عِنْدَ التَّوْبَةِ	۱۹۳
بَابُ مَا جَاءَ مَتَى يُؤْمَرُ الصَّبِيُّ بِالصَّلَاةِ	۱۹۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُحْدِثُ فِي التَّشَهُّدِ	۱۹۴
بَابُ مَا جَاءَ إِذَا كَانَ الْمَطَرُ فَالصَّلَاةُ فِي الرِّحَالِ	۱۹۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْبِيحِ فِي أَدْبَارِ الصَّلَاةِ	۱۹۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الدَّابَّةِ فِي الطِّينِ وَالْمَطَرِ	۱۹۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاجْتِهَادِ فِي الصَّلَاةِ	۱۹۸
بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ	۱۹۹
بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ صَلَّى فِي يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً مِنَ السُّنَّةِ مَا لَهُ مِنَ الْفَضْلِ	۲۰۰

بَابُ مَا جَاءَ فِي رَكْعَتَيِ الفَجْرِ مِنَ الفَضْلِ	۲۰۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي تَخْفِيفِ رَكْعَتَيِ الفَجْرِ وَالْقِرَاءَةِ فِيهَا	۲۰۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي الكَلَامِ بَعْدَ رَكْعَتَيِ الفَجْرِ	۲۰۲
بَابُ مَا جَاءَ لَا صَلَاةَ بَعْدَ طُلُوعِ الفَجْرِ إِلَّا رَكْعَتَيْنِ	۲۰۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاضْطِجَاعِ بَعْدَ رَكْعَتَيِ الفَجْرِ	۲۰۳
اہل ظواہر اور آئمہ ثلاثہ کا مستدل:	۲۰۳
بَابُ مَا جَاءَ إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا المَكْتُوبَةُ	۲۰۴
بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ تَفُوتُهُ الرَّكْعَتَانِ قَبْلَ الفَجْرِ يُصَلِّيهِمَا بَعْدَ صَلَاةِ الفَجْرِ	۲۰۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي إِعَادَتِهِمَا بَعْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ	۲۰۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي الأَرْبَعِ قَبْلَ الظُّهْرِ	۲۰۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ	۲۰۸
بَابُ آخَرُ	۲۰۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي الأَرْبَعِ قَبْلَ العَصْرِ	۲۰۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ المَغْرِبِ وَالقِرَاءَةِ فِيهِمَا	۲۰۹
بَابُ مَا جَاءَ أَنَّهُ يُصَلِّيهِمَا فِي البَيْتِ	۲۱۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ التَّطَوُّعِ وَسِتِّ رَكَعَاتٍ بَعْدَ المَغْرِبِ	۲۱۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ العِشَاءِ	۲۱۱
بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ صَلَاةَ اللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى	۲۱۲
امام صاحب کی دلیل:	۲۱۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ صَلَاةِ اللَّيْلِ	۲۱۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي وَصْفِ صَلَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ	۲۱۴

بَابٌ مِنْهُ	۲۱۵
بَابٌ مِنْهُ	۲۱۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي نُزُولِ الرَّبِّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا كُلَّ لَيْلَةٍ	۲۱۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِرَاءَةِ بِاللَّيْلِ	۲۱۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ صَلَاةِ التَّطَوُّعِ فِي الْبَيْتِ	۲۱۸
أَبْوَابُ الْوِتْرِ	۲۱۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْوِتْرِ	۲۱۹
بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْوِتْرَ لَيْسَ بِحَتْمٍ	۲۱۹
دوسرا مسئلہ: وتر ایک رکعت ہے یا تین رکعت ہیں؟	۲۲۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ النَّوْمِ قَبْلَ الْوِتْرِ	۲۲۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوِتْرِ مِنْ أَوَّلِ اللَّيْلِ وَآخِرِهِ	۲۲۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوِتْرِ بِسَبْعٍ	۲۲۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوِتْرِ بِخَمْسٍ	۲۲۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوِتْرِ بِثَلَاثٍ	۲۲۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوِتْرِ بِرَكْعَةٍ	۲۲۶
بَابُ مَا جَاءَ مَا يُقْرَأُ فِي الْوِتْرِ	۲۲۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقُنُوتِ فِي الْوِتْرِ	۲۲۷
شوافع کا مستدل:	۲۲۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَنَامُ عَنِ الْوِتْرِ، أَوْ يَنْسَاهُ	۲۲۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي مُبَادَرَةِ الصُّبْحِ بِالْوِتْرِ	۲۳۰
بَابُ مَا جَاءَ لَا وِتْرَانِ فِي لَيْلَةٍ	۲۳۱

مسئلہ اختلافی:	۲۳۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي الوِتْرِ عَلَى الرَّاحِلَةِ	۲۳۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي صَلَاةِ الضُّحٰى	۲۳۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عِنْدَ الزَّوَالِ	۲۳۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي صَلَاةِ الحَاجَةِ	۲۳۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي صَلَاةِ الإِسْتِخَارَةِ	۲۳۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي صَلَاةِ التَّسْبِيحِ	۲۳۹
صلوٰۃ تسبیح کا طریقہ اور اس کا حکم	۲۴۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	۲۴۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	۲۴۳
أَبْوَابُ الْجُمُعَةِ	۲۴۴
بَابُ فَضْلِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ	۲۴۷
بَابُ فِي السَّاعَةِ الَّتِي تُرْجَى فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ	۲۴۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي الاِغْتِسَالِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ	۲۵۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ	۲۵۱
بَابُ فِي الْوُضُوءِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ	۲۵۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّبْكِيرِ إِلَى الْجُمُعَةِ	۲۵۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الْجُمُعَةِ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ	۲۵۴
بَابُ مَا جَاءَ مِنْ كَمْ يُؤْتَى الْجُمُعَةُ	۲۵۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي وَقْتِ الْجُمُعَةِ	۲۵۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخُطْبَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ	۲۵۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْجُلُوسِ بَيْنَ الْخُطْبَتَيْنِ	۲۵۸

اختلافی مسئلہ،قول اوّل:	۲۵۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي قَصْرِ الخُطْبَةِ	۲۵۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي القِرَاءَةِ عَلَى المِنْبَرِ	۲۵۹
بَابٌ فِي اسْتِقْبَالِ الإِمَامِ إِذَا خَطَبَ	۲۵۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ إِذَا جَاءَ الرَّجُلُ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ	۲۶۰
شوافع وحنابلہ کی دلیل اوّل:	۲۶۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الكَلَامِ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ	۲۶۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ التَّخَطِّي يَوْمَ الجُمُعَةِ	۲۶۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الِاحْتِبَاءِ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ	۲۶۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ رَفْعِ الأَيْدِي عَلَى المِنْبَرِ	۲۶۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي أَذَانِ الجُمُعَةِ	۲۶۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي الكَلَامِ بَعْدَ نُزُولِ الإِمَامِ مِنَ المِنْبَرِ	۲۶۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي القِرَاءَةِ فِي صَلَاةِ الجُمُعَةِ	۲۶۷
بَابُ مَا جَاءَ فِيمَا يَقْرَأُ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ يَوْمَ الجُمُعَةِ	۲۶۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ قَبْلَ الجُمُعَةِ وَبَعْدَهَا	۲۶۸
بَابٌ فِي القَائِلَةِ يَوْمَ الجُمُعَةِ	۲۷۰
بَابٌ فِي مَنْ يَنْعَسُ يَوْمَ الجُمُعَةِ	۲۷۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّفَرِ يَوْمَ الجُمُعَةِ	۲۷۱
بَابٌ فِي السِّوَاكِ وَالطِّيبِ يَوْمَ الجُمُعَةِ	۲۷۲
أَبْوَابُ العِيدَيْنِ	۲۷۳
بَابٌ فِي المَشْيِ يَوْمَ العِيدَيْنِ	۲۷۴

بَاب فِي صَلَاةِ الْعِيدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ	۲۷۴
بَاب أَنَّ صَلَاةَ الْعِيدَيْنِ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ	۲۷۵
بَاب الْقِرَاءَةِ فِي الْعِيدَيْنِ	۲۷۵
بَاب فِي التَّكْبِيرِ فِي الْعِيدَيْنِ	۲۷۷
آئمہ ثلاثہ کی دلیل:	۲۷۸
بَاب لَا صَلَاةَ قَبْلَ الْعِيدَيْنِ وَلَا بَعْدَهَا	۲۷۹
بَاب فِي خُرُوجِ النِّسَاءِ فِي الْعِيدَيْنِ	۲۸۰
بَاب مَا جَاءَ فِي خُرُوجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْعِيدِ فِي طَرِيقٍ، وَرُجُوعِهِ مِنْ طَرِيقٍ آخَرَ	۲۸۱
بَاب فِي الْأَكْلِ يَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ الْخُرُوجِ	۲۸۱
أَبْوَابُ السَّفَرِ	
بَاب التَّقْصِيرِ فِي السَّفَرِ	۲۸۲
آئمہ ثلاثہ کی دلیل اوّل:	۲۸۴
عمل عائشہ رضی اللہ عنہا کی مختلف توجیہات	۲۸۶
بَاب مَا جَاءَ فِي كَمْ تُقْصَرُ الصَّلَاةُ	۲۸۷
اسحاق بن راہویہ کی دلیل:	۲۸۹
بَاب مَا جَاءَ فِي التَّطَوُّعِ فِي السَّفَرِ	۲۹۰
بَاب مَا جَاءَ فِي الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ	۲۹۱
بَاب مَا جَاءَ فِي صَلَاةِ الِاسْتِسْقَاءِ	۲۹۶
پہلی بات:	۲۹۶
دوسری بات: اختلافی مسئلہ(۱):	۲۹۷

امام صاحب کی دلیل:	۲۹۷
تیسری بات: اختلافی مسئلہ (۲)	۲۹۷
امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل:	۲۹۸
پہلی بات:	۲۹۸
دوسری بات: اختلافی مسئلہ (۱):	۲۹۹
آئمہ ثلاثہ کی دلیل:	۳۰۰
بَاب: كَيْفَ الْقِرَاءَةُ فِي الْكُسُوفِ	۳۰۱
اختلافی مسئلہ (۳):	۳۰۲
حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جواب (۱)	۳۰۲
امام طحاوی رحمہ اللہ کی نظر کا جواب:	۳۰۳
بَاب مَا جَاءَ فِي صَلَاةِ الْخَوْفِ	۳۰۳
پہلی بات:	۳۰۴
قاضی صاحب رحمہ اللہ کی دلیل:	۳۰۵
احناف کی دلیل اوّل:	۳۰۷
شوافع کی دلیل:	۳۰۷
اسحاق بن راہویہ کے شبہ کا جواب:	۳۰۷
بَاب مَا جَاءَ فِي سُجُودِ الْقُرْآنِ	۳۰۸
آئمہ ثلاثہ کی دلیل اوّل:	۳۰۹
بَاب فِي خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْمَسَاجِدِ	۳۱۰
بَاب فِي كَرَاهِيَةِ الْبُزَاقِ فِي الْمَسْجِدِ	۳۱۰

بَاب فِي السَّجدَةِ فِي إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ وَ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ	۳۱۱
قول ثانی کی دلیل:	۳۱۱
بَاب مَا جَاءَ فِي السَّجدَةِ فِي النَّجْمِ	۳۱۲
جمہور کے دلائل:	۳۱۳
بَاب مَا جَاءَ مَنْ لَمْ يَسْجُدْ فِيهِ	۳۱۳
بَاب مَا جَاءَ فِي السَّجدَةِ فِي ص	۳۱۴
بَاب ماجاء فِي السَّجدَةِ فِي الْحَجِّ	۳۱۵
بَاب مَا يَقُولُ فِي سُجُودِ القُرْآنِ	۳۱۶
بَاب مَا ذُكِرَ فِيمَنْ فَاتَهُ حِزْبُهُ مِنَ اللَّيْلِ فَقَضَاهُ بِالنَّهَارِ	۳۱۷
بَاب مَا جَاءَ فِي التَّشْدِيدِ فِي الَّذِي يَرْفَعُ رَأْسَهُ قَبْلَ الإِمَامِ ان يحوّل الله	۳۱۸
بَاب مَا جَاءَ فِي الَّذِي يُصَلِّي الفَرِيضَةَ ثُمَّ يَؤُمُّ النَّاسَ بَعْدَ ذَلِكَ	۳۱۸
بَاب مَا ذُكِرَ مِنَ الرُّخصَةِ فِي السُّجُودِ عَلَى الثَّوْبِ فِي الحَرِّ وَ البَرْدِ	۳۲۱
بَاب ذِكْرِ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الجُلُوسِ فِي المَسْجِدِ بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبحِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ	۳۲۲
بَاب مَا ذُكِرَ فِي الِالتِفَاتِ فِي الصَّلَاةِ	۳۲۲
بَاب مَا ذُكِرَ فِي الرَّجُلِ يُدْرِكُ الإِمَامَ وَهُوَ سَاجِدٌ كَيفَ يَصْنَعُ	۳۲۵
بَاب كَرَاهِيَةِ أَنْ يَنْتَظِرَ النَّاسُ الإِمَامَ وَهُمْ قِيَامٌ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ	۳۲۵
بَاب مَا ذُكِرَ فِي الثَّنَاءِ عَلَى اللهِ، وَ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَ سَلَّمَ قَبلَ الدُّعَاءِ	۳۲۵
بَاب مَا ذُكِرَ فِي تَطْيِيبِ المَسَاجِدِ	۳۲۶
بَاب: أَنَّ صَلَاةَ اللَّيلِ وَ النَّهَارِ مَثْنَى مَثْنَى	۳۲۶
بَاب كَيفَ كَانَ تَطَوُّعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَ سَلَّمَ بِالنَّهَارِ	۳۲۶

بَاب فِي كَرَاهِيَةِ الصَّلَاةِ فِي لُحُفِ النِّسَاءِ	۳۲۷
بَاب مَا يَجُوزُ مِنَ الْمَشْيِ وَالْعَمَلِ فِي صَلَاةِ التَّطَوُّعِ	۳۲۷
بَاب مَا ذُكِرَ فِي قِرَاءَةِ سُورَتَيْنِ فِي رَكْعَةٍ	۳۲۸
بَاب مَا ذُكِرَ فِي فَضْلِ الْمَشْيِ إِلَى الْمَسْجِدِ وَمَا يُكْتَبُ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ فِي خُطَاهُ	۳۲۹
بَاب الصَّلَاةِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي الْبَيْتِ	۳۳۰
بَاب: فِي الِاغْتِسَالِ عِنْدَمَا يُسْلِمُ الرَّجُلُ	۳۳۰
عَنْ قَيْسِ بْنِ عَاصِمٍ أَنَّهُ أَسْلَمَ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَغْتَسِلَ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ.	۳۳۰
مسئلہ اختلافی، قول اوّل:	۳۳۰
بَاب التَّسْمِيَةِ فِى دُخُولِ الْخَلَاءِ	۳۳۱
بَاب سِيمَاءِ هَذِهِ الْأُمَّةِ مِنْ آثَارِ السُّجُودِ وَالطُّهُورِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ	۳۳۱
بَاب مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ التَّيَمُّنِ فِي الطُّهُورِ	۳۳۲
بَاب قَدْرِ مَا يُجْزِئُ مِنَ الْمَاءِ فِي الْوُضُوءِ	۳۳۲
بَاب مَا ذُكِرَ فِي نَضْحِ بَوْلِ الْغُلَامِ الرَّضِيعِ	۳۳۲
دودھ پیتے بچے کے پیشاب پر پانی بہانا کافی ہے	۳۳۲
بَاب: فِي الرُّخْصَةِ لِلْجُنُبِ فِي الْأَكْلِ وَالنَّوْمِ إِذَا تَوَضَّأَ	۳۳۳
بَاب مَا ذُكِرَ فِي فَضْلِ الصَّلَاةِ	۳۳۳
بَاب مِنْهُ	۳۳۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُصَلِّي وَحْدَهُ ثُمَّ يُدْرِكُ الْجَمَاعَةَ

اس شخص کے متعلق جو اکیلا نماز پڑھ چکا ہو پھر جماعت پائے

جَابِرُ بْنُ يَزِيدَ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَّتَهُ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ صَلَاةَ الصُّبْحِ فِي مَسْجِدِ الْخَيْفِ فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ انْحَرَفَ فَإِذَا هُوَ بِرَجُلَيْنِ فِي أُخْرَى الْقَوْمِ لَمْ يُصَلِّيَا مَعَهُ فَقَالَ عَلَيَّ بِهِمَا، فَجِيءَ بِهِمَا تُرْعَدُ فَرَائِصُهُمَا فَقَالَ مَا مَنَعَكُمَا أَنْ تُصَلِّيَا مَعَنَا، فَقَالَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّا كُنَّا قَدْ صَلَّيْنَا فِي رِحَالِنَا قَالَ فَلَا تَفْعَلَا إِذَا صَلَّيْتُمَا فِي رِحَالِكُمَا ثُمَّ أَتَيْتُمَا مَسْجِدَ جَمَاعَةٍ فَصَلِّيَا مَعَهُمْ، فَإِنَّهَا لَكُمَا نَافِلَةٌ.

ترجمہ حضرت جابر بن یزید الاسود اپنے والد کا قول نقل کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج میں شریک تھا۔ میں نے آپؐ کے ساتھ فجر کی نماز مسجد خیف میں پڑھی جب نماز ختم ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے اور دو آدمیوں کو دیکھا کہ انہوں نے جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں میرے پاس لاؤ۔ پس ان کو لایا گیا ان کی رگیں خوف سے پھڑکنے لگیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تمہیں ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے روکا؟ انہوں نے عرض کیا ہم نے اپنی منزلوں میں نماز پڑھ لی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کیا کرو اگر تم نے اپنی منزلوں میں نماز پڑھ بھی لی ہو اور پھر تم جماعت والی مسجد میں آؤ تو ان کے ساتھ نماز پڑھو وہ تمہارے لئے نفل ہوگی۔

تشریح اپنی نماز تنہاء پڑھنے کے بعد اگر جماعت کی نماز مل جائے تو شریک ہونا چاہیے یا شریک نہ ہونا چاہیے۔

قول اوّل: احناف کے ہاں تفصیل ہے کہ ظہر وعشاء میں نفل کی نیت سے شریک ہوسکتا ہے۔

قول ثانی: امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مغرب کے ماسواء میں شریک ہوسکتا ہے۔

قول ثالث: شوافع، حنابلہ، اسحاق بن راھویہ کے نزدیک پانچوں نمازوں میں شرکت جائز ہے۔

احناف کی دلیل: فجر اور عصر کے متعلق احادیث "نهى عن الصلوة بعد صلوة الفجر و بعد صلوة العصر" متواتر ہیں اور مغرب کے متعلق دلیل یہ ہے کہ اگر شریک ہو تو دو حال سے خالی نہیں، امام کے ساتھ سلام پھیرے گا یا نہیں؟ اگر سلام پھیرے تو نفل بالثلث لازم آئے گا اور یہ مشروع نہیں، اگر چوتھی رکعت ملائے تو امام کی مخالفت لازم آئے گی۔ لہٰذا ان تینوں نمازوں میں شرکت جائز نہیں اور امام مالک کی بھی مغرب کے متعلق یہی دلیل ہے۔

مالکیہ کی دلیل: مغرب کے ماسواء میں وہی دلیل ہے جو احناف کی ہے۔

شوافع، حنابلہ کی دلیل: علی الاطلاق حدیث الباب ہے۔ یزید کہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں حاضر تھا، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو مڑ کر بیٹھ گئے تو پھر کیا دیکھتے ہیں کہ دو آدمی جو لوگوں کے اخیر میں تھے، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز نہ پڑھی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ان کو میرے پاس لاؤ، جب ان کو لایا گیا تو ان کے کندھے خوف سے کپکپا رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کس چیز نے تم کو میرے ساتھ نماز پڑھنے سے روکا تو انہوں نے کہا کہ ہم اپنے ٹھکانوں پر نماز پڑھ چکے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فلا تفعلا اذا صليتما فى رحالكم ثم آتيتما مسجد جماعة فصليا معهما فانها نافلة" یہ الفاظ اپنے عموم کی بناء پر صلوٰۃ دون صلوٰۃ کے ساتھ نہیں۔ لہٰذا پانچوں نماز میں شرکت جائز ہوگی اور مغرب کے بارے میں کہتے ہیں کہ ایک رکعت ساتھ ملالے۔ جواب (۱): امام کی مخالفت تو لازم آئے گی۔

جواب (۲): یہ سنت ہے تو سنت کو نہ چھوڑے اور امام کی مخالفت کا تحمل کرلے۔ یہ حدیث مخصوص ہے فجر، عصر، مغرب کے ماسواء کے ساتھ۔

سوال: اس حدیث کا تو ورود ہی فجر کے وقت ہے پھر کیسے نماز فجر کا استثناء کریں گے؟

جواب: صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ ظہر کی نماز کا ہے۔ چنانچہ کتاب الآثار میں امام محمد نے تصریح کی ہے کہ یہ واقعہ ظہر کی نماز کا ہے۔ لہٰذا احادیث "نهى عن الصلوة بعد صلوة الفجر و بعد صلوة العصر" کی وجہ سے اس حدیث کے عموم سے فجر و عصر و مغرب داخل نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْجَمَاعَةِ فِي مَسْجِدٍ قَدْ صُلِّيَ فِيهِ مَرَّةً

اس مسجد میں دوسری جماعت سے متعلق جس میں ایک جماعت ہو چکی ہو

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ وَقَدْ صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَيُّكُمْ يَتَّجِرُ عَلَى هٰذَا فَقَامَ رَجُلٌ فَصَلَّى مَعَهُ.

ترجمہ: حضرت ابی سعید سے روایت ہے کہ آیا ایک شخص اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تھے فرمایا کون

کرتا ہے تجارت اس شخص کے ساتھ یعنی اس کے ساتھ شریک ہو جائے تو جماعت کا ثواب دونوں پائیں سو ایک مرد کھڑا ہوا اور نماز پڑھ لی اس کے ساتھ۔

تشریح مسئلہ: مسجد میں جماعت ہو گئی ہو تو جماعت ثانیہ جائز ہے یا نہیں؟ کہتے ہیں کہ جماعت ثانیہ کی متعدد صورتیں ہیں۔(۱) مسجد طریق عام ہو تو بالاجماع مسجد میں جماعت ثانیہ جائز ہے۔(۲) مسجد محلہ میں پہلی جماعت محلہ کے ماسواء دوسرے لوگوں نے کرائی ہو تو محلہ والوں کے لیے جماعت ثانیہ بالاجماع جائز ہے۔(۳) مسجد محلہ میں محلہ والوں نے بلا اذان واقامت یا اذان واقامت اخفاءً کہی اور جماعت کرائی تو دوسرے محلہ والوں کے لیے اذان واقامت کے ساتھ یعنی اعلان کر کے جماعت جائز ہے۔(۴) مسجد محلہ میں پہلی جماعت محلہ والوں نے جماعت اقامت کے اعلان کے ساتھ کرائی ہو تو ان کے دوسروں کے لیے جماعت جائز ہے یا نہیں؟

قول اوّل: جمہور کے ہاں مکروہ بکراہت تحریمی ہے۔

قول ثانی: حنابلہ کے نزدیک اس صورت میں بھی جائز ہے۔

جمہور کی دلیل اوّل: حدیث ابوبکرۃ "الذی اخرجه معجم طبرانی" کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ نواحی مدینہ سے تشریف لائے، مسجد میں جماعت ہو چکی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں گئے اور اہل خانہ کو اکٹھا کر کے نماز پڑھی، اگر مسجد میں بلاکراہت جماعت ثانیہ جائز ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی کے اجر وثواب کو قطعاً نہ چھوڑتے۔

دلیل ثانی: اثر حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب کسی مسجد میں داخل ہوتے اور وہاں نماز باجماعت ہو چکی ہوتی تو وہ فرادیٰ فرادیٰ نماز پڑھتے۔اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل بھی دلیل ہے کہ جماعت بلاکراہت جائز نہیں۔ "اخرجه ابن شیبه فی مصنفه"

دلیل ثالث: انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول یہ تھا کہ جب کسی مسجد میں داخل ہوتے جس میں نماز باجماعت ہو چکی ہوتی تو فرادیٰ فرادیٰ نماز پڑھتے۔چنانچہ البدائع والصنائع میں ملک العلماء نے اس حدیث کی یعنی حدیث انس رضی اللہ عنہ کی تخریج کی ہے اور یہ اونچے درجے کے فقہاء میں سے ہیں۔ان کا نقل کرنا دلیل ہے کہ یہ صحیح السند ہے۔ اگرچہ حضرت بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے تمام کتابوں میں یہ حدیث نہیں ملی۔

دلیل رابع: احادیث متعلقہ بصلوٰۃ الخوف بھی دلیل ہے کہ شرعاً جماعت ثانیہ پسندیدہ نہیں، اس میں نقل وحرکت کی تو اجازت دی گئی ہے لیکن جماعت ثانیہ کی اجازت نہیں دی۔

دلیل خامس: جماعت ثانیہ کا بلاکراہت جواز یہ موجب تعلیل ہے۔جماعت اوّل کے لیے یعنی جماعت اوّل کا اہتمام باقی نہیں رہے گا۔اسی طرح جن لوگوں کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احراقِ بیوت کی وعید ارشاد فرمائی ان کے لیے بھی عذر تھا کہ ہم جماعت ثانیہ میں پڑھنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

دلیل سادس: جماعت کی مشروعیت سے مقصود اجتماعیت کو برقرار رکھنا ہے۔اس کا مقتضی بھی یہ ہے کہ جماعت ثانیہ کو جائز نہ قرار دیا جائے۔

حنابلہ کی دلیل: حدیث الباب ایک شخص آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز با جماعت سے فارغ ہو چکے تھے۔"قد صلّٰی ای فرغ" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ایکم یتّجِرُ علی ھذا فقام رجل و صلّٰی معہ" تم میں سے کون ہے جو اس کے ثواب کو حاصل کرے کہ اس کا مقتدی بن جائے، ایک شخص کھڑا ہوا، اس کے ساتھ نماز پڑھی، کہتے ہیں کہ کھڑے ہونے والے ابوبکر تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ نماز با جماعت ثانیہ بلا کراہت جائز ہے۔

جواب (۱): تقریب تام نہیں، اختلاف اس صورت میں ہے کہ جب امام اور مقتدی دونوں مفترض ہوں اور حدیث مذکورہ میں مقتدی متنفل ہے۔

جواب (۲): سیاق حدیث دال ہے کہ جماعت ثانیہ جائز نہیں سمجھی جاتی تھی۔اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ترغیب دینا پڑی اور ترغیب دینے پر بھی ایک آدمی کھڑے ہوئے اور وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے، طبیعت ان کی بھی نہیں چاہتی تھی۔"ای رجلٍ" اور "قام رجلٍ" کی تعبیر بھی دلیل ہے کہ یہ عام معمول نہ تھا۔

دلیل ثانی: عمل انس رضی اللہ عنہ ترمذی کی بعض حواشی میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ مع بیس ساتھیوں کے مسجد میں داخل ہوئے، جماعت ہو چکی تھی تو انہوں نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی؟

جواب (۱): احتمال ہے کہ وہ مسجد طریق ہو۔

جواب (۲): اگر مسجد محلہ ہی ہو تو ممکن ہے ان کو معلوم ہو۔پہلی جماعت محلہ والوں کے ماسوا نے کرائی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ العِشَاءِ وَالفَجْرِ فِي الجَمَاعَةِ

عشاء اور فجر کی نماز با جماعت پڑھنے کی فضیلت میں

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَهِدَ العِشَاءَ فِي جَمَاعَةٍ كَانَ لَهُ قِيَامُ نِصْفِ لَيْلَةٍ وَمَنْ صَلَّى العِشَاءَ وَالفَجْرَ فِي جَمَاعَةٍ كَانَ لَهُ كَقِيَامِ لَيْلَةٍ.

وَفِي البَابِ عَنْ ابْنِ عُمَرَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَنَسٍ، وَعُمَارَةَ بْنِ رُوَيْبَةَ، وَجُنْدَبٍ، وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، وَأَبِي مُوسَى، وَبُرَيْدَةَ، حَدِيثُ عُثْمَانَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ هَذَا الحَدِيثُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ، عَنْ عُثْمَانَ مَوْقُوفًا وَرُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ عُثْمَانَ مَرْفُوعًا.

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا جو عشاء کی جماعت میں حاضر ہوا اس کو آدھی رات جاگنے کا ثواب ہے اور جس نے نماز پڑھی عشاء اور فجر کی جماعت میں اس کو ثواب ہے مانند ساری رات جاگنے کے۔

تشریح اور اس باب میں ابن عمر اور ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور انس اور عمارہ بن ابی رویبہ اور جندب اور ابی بن کعب او ابو موسیٰ اور بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے۔

عَنْ جُنْدَبِ بْنِ سُفْيَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فَهُوَ فِي ذِمَّةِ اللّٰهِ، فَلَا تُخْفِرُوا اللّٰهَ فِي ذِمَّتِهِ.

ترجمہ جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے پڑھی صبح کی نماز پس وہ اللہ کی پناہ میں ہے تو نہ توڑو پناہ اللہ کی۔

عَنْ بُرَيْدَةَ الْأَسْلَمِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَشِّرِ الْمَشَّائِينَ فِي الظُّلَمِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّورِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بشارت دو اندھیروں میں چلنے والوں کو مسجدوں کی طرف پورے نور کی قیامت کے دن۔

تشریح فجر اور عشاء کی تخصیص کی غلبہ نوم کی وجہ سے چونکہ ان کی ادائیگی میں دُشواری ہوتی ہے اور عشاء اور فجر کی نماز باجماعت پڑھنے والوں کو پوری رات قیام کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ایک طرف اجر اصلی اور ایک طرف اجر انعامی، یہاں پر بھی عشاء اور فجر کا اجر انعامی اور اجر مثلی مل کر برابر ہو جاتا ہے، پوری رات قیام کرنے کے اجر اصلی کے۔

"بشر المشائین فی الظلم" مشائین سے مراد وہ لوگ ہیں جو کثرت سے عشاء کی نماز میں آنے جانے والے ہیں اور ظلم جمع کا صیغہ ذکر کیا، اس لیے کہ آگے پیچھے، دائیں بائیں، اوپر نیچے اندھیرا ہی اندھیرا ہوتا ہے۔جو فجر کی نماز نہیں پڑھتا وہ اللہ کی امان میں داخل ہونے سے محفوظ رہتا ہے۔

یہی مطلب ہے کہ وہ اللہ کی امان کو توڑتا ہے۔مشائین مبالغہ کا صیغہ ہے جن کی عادت دائمہ ہو، اندھیروں میں آنے والے نہ کہ صرف ستائیس کی شب میں "نور تامہ" سے منافقین خارج ہو گئے کہ صرف زبان سے پڑھنے کی وجہ سے کلمہ کا نور بہت کم حاصل ہو گا اور وہ فوراً بجھ جائے گا۔

"قال بشر المشائین" کے قائل میں دو احتمال ہیں۔

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس صورت میں حکم اُمت کو ہو گا۔

(۲) قائل اللہ تعالیٰ ہیں اس صورت میں حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو گا اور یہ حدیث قدسی ہو جائے گی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الصَّفِّ الأَوَّلِ پہلی صف کی فضیلت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ صُفُوفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا وَشَرُّهَا آخِرُهَا وَخَيْرُ صُفُوفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا وَشَرُّهَا أَوَّلُهَا.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بہتر مردوں کی صفوں میں پہلی صف ہے اور سب سے بدتر آخر صف اور سب سے بہتر عورتوں کی صفوں میں اخیر صف ہے اور سب سے بدتر پہلی صف ہے۔

پہلی بات: صف اوّل کی فضیلت کا بیان

تشریح مردوں کی صف میں سب سے افضل صف پہلی صف ہے جبکہ دونوں جانبیں برابر ہوں۔ اس میں اجر وثواب زیادہ ملتا ہے اور یہ سب سے آخری صف صف شر ہے یعنی اس میں اجر وثواب کم ہے اس لیے کہ پہلی صف میں قرب امام ہے۔ کعبۃ اللہ پر ہر وقت تجلی برستی رہتی ہے سب سے زیادہ احق امام ہوتا، اس کے واسطے سے مقتدی اسی طرح اور امام کی نماز کو ضبط کرنے کی وجہ سے اور عورتوں کی صف سے دور ہے۔ نیز مسابقت الی الخیرات بھی ہے اور مردوں کی آخری صف میں اجر کم ہے اس لیے البعد عن الامام، عدم مسارعت الی الخیر اور عورتوں کے قریب ہونے کی وجہ سے اور عورتوں کی صفوں میں سب سے زیادہ اجر وثواب والی آخری ہے اس لیے کہ ابعد عن الصفوف الرجال ہے اور اجر وثواب میں کم ہونے والی صف وہ صف ہے جو عورتوں کی پہلی صف ہو، اس لیے کہ اقرب من الرجال ہیں اور اقرب ہونے کی وجہ سے فساد کا زیادہ خطرہ ہوتا ہے اور نماز جنازہ میں معاملہ برعکس ہے اس لیے کہ اس میں کثرت مطلوب ہوتی ہے اور کثرت کا دارومدار آخری صف ہے۔

دوسری بات: صف اوّل سے کیا مراد ہے اس میں مختلف اقوال ہیں

(۱) بعض نے کہا کہ پہلے زمانہ میں محراب کے اندر صف ہوتی تھی وہ مراد ہے۔

(۲) بعض حضرات نے کہا کہ صف اوّل سے مراد وہ ہے جو امام کے ساتھ متصل ہے، خواہ وہ محراب میں ہو یا کسی اونچی جگہ پر، جیسا کہ عام طور پر اجتماعات میں ہوتا ہے۔

(۳) بعض حضرات نے کہا کہ صف اوّل سے مراد وہ صف ہے جو ایک کنارے سے لے کر دوسرے کنارے تک مکمل ہو۔ مافی المحراب یا مافی المنبر والی صف اوّل نہیں ہوگی۔

(۴) بعض حضرات نے کہا کہ صف اوّل سے مراد وہ لوگ ہیں جو اذان کے ساتھ مسجد میں داخل ہوئے ہوں، خواہ وہ مسجد کی صف اوّل میں موجود ہوں یا نہ ہوں لیکن معارف السنن وغیرہ میں اس قول کی تردید کی گئی ہے کہ وقت اوّل میں آنا اس کی فضیلت اور اس کا ثواب الگ چیز ہے۔ لہٰذا صف اوّل سے مراد اصطلاحی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِقَامَةِ الصُّفُوفِ صفوں کو سیدھا کرنے کے بیان میں

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَوِّي صُفُوفَنَا فَخَرَجَ يَوْمًا فَرَأَى رَجُلًا خَارِجًا صَدْرُهُ عَنِ الْقَوْمِ فَقَالَ لَتُسَوُّنَّ صُفُوفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوهِكُمْ،

ترجمہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو درست فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ نکلے تو ایک شخص کو دیکھا اس کا سینہ صف سے بڑھا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ اپنی صفوں کو سیدھا کرو (برابر کرو) ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں پھوٹ ڈال دے گا۔

تشریح ذکر اقامت کو لیا اور مراد تسویہ کو لیا۔ تسویۃ الصفوف کا ترک مکروہ تحریمی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ صفوں کو سیدھا کرنا سنت مؤکدہ قریبہ الی الواجب ہے۔

مخالفت بین الوجوہ، پہلا مطلب: یہ کنایہ ہے منافرت فی القلوب سے جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جن دو لوگوں کے درمیان نفرت ہو وہ سامنے آتے ہی منہ پھیر لیتے ہیں اور ظاہر کا اثر باطن پر پڑے گا۔

دوسرا مطلب: تمہارے چہرے اپنی جگہ سے ہٹا دیئے جائیں گے اپنی شکل وصورت پر باقی رکھتے ہوئے یعنی تمہارے چہرے پیچھے کی جانب پر ہوں گے یعنی صرف وضع اور محل کو بدل دیا جائے۔

تیسرا مطلب: تمہارے چہرے مسخ کر دیئے جائیں۔ "کونوا قردۃً خاسئین"

سوال: احادیث تو ہیں کہ اللہ اس اُمت میں مسخ نہیں کرے گا؟

جواب: یہ مسخ جو ہو گا وہ جزوی ہو گا کلی نہ ہو گا اور احادیث میں جو مسخ کی نفی ہے وہ مسخ کلی کی نفی ہے۔

سوال: اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر کا باطن پر اثر ہوتا ہے اور دیگر احادیث میں ہے "اذا صلحت صلح الجسد کلہ و اذا فسدت فسد الجسد کلہ" کہ باطن کا اثر ظاہر پر پڑتا ہے؟

جواب: جن دو چیزوں کے درمیان کمال اتصال ہوتا ہے ان میں سے ایک دوسرے پر متاثر ہوتا ہے اور اللہ نے ظاہر و باطن میں کمال اتصال رکھا ہے ان کا بھی ایک دوسرے پر اثر ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دُعاؤں میں باطن اور ظاہر دونوں کی اصلاح کا سوال کیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ لِيَلِيَنِّي مِنْكُمْ أُولُو الْأَحْلَامِ وَالنُّهَى

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل بصیرت و عقل مند میرے قریب رہا کریں

عَنْ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِيَلِيَنِّي مِنْكُمْ أُولُو الْأَحْلَامِ وَالنُّهَى، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ وَلَا تَخْتَلِفُوا فَتَخْتَلِفَ قُلُوبُكُمْ وَإِيَّاكُمْ وَهَيْشَاتِ الْأَسْوَاقِ،

ترجمہ: حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریب رہا کریں مجھ سے عقل منداور ہوشیارتم میں کے پھر جوان کے قریب ہوں سمجھ میں پھر جوان کے قریب ہوں سمجھ میں اور نہ آگے پیچھے ہو کہ تمہارے دِلوں میں پھوٹ پڑ جائے گی اور بچوتم بازاروں کی بک بک سے۔

تشریح: خلاصہ یہ ہے کہ جوتم میں سے عقل مند ہو وہ امام کے پیچھے کھڑے ہوں تا کہ نماز ضبط ہو جائے اور اُمت کو احکام نماز پہنچائیں اور بوقت ضرورت استخلاف کی مشقت نہ ہو اور اگر "لیلینی" ہو تو پھر اشکال یہ ہے کہ یہ لام امر ہے اور فعل مضارع کو جزم دیتا ہے۔ پھر یہاں پر فعل مضارع کی "یا" کو حذف ہونا چاہیے؟

جواب (۱): یہ قاعدہ اکثری ہے کلی نہیں اور فصحاء کی کلام قواعد کے تابع نہیں ہوتی۔

جواب (۲): کہ یہ یا اشباع کی ہو۔ اصل میں "لیلینی" تھا پھر اصل میں "لیلین" ہوا۔ پھر (نی) ملی "لیلینی" ہو گیا۔

ایاکم وھیشات الاسواق

مطلب (۱): مسجد میں شور وشغب کرنے سے بچو، اس لیے کہ جہاں شور وشغب ہوتا ہے اس جگہ احترام نہیں رہتا۔ اس لیے مساجد میں شور وشغب نہیں ہونا چاہیے۔

مطلب (۲): ہیشات کا یہ ہے کہ بازاروں، جیسا اختلاط نہیں ہونا چاہیے کہ جس طرح بازاروں میں عورتوں، بچوں اور مردوں میں تمیز نہیں ہوتا، اس طرح کا اختلاط مسجد میں نہیں ہونا چاہیے۔

مطلب (۳): اشتغال، یعنی اپنے آپ کو بازاروں کے اشتغال کثیر سے بچاؤ، جس کی وجہ سے تسویۃ الصفوف میں اختلاط ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الصَّفِّ بَيْنَ السَّوَارِي

صف باندھنا ستونوں کے درمیان مکروہ ہے

عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ مَحْمُودٍ قَالَ صَلَّيْنَا خَلْفَ أَمِيرٍ مِنَ الْأُمَرَاءِ فَاضْطَرَّنَا النَّاسُ فَصَلَّيْنَا بَيْنَ السَّارِيَتَيْنِ فَلَمَّا صَلَّيْنَا، قَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ كُنَّا نَتَّقِي هَذَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: عبدالحمید بن محمود کہتے ہیں ہم نے امراء میں سے ایک امیر کے پیچھے نماز پڑھی ہمیں لوگوں نے مجبور کیا تو ہم نے دوستونوں کے درمیان نماز پڑھی اور جب فارغ ہوئے تو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس سے پرہیز کیا کرتے ہیں۔

تشریح: سواری جمع ہے ساریۃ کی بمعنی ستون دوستونوں کے درمیان مقتدیوں کا نماز پڑھنا اس میں کل چار صورتیں ہیں۔

(۱) مقتدی کا منفرداً نماز پڑھنا بین الساریتین جائز ہے۔ (۲) صرف امام بین الساریتین ہو۔ (۳) مقتدیوں کا اضطراراً

نماز پڑھنا کہ کوئی اور جگہ نہ ہو۔ (۴) مقتدی کا بالاختیار نماز پڑھنا بین الساریتین پہلی تین جائز ہیں اور چوتھی میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: جمہور کے ہاں بلا کراہت نماز پڑھنا جائز ہے۔

دوسرا قول: حنابلہ، اسحق بن راہویہ کے ہاں مکروہ ہے۔

جمہور کی دلیل: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما "الذی اخرجہ البخاری" کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ میں داخل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ستون بائیں جانب کیا اور دو ستون دائیں جانب کیے، سواری کے درمیان نماز پڑھی۔

سوال: تقریب تام نہیں ہے اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نماز پڑھی وہ منفرد ہونے کی حالت میں پڑھی حالانکہ بحث تو جماعت کی نماز کے بارے میں ہے؟

جواب: یہاں مقتدی کو قیاس کر لیا گیا ہے منفرد پر کیونکہ اس مسئلہ میں جو حکم منفرد کا ہے وہی مقتدی کا ہے اور قیاس ہم ہی نہیں کرتے بلکہ حنابلہ بھی قیاس کرتے ہیں وہ امام کو قیاس کرتے ہیں منفرد پر، چنانچہ حنابلہ کے نزدیک بھی امام کا بین السواری نماز پڑھنا جائز ہے اور دلیل یہی دیتے ہیں کہ انہوں نے امام کو قیاس کیا منفرد پر۔

حنابلہ کی دلیل: حدیث الباب حدیث عبد الحمید بن محمود وہ کہتے ہیں کہ ہم نے ایک امیر کے پیچھے نماز پڑھی تو لوگوں نے ہمیں بھیڑ کی وجہ سے مجبور کر دیا۔ پس ہم نے دو ستونوں کے درمیان نماز پڑھی۔ "فلمّا صلّیا" پس جب ہم نے نماز پڑھ لی تو انس بن مالک نے ہمارے عمل پر انکار کیا اور فرمایا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بین الساریتین نماز پڑھنے سے بچتے تھے۔ حدیث تقریری ہے اس سے معلوم ہوا کہ بین الساریتین نماز میں کراہت ہے۔

جواب (۱): یہ محمول ہے حالت اضطراری پر اور یہ سب کے نزدیک جائز ہے اختلاف حالت اختیار میں ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول خلاف اولویت پر محمول ہے۔

جواب (۲): حضرت انس کا قول مخصوص ہے مسجد نبوی کے ساتھ کیونکہ اس زمانہ میں اس کے ستون برابر نہ تھے صف ٹیڑھی ہو جاتی یا پھر انقطاع سے بچنے کے لیے کہ صفوں میں انقطاع نہ ہو جائے۔

سوال: ترمذی کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بین الساریتین نماز پڑھی گئی جبکہ ابوداؤد میں ہے کہ ہم دھکیلے گئے کچھ ہم میں سے آگے ہو گئے اور کچھ پیچھے ہو گئے بین الساریتین نماز نہ پڑھی گئی اور حضرت انس بن مالک کے قول سے تائید ہوتی ہے؟

جواب: ابوداؤد کی روایت مؤوّل ہے اور معنی یہ ہے کہ "تقدمنا و تأخرنا بین الساریتین" صف بنانے کی وجہ سے کچھ آگے ہو گئے اور کچھ پیچھے ہو گئے، جب پچھلی صف والے سجدہ کرتے تو ہم آگے ہو جاتے اور جب وہ اُٹھتے تو ہم پیچھے ہو جاتے، صرف امام سے سجدہ مؤخر ہوتا جس کی اضطرار میں گنجائش ہے، یہ مطلب نہیں کہ بعض اگلی صف میں ہو جاتے اور بعض پچھلی صف میں ہو جاتے صف کی قید لگا کر منفرد اور امام کو خارج کر دیا، ان کی نمازیں بالاجماع بین الساریتین جائز ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهُ صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنے سے متعلق

عَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ قَالَ أَخَذَ زِيَادُ بْنُ أَبِي الْجَعْدِ بِيَدِي وَنَحْنُ بِالرَّقَّةِ فَقَامَ بِي عَلَى شَيْخٍ يُقَالُ لَهُ وَابِصَةُ بْنُ مَعْبَدٍ مِنْ بَنِي أَسَدٍ فَقَالَ زِيَادٌ حَدَّثَنِي هَذَا الشَّيْخُ أَنَّ رَجُلًا صَلَّى خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهُ وَالشَّيْخُ يَسْمَعُ فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُعِيدَ الصَّلَاةَ.

ترجمہ ہلال بن یساف سے روایت ہے کہ پکڑا زیاد بن ابی الجعد نے ہاتھ میرا اور میں رقہ میں تھا کہ نام ہے ایک مقام کا ایک شیخ کے پاس مجھ کو لے گئے کہ ان کو وابصہ بن معبد کہتے تھے اور تھے قبیلہ بنی اسد سے۔ پس زیاد نے کہا روایت کی مجھ سے اس شخص نے کہ ایک شخص نے نماز پڑھی صف کے پیچھے اکیلے اور شیخ سنتے تھے، سو حکم کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پھر پڑھے نماز۔

تشریح مسئلہ اختلافی: صلوٰۃ خلف الصف وحدہ یعنی صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

قول اوّل: جمہور کے ہاں عام حالت میں ایسا کرنا مکروہ ہے۔ نیز یہی مذہب ہے امام شافعی اور سفیان ثوری، ابن مبارک

قول ثانی: بعض اہل کوفہ اور حماد اور وکیع کہتے ہیں کہ صلوٰۃ خلف الصف وحدہ باطل ہے۔ یہی قول امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کا ہے۔ اگر بالفرض پڑھ لی گئی تو اعادہ واجب ہے۔

جمہور کی دلیل: حدیث "ابی بکرۃ الذی اخرجہ البخاری" جس کا مضمون یہ ہے کہ ابو بکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نماز میں شامل ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں تھے، میں نے صف میں شامل ہونے سے پہلے ہی صف کے پیچھے رکوع کرلیا، پھر رکوع ہی کی حالت میں چل کر صف میں شامل ہوگیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو فرمایا "زادک اللہ حرصًا ولا تعُد" اور یوں بھی ہے "ولا تعِذ" اعادہ نہ کرنا اس سے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ خلف الصف وحدہ جائز ہے۔

سوال: تقریب تام نہیں، تقریب تام تب ہوتی جب صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھی جاتی مکمل جبکہ یہاں پر صرف رکوع ہوا؟

جواب: جو چیز ابتداء کے لیے مفسد نہیں وہ چیز بقاء کے لیے بھی مفسد نہیں ہے۔ جب تکبیر تحریمہ کے لیے مفسد نہیں وہ بقاء کے لیے بھی مفسد نہیں۔ پس تکبیر تحریمہ کا خلف الصف جائز ہونا دلیل ہے کہ پوری نماز جائز ہے ورنہ تو بناء الفاسد علی الفاسد کی وجہ سے اعادہ کا حکم ہوتا۔

حنابلہ کی دلیل: حدیث وابصہ بن معبد کہ ہلال ابن یساف نے نقل کیا کہ زیاد ابن ابی الجعد نے میرا ہاتھ پکڑا جبکہ ہم مقام رقی میں تھے اور ایک شیخ کے پاس لے گیا، اس کا نام وابصہ بن معبد تھا اور یہ بنو اسد کے فرد میں سے تھا تو زیاد نے کہا "حدّثنی ھذا الشیخ ان رجلاً صلی خلف الصّف وحدہٗ" اور شیخ سن رہے تھے گویا کہ اُستاذ اپنے شاگرد کی سند کو عالی کروانے کے لیے اپنے اُستاذ کے پاس لے گئے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اعادہ کا حکم دیا۔

جواب(۱): نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعادہ کا حکم دیا بطور استحباب کے یا زجراً تو بیخاً تا کہ آئندہ ایسا نہ کرے، یہ بالکل ایسے ہے کہ ایک موقع پر ایک شخص کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا دوبارہ وضوء کرو اور نماز پڑھو، اس حال میں کہ اس شخص نے اسبال ازار کیا ہوا تھا یہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض تنبیہ کے طور پر دیا تھا تا کہ یہ آئندہ ایسا نہ کرے۔

جواب(۲): یہ حدیث معلول ہے ابن عبدالبر فرماتے ہیں یہ حدیث معلول و مضطرب ہے سنداً اضطراب ہے اگر چہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے تحسین فرمائی ہے باقی وہ اضطراب کیا ہے اس کے دو طریق ہیں۔(۱) بطریق حصین (۲) بطریق عمرو بن مرہ۔ان میں فرق یہ ہے کہ بطریق حصین میں ہلال بن یساف اور وابصہ بن معبد کے درمیان واسطہ زیاد بن ابی الجعد کا ہے اور بطریق عمرو بن مرہ میں واسطہ عمرو بن راشد ہیں۔اسی وجہ سے ترجیح دینے میں اہل علم کا اختلاف ہو گیا اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے طریق حصین کو ترجیح دی ہے۔

وجہ ترجیح(۱): ہلال بن یساف وابصہ بن معبد کی اکثر حدیثوں کو زیاد بن ابی الجعد کے واسطہ سے نقل کر رہے ہیں، یہ بھی ایسے ہی ہو گی۔

وجہ ترجیح(۲): طریق حصین میں جزم ہے جبکہ عمرو بن مرۃ کے طریق میں تردد ہے کبھی واسطہ زیاد کا ذکر کرتے ہیں اور کبھی عمرو بن راشد کا۔لہٰذا جزمی کو ترجیح ہو گی۔امام ترمذی رحمہ اللہ نے اگر چہ اضطراب کو اُٹھا دیا لیکن اضطراب تو ہے اس لیے امام بیہقی نے اس کی اسی وجہ سے تضعیف کی ہے تو حدیث ابو بکرہ رضی اللہ عنہ غیر مضطرب ہونے کی وجہ سے راجح ہے اور حدیث وابصہ بن معبد مرجوح۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُصَلِّي وَمَعَهُ رَجُلٌ

اس شخص کے متعلق جس کے ساتھ نماز پڑھنے والا ایک ہی شخص ہو

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ فَأَخَذَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَأْسِي مِنْ وَرَائِي فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نماز پڑھی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک رات سو کھڑا ہوا میں ان کی بائیں طرف سو پکڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر میرا اور کھینچ لیا مجھ کو داہنی طرف۔

تشریح: ایک مقتدی کے ساتھ نماز پڑھنا ایسی صورت میں افضل یہ ہے کہ مقتدی امام کی دائیں جانب کھڑا ہو اور امام محمد فرماتے ہیں کہ ایک قدم پیچھے کھڑا ہو تا کہ امام سے تقدم لازم نہ آئے۔اگر مقتدی کی انگلیوں سے خط کھینچیں تو امام کی ایڑھیوں سے گزرے لیکن بایں ہمہ اگر پیچھے بھی کھڑا ہو جائے تو جائز ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے کھینچا، اس میں حرکت کم ہے۔معلوم ہوا کہ تقدم علی الامام جائز نہیں ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نفل جائز ہے بشرطیکہ تداعی قولی بھی نہ ہو، عملی بھی نہ ہو، قولی یہ ہے کہ اعلان ہو جائے اور عملی یہ ہے کہ تین سے مقتدی زائد ہو جائیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُصَلِّي مَعَ الرَّجُلَيْنِ اس شخص کے بیان میں جو دو شخصوں کی امامت کرے

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ قَالَ أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كُنَّا ثَلَاثَةً أَنْ يَتَقَدَّمَنَا أَحَدُنَا.

ترجمہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم کیا جب ہوں ہم تین اشخاص تو آگے بڑھ جائے ایک ہم میں سے۔

تشریح "امامة الرجل للرجلين"۔ آئمہ اربعہ کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں جب مقتدی دو ہوں، پیچھے کھڑے ہوں بشرطیکہ حالت اختیار ہو، امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ امام درمیان میں کھڑا ہو اور دونوں مقتدی دائیں بائیں کھڑے ہوں۔

جمہور کی دلیل: حدیث الباب، حدیث سمرہ "امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کنا ثلثة ان یتقدم احدنا"

سوال: یہ حدیث سنداً غریب ہے اور یہاں غریب بمعنی ضعیف ہے اور وجہ اسماعیل بن مسلم متکلم فیہ ہیں، "من قبل حفظہ"

وجہ (۲): حسن کا سمرہ بن جندب سے سماع ثابت نہیں ہے یا ہے اس میں اختلاف ہے؟ جمہور کی جانب سے تلقی بالقبول حاصل ہے، سندی ضعف مضر نہیں ہے۔

امام ابو یوسف کی دلیل: عمل ابن مسعود، انہوں نے علقمہ اور اسود کو نماز پڑھائی ایک کو دائیں جانب کھڑا کیا اور ایک کو بائیں جانب کھڑا کیا۔ جواب (۱): یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا عمل ضیق مکانی کی وجہ سے تھا۔

جواب (۲): یہ ہے کہ ممکن ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو تقدم امام والی حدیث کا علم نہ ہو۔

سوال: امام ترمذی رحمہ اللہ نے وفی الباب کے تحت تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا حوالہ دیا ہے؟

جواب: وفی الباب سے جو حوالہ دیا ہے یہ مطلق ہے صلوٰۃ الرجل مع الرجلین کے اعتبار سے یعنی "امامة الرجل مع الرجلين" کے اعتبار سے ہے تقدم امام کے لحاظ سے نہیں ہے۔ یعنی اس بارے میں ہے کہ تین آدمی ہوں تو ایک امام بن جائے، دو مقتدی، چنانچہ مسند احمد میں اس حدیث کی تخریج کی ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں مطلق "امامة الرجل مع الرجلين" کا ذکر ہے۔

سوال:...... پوری فقہ حنفی کی بنیاد ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر ہے اور حضرت کو ما تقدم امام والی حدیث کا علم ہی نہ ہو تو پھر تمہاری فقہ کی بنیاد کیسے ہے؟

جواب: یہ حدیث "امامة الرجل مع الرجلين" یہ صورت انتہائی اقل قلیل ہے کبھی ایسا ہوا ہوگا ایک آدھ مرتبہ اور جو صورت اقل ہو وہ نادر ہے۔ لہٰذا اس کا علم نہ ہونا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی فقاہت کے لیے موثر نہیں ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جدہ کے حصہ کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا مجھے علم نہیں، جیسے اس کا علم نہ ہونا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے موثر نہیں تو تقدم امام کی حدیث کا علم نہ ہونا فقاہت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے خلاف نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُصَلِّي وَمَعَهُ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ

اس شخص کے بیان میں جو مردوں اور عورتوں کی امامت کرے

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ جَدَّتَهُ مُلَيْكَةَ دَعَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَتْهُ، فَأَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ قَالَ قُومُوا فَلْنُصَلِّ بِكُمْ، قَالَ أَنَسٌ فَقُمْتُ إِلَى حَصِيرٍ لَنَا قَدِ اسْوَدَّ مِنْ طُولِ مَا لُبِسَ، فَنَضَحْتُهُ بِالْمَاءِ فَقَامَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَفَفْتُ عَلَيْهِ أَنَا وَالْيَتِيمُ وَرَاءَهُ، وَالْعَجُوزُ مِنْ وَرَائِنَا فَصَلَّى بِنَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفَ.

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی دادی ملیکہ نے دعوت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک کھانے کی کہ پکایا تھا سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا پھر فرمایا کھڑے ہو ہم تمہارے ساتھ نماز پڑھیں۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں ایک اپنا بوریا لے کر کھڑا ہوا کہ کالا ہو گیا تھا بہت رہنے سے میں نے اس کو پانی سے دھویا سو ہوئے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے اور صف باندھی اس پر میں نے اور یتیم نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اور بڑی بی نے ہمارے پیچھے تو نماز پڑھی دو رکعت پھر پھرے۔

تشریح **پہلی بات:** "ان جدّته مليكة" جدتہ میں ۂ ضمیر کا مرجع کیا ہے، پہلے اس حدیث کا پس منظر سمجھ لو۔ اُم سلیم کا پہلا نکاح مالک بن نضر سے ہوا تھا، اس سے انس رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ جب مالک بن نضر وفات پائے تو پھر اُم سلیم کا نکاح ابو طلحہ سے ہوا۔ ان سے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ (۱) عبداللہ (۲) ابو عمیر۔ پھر آگے عبداللہ کا بیٹا اسحاق تھا۔ ملیکہ اُم سلیم کی والدہ ہے تو ملیکہ، انس، عبداللہ، ابو عمیر کی نانی ہوئی اور اسحاق کے باپ کی نانی ہوئی تو اس کو مجازاً اسحاق بن عبداللہ نانی کہتے تھے۔

(۱)...... ۂ ضمیر کا مرجع انس رضی اللہ عنہ ہو تب بات واضح ہے کہ ملیکہ اس کی نانی ہے۔ (۲)...... ۂ ضمیر کا مرجع اسحاق بن عبداللہ ہو اور ملیکہ کو "ان جدّته" مجازاً کہا کیونکہ حقیقت میں وہ ان کے والد کی نانی تھی اور نانی تو پورے خاندان کی نانی ہوا کرتی ہے۔

(۳)...... ۂ ضمیر کا مرجع اسحاق ہے اور ملیکہ اسم تھا اُم سلیم کا لیکن حافظ ابن عبدالبر نے اس کی تردید کی کہ یہ الگ الگ عورتیں تھیں۔

دوسری بات: اس حدیث میں امام شافعی رحمہ اللہ نے نوافل کی جماعت پر استدلال کیا، ہمارے ہاں اگر تداعی سے نوافل کی جماعت ہو تو یہ مکروہ ہے اور جب امام کے علاوہ چار آدمی ہوں تب تداعی سمجھی جائے گی لیکن یہاں امام کے علاوہ تین آدمی تھے تو یہ تداعی کی صورت نہ ہوئی، لہٰذا ہمارے ہاں بلا کراہت جائز ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر تین مقتدی ہوں، بایں طور کہ دو مرد اور ایک عورت تو پھر مردوں کو آگے اور عورت کو مردوں کے پیچھے صف بنوائے، عورت مردوں کے پیچھے ہو، یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ باقی یتیم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں، اس کا نام ہی یہی تھا یا پھر دوسرا بچہ تھا، چھوٹا ہونے کی وجہ سے یتیم کہا۔

فائدہ: بعض حضرات نے صلوٰۃ خلف الصلوٰۃ وحدہٗ پر استدلال کیا کہ وہ یتیم تو بچہ تھا اس کی نماز کا اعتبار نہ تھا، کالعدم تھی، صرف حضرت انس رضی اللہ عنہ تھے اور وہ اکیلے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہیں تو امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ استدلال تام نہیں کیونکہ بچہ کی نماز اگر غیر معتبر ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دائیں جانب کھڑا کرتے حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھڑا کیا، اس کے ساتھ کھڑا کرنا دلیل ہے اس بات کی کہ بچہ کی نماز معتبر ہے، ہاں اگر استدلال کرنا ہے تو اس سے کرو کہ عجوزہ کی نماز خلف الصف وحدہ ہے اس مسئلہ میں مرد اور عورت کا فرق نہیں، جب عورت کا تنہا نماز پڑھنا جائز ہے تو مرد کا بھی نماز خلف الصف وحدہ جائز ہونا چاہیے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نفلی جماعت بھی جائز ہے بغیر تداعی کے دو تین لوگ اگر اکٹھے ہو جائیں تو اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت پیچھے ہوگی اس صورت میں ایک عورت اور زیادہ کا بھی ایک ہی حکم ہے اس لیے عنوان میں جمع کا صیغہ بولا "نسائ" نیز اگر بچہ ایک ہی ہو تو مردوں کی صف میں یا ایک طرف کھڑا ہو سکتا ہے اور زیادہ بچے ہوں تو اخیر میں الگ صف بنائیں۔

بَابُ مَنْ أَحَقُّ بِالْإِمَامَةِ امامت کا زیادہ مستحق کون شخص ہے؟

عَنْ أَوْسِ بْنِ ضَمْعَجٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيَّ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ فَإِنْ كَانُوا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً، فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَإِنْ كَانُوا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً، فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً، فَإِنْ كَانُوا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَأَكْبَرُهُمْ سِنًّا وَلَا يُؤَمُّ الرَّجُلُ فِي سُلْطَانِهِ وَلَا يُجْلَسُ عَلَى تَكْرِمَتِهِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ.

ترجمہ حضرت اوس بن ضمعج سے روایت ہے کہ سنا میں نے ابا مسعود انصاری سے، کہتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امامت کرے قوم کی جو سب سے زیادہ پڑھتا ہو کتاب اللہ یعنی قرآن مجید اور اگر قرأت میں برابر ہوں تو جو سب سے زیادہ سنت کو جانتا ہو۔ پھر اگر سنت میں برابر ہوں تو جس نے پہلے ہجرت کی ہو پھر اگر ہجرت میں برابر ہوں تو جس کا سن بڑا ہو اور مقتدی نہ بنایا جائے مرد اپنی حکومت کی جگہ میں یعنی جو شخص کہیں حکومت رکھتا ہو یا اپنے گھر میں ہو تو دوسرا شخص اس کی امامت نہ کرے اور نہ بیٹھے کوئی کسی کی مسند اور عزت کی جگہ میں اس کے گھر میں مگر اس کے حکم سے۔

تشریح امامت کی دو اقسام ہیں، امامت کبریٰ، امامت صغریٰ، امامت کبریٰ سے خلافت مراد ہے اور امامت صغریٰ سے مراد نماز کی امامت ہے اور یہاں پر بھی امامت صغریٰ کا بیان ہے۔

مسئلہ اختلافی: امامت کا حق دار کون ہے؟ اس مسئلہ میں مختلف مذاہب ہیں:

المذہب الاوّل: قال ابو یوسف واحمد واسحاق کے ہاں اقراء زیادہ حق دار ہے اعلم سے "وھو روایۃ واحدۃ من الشافعی وبہ قال ابن سیرین" (ولمی نیل، ج:۳، ص:۱۳۳)

"وبہ قال ابو حنیفہ لکنہ سہو من صاحب النیل والصحیح انہ ابو یوسف فان الحق عند ابی حنیفہ اعلم احق بالامۃ"

المذہب الثانی: قال الجمہور کے ہاں اعلم بالسنۃ زیادہ حق دار ہے۔"اعلم بالسنۃ والاحکام الشرعیۃ احق بالامامۃ من الاقراء" (وفی شرح المذہب لشوافع خمسۃ اقوال اصحہا الافقہ احق، شرح مندب، ج:۱، ص: ۲۸۲، نیل، ج:۱، ص: ۱۳۳)

جمہور کی دلیل اوّل: واقعہ مرض الوفات

امامہ ابی بکر رضی اللہ عنہ کا واقعہ مرض الوفات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دو کہ نماز پڑھائیں اور انہوں نے نماز پڑھائی، اس وجہ سے کہ وہ اعلم تھے باوجود ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقراء کم ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ۔ باقی اس پر کیا دلیل ہے کہ وہ اعلم تھے۔ دلیل حدیث عبد مخیر حضرت ابوسعید فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کو اختیار دیا ہے دُنیا میں رہنے کا اور اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کا تو بندہ نے حق تعالیٰ کے پاس جانے کو پسند کرلیا، اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے تو ابوسعید فرماتے ہیں، ہمیں تعجب ہونے لگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ کے ایک بندے کا حال بتلا رہے ہیں اور یہ رو رہے ہیں، بظاہر مناسبت معلوم نہیں ہوتی لیکن چند دن کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ہم کو معلوم ہوا "کان ابو بکر اعلمنا" وہ سمجھ چکے تھے کہ عبد کا مصداق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ اشارہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرب اجل کی طرف۔

الدلیل الثانی: "فی ابی داؤد عن عمر بن سلمۃ وفیہ فلما ارادو ان ینصرف قالوا یا رسول اللہ من یؤمنا قال اکثر کم جمعا للقران والاکثر الجمع ھو اعلم۔"

الدلیل الثالث: "ما فی بحر الرائق روی الحاکم مرفوعًا ان سررتم ان یقبل اللہ صلوتکم فلیؤکم خیارکم فانہم وحدکم فی ما بینکم وبین الرب بغیر ذکر القراءۃ والاعلم اکثر صلاحتہ ان یکون مصداقا لقولہ خیارکم۔"

الدلیل الرابع: "ام الجبرئیل بالنبی وجبرئیل اعلم من النبی صلی اللہ علیہ وسلّم"

الدلیل الخامس: "روی عن الحاکم مرفوعاً یوم القوم اقدمھم ھجرۃ فان کانوا بالھجرۃ سواء فافقھم فی الدین وان کانوا فی الفقہ سواء فاقراءھم بالعدان فتح الملھم، جلد: ۲، ص: ۲۳۰"

الدلیل السادس: "الامامۃ قسمان، الامامۃ الکبریٰ ای الخلافۃ الثانی الصغریٰ ای الامامۃ الصلٰوۃ وقدم الا علم فی الامامۃ الکبریٰ اعلم انفاقًا ینبغی ان یکون فی امامۃِ الصغری ھذا" ...... "الی النبی صلی اللہ علیہ وسلّم خلقًا وصفًا واخص صفات النبی العلم"

الدلیل السابع: "وفی القرآن ان عالمًا افضل قال اللہ ھل یستوی الذین یعلمون والذین لاتعلمون"

الدلیل الثامن: "قال صاحب الھدایہ ان الاعلم مقدم لان القراءۃ یفتقر الیھا رکن واحد وھو قراءۃ فی القیام والعلم یفتقر الیہ لسائر الارکان"

الدلیل التاسع :"قال علیہ الصلوٰۃ السلام من صلی خلف عالم تقی فکانما صلی خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم" (بحر الرائق، ج:۱،ص:۳۴۹)

امام شافعی کی دلیل: حدیث ابو مسعود انصاری "یؤم القوم اقرءھم بکتاب اللہ فان کانوا فی القرأۃ سوائً فاعلمھم بالسنہ"

جواب: صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ اس زمانہ کا جو اقراء ہوتا وہ اعلم بھی ہوتا تھا۔

سوال: پھر تقابل صحیح نہیں، بعد میں بھی اعلم آرہا ہے۔

جواب: اقراء سے جامع الوصفین ہے اور اعلم سے مراد صرف صفت علم کا جاننے والا ہے لیکن پھر بھی سوال ہوگا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اقراء کم ابی ابن کعب" پھر اعلم بھی وہی ہوتے اس کے باوجود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حوالے نیابت کررہے ہیں۔

جواب (۱): نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت اُبیؓ کا اقراء فرمانا صرف انصار کے مقابلے میں، نہ یہ کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں بھی اقراء ہے۔

جواب (۲): یہ ساری احادیث متقدم ہیں اور حکم امامت ابی بکر رضی اللہ عنہ متاخر ہے اس لیے یہ ناسخ ہے۔ ایک قول کے مطابق "اکثرھم حسنًا ای احسنھم وجھًا" اس کی کشش کی وجہ سے نمازیوں کی کثرت ہوگی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفارت کے لیے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو بھیجتے تھے اور جبرئیل علیہ السلام بھی۔

مسئلہ ۲ : فاقدمھم ھجرۃً

یہ ترتیب صرف فتح مکہ تھی جب ہجرت منسوخ ہوگئی تو اب ورع اور تقویٰ تیسرے درجے میں ہوا اور اگر اس میں بھی مساوی ہوں تو پھر "اکبرھم سِنًا" اور ایک روایت میں "اکثرھم سِنًا" ہے دونوں کا معنی ایک ہے کوئی تعارض نہیں ہے۔

مسئلہ ۳: لا یوم الرّجل فی سلطانہٖ

صاحب اقتدار کی جگہ کسی کو امام نہیں بننا چاہیے بلکہ صاحب اقتدار خود امامت کرائے۔ "اِلاَّ بالاجازۃ" اور اسی تحت۔ مسئلہ ہے کہ زائر کی امامت کا کیا حکم ہے۔

قول اوّل: اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ مطلقاً جائز نہیں، عام ہے کہ صاحب خانہ اجازت دے یا نہ دے۔

قول ثانی: جمہور فقہاء اجازت کے ساتھ زائر کی امامت کو جائز قرار دیتے ہیں اور منشاء اختلاف یہ ہے کہ حدیث میں "اِلاَّ باذنہ" کا جو استثناء کا تعلق دونوں مسئلوں کے ساتھ ہے یا اخیری مسئلے کے ساتھ اور دوسری چیز ہے کہ کسی کی نشست گاہ پر نہ بیٹھے تاکہ دلوں میں عداوت پیدا نہ ہو، اب جو حضرات کہتے ہیں استثناء کا تعلق دونوں سے ہے وہ کہتے ہیں کہ زائر کی امامت بھی جائز ہے اور جو حضرات کہتے ہیں زائر کی امامت جائز نہیں وہ یہ فرماتے ہیں استثناء کا تعلق صرف اخیری مسئلہ کے ساتھ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا أَمَّ أَحَدُكُمُ النَّاسَ فَلْيُخَفِّفْ اگر کوئی امامت کرے تو قرأت میں تخفیف کرے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَمَّ أَحَدُكُمُ النَّاسَ فَلْيُخَفِّفْ فَإِنَّ فِيهِمُ الصَّغِيرَ وَالْكَبِيرَ وَالضَّعِيفَ وَالْمَرِيضَ فَإِذَا صَلَّى وَحْدَهُ فَلْيُصَلِّ كَيْفَ شَاءَ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امامت کرے تم میں کا آدمیوں کی تو تخفیف کرے قرأت میں کہ اس میں چھوٹا بھی ہے اور بوڑھا بھی ہے اور ضعیف اور بیمار بھی اور جب پڑھے اکیلا تو جیسے چاہے پڑھے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَخَفِّ النَّاسِ صَلَاةً فِي تَمَامٍ.

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ ہلکی نماز پڑھنے والے تھے اور بہت پوری یعنی حالت امامت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرأت تھوڑی کرتے مگر رکوع و سجدہ بخوبی تمام ہوتا۔

تشریح امام کو چاہیے کہ مختصر نماز پڑھائے اور اختصار کا تعلق صرف قرأۃ کے ساتھ ہے یعنی قرأۃ مسنون پر اکتفاء کرے یعنی ظہر اور فجر میں طوال مفصل عصر اور عشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل، رکوع اور سجود کے ساتھ اختصار کا کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ حدیث انس رضی اللہ عنہ میں تصریح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں اختصار قرأۃ میں ہوتا نہ کہ رکوع و سجود وغیرہ میں۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو لمبی سورتیں پڑھتے تھے؟

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت طویلہ بھی مختصر معلوم ہوتی تھی طبیعت کے مائل ہونے کی وجہ سے شوق کی وجہ سے اور یہی حال ہے خلفاء راشدین کا جیسے محبت و راحت کی رات جتنی اطول ہو وہ مختصر معلوم ہوتی ہے اور تکلیف کی مختصر رات بھی طویل معلوم ہوتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَحْرِيمِ الصَّلَاةِ وَتَحْلِيلِهَا نماز کی تحریم و تحلیل سے متعلق

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ وَلَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِالْحَمْدُ وَسُورَةٍ فِي فَرِيضَةٍ أَوْ غَيْرِهَا.

ترجمہ حضرت ابی سعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز کی کنجی طہارت ہے اور تحریم اس کی تکبیر اور تحلیل اس کی سلام پھیرنا ہے اور اس کی تو نماز ہی نہیں جو نہ پڑھے الحمد اور سورۃ فرض نماز ہو یا سوا اس کے۔

تشریح یہ حدیث کتاب کی ابتداء میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واسطے سے گزر چکی ہے۔ یہاں ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کے واسطے سے یہ حدیث دوبارہ لائے۔ اس میں چار جملے ہیں: (۱) مفتاح الصلوٰۃ الطہور۔ اس پر ابتداء میں بحث گزر چکی

ہے اور آخری جملے کے متعلق بحث آگے آئے گی "لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بالحمد و سورۃ فی فریضۃ وغیرھا۔ فانتظروا انی معکم من المنتظرین" درمیان میں دو جملے باقی رہ گئے۔ "تحریمھا التکبیر وتحلیلھا التسلیم" پر یہاں اس باب میں بحث ہوگی، ان دو جملوں کے ساتھ تین فقہی مسئلے متعلق ہیں۔

پہلا مسئلہ: تکبیر تحریمہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

پہلا مسلک: امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں تکبیر تحریمہ رکن صلوٰۃ میں سے ہے۔

دوسرا مسلک: احناف کے ہاں یہ شرط صلوٰۃ میں سے ہے۔ ثمرہ اختلاف کہ ایک آدمی نے نفل کی نیت سے تکبیر تحریمہ کی اب اس پر نیت تبدیل کر کے فرض کی بناء اس پر کر سکتا ہے کہ نہیں؟ امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں نہیں کر سکتا، احناف کے ہاں کر سکتا ہے کیونکہ یہ شرط ہے، جیسے وضوء نفل نماز کے لیے کیا تو اس وضوء سے فرض نماز پڑھ سکتا ہے۔

دوسرا مرحلہ دلائل کا، شوافع کی دلیل: صرف عقلی دلیل ہے کہ جتنی شرائط نماز کے باقی ارکان کے لیے ضروری ہے وہ ساری شرائط تکبیر تحریمہ کے لیے بھی ہے۔ مثلاً طہارت ثوب، مکان وغیرھا۔ یہ علامت رکنیت کی ہے۔

احناف کی دلیل: قرآن کی آیات "وذکر اسم ربہ فصلّی۔ ذکر اسم ربہ" سے بالاتفاق تکبیر تحریمہ مراد ہے اور آگے فا کے ذریعے عطف کیا۔ معطوف اور معطوف علیہ میں مغایرت ہوتی ہے، اگر تکبیر تحریمہ کو نماز کا رُکن بنائیں تو یہ نماز کا جز بنے گا اور کل کا عطف جز پر نہیں ہوتا۔

دلیل کا جواب: کہ وہ ساری شرائط جو ضروری ہیں وہ "لما یتصل بالتحریمہ" کے لیے ضروری ہے لیکن تکبیر تحریمہ اور "ممّا یتصل بالتحریمۃ" میں اتنا شدت اتصال ہے کہ تحریمہ اور "مایتصل بالتحریمہ" میں امتیاز مشکل ہے۔ اس لیے "ما یتصل بالتحریمۃ" کے لیے شرائط یوں معلوم ہوتے ہیں گویا کہ یہ تکبیر تحریمہ کے لیے ہیں۔

دوسرا مسئلہ: تکبیر تحریمہ کن الفاظ سے ادا کرنا ضروری ہے؟

پہلا مسلک: آئمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں جس میں ک۔ب۔ر۔ کا مادہ ہو وہ ضروری ہے، پھر ان کا باہمی اختلاف ہے۔ (۱) امام مالک کے ہاں فقط اللہ اکبر کہیں گے۔ (۲) امام شافعی کے ہاں اللہ اکبر اللہ الاکبر کہیں گے۔

(۳) اور امام یوسف رحمہ اللہ کے ہاں اللہ اکبر، اللہ الاکبر، اللہ کبیر اللہ الکبیر سے ادا کرنا ضروری ہے۔

دوسرا مسلک: طرفین کے نزدیک ہر وہ کلمہ جو رب کی تعظیم پر دلالت کرے، اس سے تکبیر تحریمہ ادا ہوگی۔ "اللہ اجل، اللہ اعظم، الرحمٰن اکبر وغیرھا"

آئمہ ثلاثہ کی دلیل: ان کا بنیادی استدلال حدیث باب "تحریمھا التکبیر" سے ہے۔ پھر ہر ایک نے اپنے قول پر دلیل بیان کی۔ امام مالک نے کہا کہ اللہ اکبر کا لفظ قولاً وعملاً متواتر اور متوارث چلا آرہا ہے۔ لہٰذا فقط یہ جائز ہوگا اور امام شافعی کے ہاں تو فقط اللہ الاکبر۔ اس کے اندر اللہ کی کبریائی میں مبالغہ ہے کہ مبتداء وخبر دونوں معرفہ ہیں، تو یہ مفید للحصر ہوگا۔ امام ابو یوسف نے کہا کہ بات

توامام شافعی رحمہ اللہ کی ہے لیکن اللہ کے بارے میں اکبر وکبیر دونوں برابر ہیں تو اللہ اکبر بھی جائز ہوگا اور لام برائے مبالغہ کے ہوگا۔

طرفین کی دلیل: ”وذکر اسم ربہ فصلّی“ کہ رب نے مطلقاً اپنا نام لینا اور اپنا نام یاد کرنا شرط قرار دیا۔

دلائل کے جوابات: پہلا جواب: یہاں لغوی معنی مراد ہے جیسے ”وربک فکبر ای فعظّم“ اور التکبیر بمعنی التعظیم ہے

دوسرا جواب: حدیث زیادہ سے زیادہ خبر واحد ہے جس سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں۔لہٰذا ہمارے ہاں اس سے صرف اور صرف وجوب ثابت ہوگا۔

تیسرا مسئلہ: لفظ سلام کیساتھ نماز کے اختتام کی شرعی حیثیت

پہلا مسلک: آئمہ ثلاثہ کے ہاں لفظ سلام سے نماز کا اختتام فرض ہے۔یعنی لفظ سلام کہنا فرض ہے۔

دوسرا مسلک: احناف کے ہاں لفظ سلام واجب ہے، جب خروج بصنعہٖ فرض ہے۔

دلائل، آئمہ ثلاثہ کی دلیل: حدیث باب سے ”وتحلیلها التسلیم“ سے اس میں حصر ہے کہ نماز سے نکلنا فقط سلام ہی سے ہوگا۔

احناف کی دلیل: عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ ”قال اذا قلت او فعلت هذا فقد تمت صلوتک“ تو نماز کا اتمام تشہد تحریم الصلوٰۃ سے مراد تکبیر تحریمہ اور تحلیل سے مراد سلام ہے اور اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار بھی دیا۔اس سے معلوم ہوا کہ کوئی فرض ذمہ میں نہیں رہا اور عبدالرحمن کا اجتہاد امام صاحب کے خلاف کوئی حجت نہیں۔ثانیاً ہم یہ کہتے ہیں کہ عبدالرحمن کا یہ اجتہاد علی وجہ الاستحباب سلام پھیرنے سے فراغت حاصل ہوا کرے۔”انّما الامر علی وجهه“ یہ یا تو امام ترمذی رحمہ اللہ کا مقولہ ہے پھر اس سے غرض ہے۔امام عبدالرحمن بن مہدی کی تائید کہ عبدالرحمن کا جو قول ہے افتتاح اور تسلیم کے بارے میں وہ حکم شرعی ہے۔

اب اس حدیث میں اور ماقبل والی میں فرق یہ ہے کہ وہاں یہ حدیث بسند علی تھی اور یہاں بسند ابوسعید ہے اور دوسرا فرق یہ ہے کہ حدیث علی میں ”ولا صلوٰۃ لمن لم یقراء“ کا اضافہ نہیں اور حدیث ابوسعید میں یہ اضافہ بھی موجود ہے۔حدیث علی سنداً زیادہ عمدہ ہے۔

قال ابوعیسیٰ سے جمہور کے قول کی تائید پیش کر رہے ہیں کہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ننانوے نام ذکر کردے لیکن اللہ اکبر نہیں کہا تو تکبیر تحریمہ متحقق نہ ہوگی؟

جواب: یہ ابوعبدالرحمن مہدی کا اپنا اجتہاد ہے، ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر کوئی حجت نہیں۔”لم یجزہٗ“ بمعنی علی وجہ الکمال یا پھر کہیں کہ ”لم یجزہٗ اصلاً“ پھر یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے۔نیز عبدالرحمن بن مہدی کہتے ہیں کہ اگر سلام پھیرنے سے پہلے کوئی محدث ہو جائے، اس کو چاہیے کہ وہ وضوء کرے اور پھر سلام پھیرے حالانکہ امام صاحب رحمہ فرماتے ہیں، بے وضو ہو گیا تو نماز پوری ہوگئی، یہ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد کا اختلاف ہے۔

سوال: تحریم اور تکبیر میں امر کا صیغہ نہیں ہے پھر امام ترمذی رحمہ اللہ نے امر کیسے کہا؟

جواب پہلا احتمال: یہ صورۃً خبر ہے لیکن معناً انشاء ہے جیسے ”کتب علیکم الصّیام ای صوموا“ امر صراحتاً موجود نہیں لیکن امر ضمنی موجود ہے۔”کبروا وسلّموا“

دوسرا احتمال: یہ تعریض ہے احناف پر کہ تمہارا یہ کہنا کہ تمام کلمات دالہ علی التعظیم سے افتتاح ہوگا اور سلام کے بغیر فراغ عن الصلوٰۃ ہوجائے گا یہ حکم شرعی کے خلاف ہے۔

جواب: کوئی حکم شرعی کے خلاف نہیں ہر نص کو اس کا حق دینا چاہیے، قرآن کا مدلول ذکر اسم سے فرضیت کا حق دیا اور حدیث کا مدلول یہ ہے کہ اس کو واجب قرار دو اس وجہ سے اس کو واجب قرار دیا۔

تیسرا احتمال: یہ قول عبدالرحمن بن مہدی کا ہو، پھر اس کا مقصد یہ ہے کہ میرا قول مدلل ہے حکم شرعی کی وجہ سے اور وہ حکم شرعی کھلی حدیث ہے۔

جواب: یہ یا تو امر استحبابی ہے یا پھر یہ خبر واحد ہے اور اس سے وجوب ثابت ہوگا۔

بَابُ فِي نَشْرِ الْأَصَابِعِ عِنْدَ التَّكْبِيرِ تکبیر اولیٰ کے وقت اُنگلیاں کھلی رکھی جائیں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَبَّرَ لِلصَّلَاةِ نَشَرَ أَصَابِعَهُ

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کی تکبیر اولیٰ کہتے تو اپنی انگلیاں خوب کھلی رکھتے۔

عَنْ سَعِيدِ بْنِ سِمْعَانَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ مَدًّا.

ترجمہ: حضرت سعید بن سمعان سے روایت ہے کہ سنا میں نے حضرت ابا ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کھڑے ہوتے نماز تو دونوں ہاتھوں کو خوب کھول کر اٹھاتے۔

تشریح: تکبیر تحریمہ کے وقت انگلیوں کو کھلا رکھا جائے۔ اس حدیث کے مرکزی راوی ابن ابی ذئب ہیں، اس سے یہ حدیث دو طریق سے مروی ہے۔ (۱) بطریق یحییٰ بن یمان (۲) غیر یحییٰ بن یمان۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ یحییٰ متن میں نشر کا لفظ ذکر کرتے ہیں جبکہ اس کے علاوہ سب رواۃ ابن ذئب سے حدیث کو نقل کرتے ہوئے "مدًّا" کے لفظ ذکر کرتے ہیں "رفع یدیہ مدًّا"...... "رفع یدیہ مدًّا ای رفعًا" مفعول مطلق من غیر لفظہ ہے جیسے "قعدتُ جلوسًا" اور امام ترمذی رحمہ اللہ غیر یحییٰ بن یمان کی روایت کو صحیح قرار دے رہے ہیں اور یحییٰ کی روایت کو خطاء قرار دیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ دونوں کا مضمون مختلف ہے نشر کا معنی امام ترمذی سمجھے انگلیوں میں فاصلہ رکھنا اور "مدًّا" کا معنی کھلا رکھنا بند نہ کرنا۔ نیز نشر کا معنی فاصلہ رکھنا، اس صورت تحریمہ کے وقت بھی نشر ہوگا حالانکہ فقہاء کہتے ہیں یہ نشر صرف رکوع میں ہوگا تاکہ گرفت مضبوط ہو، اگر بند رکھیں تو گرفت مضبوط نہ ہوگی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تکبیر تحریمہ میں نشر ہوگا، ان دو وجہوں سے یحییٰ کی روایت کو غلط قرار دیا۔

جواب: خطاء قرار دینے کی ضرورت نہیں۔ نشر اصابع ایک ضم کے مقابلے میں اور ایک قبضہ وعقد کے مقابلہ میں اگر نشر

بمقابلہ ضم کے ہو تو پھر دونوں کا مضمون مختلف ہے اور اگر نشر بمقابلہ قبضہ کے ہو تو پھر یہ ہم معنی ہوں گے اختلاف نہ ہوگا۔لہٰذا صرف تعبیری اختلاف ہے نہ ہی قول فقہاء کے خلاف ہے۔تحریمہ کے وقت نشر اصابع قبضہ اور عقد کے مقابلے میں ہے اور فقہاء جو کہتے ہیں کہ رکوع میں نشر ہوگا وہ ضم کے مقابلے میں ہے۔

بَابٌ فِي فَضْلِ التَّكْبِيرَةِ الأُولَى تکبیر اولیٰ کی فضیلت میں

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى لِلَّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا فِي جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيرَةَ الأُولَى كُتِبَ لَهُ بَرَاءَتَانِ بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِنَ النِّفَاقِ

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نماز پڑھی چالیس دن جماعت سے خالص اللہ کے واسطے کہ پاتا رہا تکبیر اولیٰ لکھی جائیں گی اس کے لیے دو نجاتیں ایک نجات دوزخ سے دوسری نفاق سے۔

تشریح مسئلہ: تکبیر اولیٰ کا ادراک کیا ہے۔

پہلا قول: امام کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہنا۔ دوسرا قول: قرأت شروع ہونے سے پہلے۔

تیسرا قول: رکوع سے پہلے مل جانا۔

چوتھا قول: رکوع کو پالینا بھی تکبیر کو پالینا ہے۔"الراجح ھو الاول" پہلے کو سب سے زیادہ ثواب دوسرے کو دونوں سے زیادہ ثواب اور تیسرے کو آخری کے مقابلے میں زیادہ ثواب ملے گا۔بایں معنی تکبیر اولیٰ کی فضیلت واضح ہے کوئی حدیث ذکر نہیں کی۔البتہ ایک خاص صورت کو ذکر کردیا کہ نماز باجماعت چالیس دن تک تکبیر اولیٰ کے ساتھ رضاء الٰہی کے لیے ہو تو اس خاص صورت کی فضیلت ہے کہ دو پروانے حاصل ہو جائیں گے "براۃ من النار" اور نفاق عملی سے براۃ۔اس عمل سے اللہ تعالیٰ ایسے اعمال سے بچنے کی توفیق دے دیتے ہیں جو نفاق عملی کی علامت ہیں۔

قال ابو عیسیٰ قد روی ھذا الحدیث

حدیث کی تین سندیں ہیں: (۱) مسلم بن قتیبہ (۲) سند وکیع (۳) اسماعیل بن عیاش۔پہلی سند کے مطابق حدیث مرفوع ہے اور سند وکیع کے مطابق یہ قول ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ تو بھی حکم مرفوع ہے۔تیسری سند کے مطابق یہ مسندات عمر بن خطاب میں سے ہے اور تیسری سند کے اعتبار سے یہ حدیث غیر محفوظ ہے منقطع ہے کیونکہ عمارہ روایت کر رہے ہیں انس سے اور عمارہ کا سماع حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اسماعیل کی روایات حجاز کے شیوخ سے معتبر نہیں اور عمارہ انہیں میں سے ہیں، اسماعیل کی شامی شیوخ سے روایات قابل اعتماد ہوتی ہیں۔

بَابُ مَا يَقُولُ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ نماز شروع کرتے وقت کیا پڑھے

عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ بِاللَّيْلِ كَبَّرَ ثُمَّ يَقُولُ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ، ثُمَّ يَقُولُ اللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا ثُمَّ يَقُولُ أَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ.

ترجمہ حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کھڑے ہوتے نماز کو تکبیر کہتے پھر کہتے سبحانک سے غیرک تک اور معنی اس کے یہ ہیں پاک ہے تو اللہ سب تعریف تجھی کو ہے اور بڑی برکت کا نام ہے تیرا اور بلند ہے بزرگی تیری اور کوئی معبود نہیں سوا تیرے پھر کہتے اللہ اکبر کبیراً یعنی اللہ بہت بڑا ہے نہایت بڑائی والا، پھر کہتے پناہ مانگتا ہوں میں اللہ سننے والے جاننے والے کے ساتھ شیطان راندہ ہوئے سے اس کے وسواس اور تکبر اور سحر سے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ قَالَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ۔

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب شروع کرتے نماز تو پڑھتے سبحانک سے آخر تک یعنی پاک ہے تو اے اللہ اور سب تعریف تجھ کو ہے اور بڑی برکت کا نام ہے تیرا اور بلند ہے بزرگی تیری اور کوئی معبود نہیں سوائے تیرے۔

تشریح **پہلی بات: اختلافی مسئلہ (۱)**

یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ اور قرأت فاتحہ کے درمیان کوئی ذکر مسنون ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں۔

قول اوّل: جمہور کے ہاں مسنون ہے۔

قول ثانی: مالکیہ کے نزدیک تحریمہ اور فاتحہ کے درمیان ذکر مسنون نہیں ہے۔

جمہور کی دلیل: احادیث الباب۔

مالکیہ کی دلیل: وہ احادیث جن میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کا افتتاح الحمد للہ سے کرتے۔ معلوم ہوا کہ ذکر مسنون نہیں ہے۔

جواب (۱): ان احادیث کا مدلول یہ ہے کہ قرأۃ فاتحہ الحمد للہ سے شروع ہوتی ہے۔

جواب (۲): جمہور کے دلائل ذکر کے بارے میں ناطق ہیں اور مالکیہ کے مستدلات ساکت ہیں اور تعارض کے وقت ناطق کو ترجیح ہوتی ہے۔

دوسری بات: اختلافی مسئلہ ۲: آیا وہ ذکر مسنون کون سا ہے؟
مشہور دو قول ہیں اولویت وعدم اولویت میں افضلیت وعدم افضلیت میں اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے تیسرا قول بھی کیا ہے۔
قول اوّل: احناف کے ہاں ذکر مسنون ثناء معروفہ ہے۔
قول ثانی: شوافع وہ ذکر مسنون دو ہیں ایک توجیہ ہے یعنی ”اللّٰھم انی وجھت وجھی للذی الخ“ اور دوسرا ”اللّٰھم باعد بینی وبین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب“
احناف کی دلیل: وفی الباب میں حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جس کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے مابعد میں نقل کیا ہے۔ مسنداً

تیسری بات: چند سوالات وجوابات

سوال: امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کو سنداً ضعیف قرار دیا ہے وہ اس طرح کہ اس کی سند میں حارثہ راوی ہیں وہ متکلم فیہ ہیں، ”من قبل حفظہ“ لہٰذا سنداً ضعیف ہے۔
جواب (۱): تعدد طرق کی وجہ سے اور خصوصاً اکابر صحابہ کے آثار کی تائید کی وجہ سے یہ سندی ضعف دور ہو جائے گا۔ چنانچہ اکابر صحابہ میں اثر عمر بن خطاب اور اثر ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی نشاندہی کی اور فرمایا کہ اکثر اہل علم کا عمل اسی پر ہے۔ لہٰذا ان حضرات کے تعامل وتائید کی وجہ سے سندی ضعف دور ہو جائے گا۔ خصوصاً حضرت عمر کے بارے میں منقول ہے کہ وہ اس کی تعلیم دیتے تھے۔
جواب (۲): امام ترمذی نے جو سند ذکر کی یہ ضعیف ہے اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ دیگر سندیں بھی ضعیف ہوں۔
فائدہ: حارثہ کے باپ ابو الرجال دس بیٹوں کے باپ تھے اس لیے ابو الرجال کہا، باقی ان کا نام محمد بن عبد الرحمن ہے۔
شوافع کا مستدل: وہ احادیث جن میں توجیہ والا ذکر ہے اور ”اللّٰھم باعد“ والی احادیث ہیں۔ ”الذی اخرجہ ابو داؤد فی سننہ“
جواب (۱): ایسی تمام احادیث بیان جواز پر محمول ہیں۔
جواب (۲): ایسی تمام احادیث نوافل پر محمول ہیں، صلوٰۃ اللیل پر محمول ہیں کیونکہ اذکار طویلہ نوافل پر ہی محمول ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ابو سعید خدری کی حدیث میں جو ذکر ہے جو ثناء معروفہ بمعہ ذکر زائد پر مشتمل ہے۔ ”سبحانک اللّٰھم اللہ اکبر کبیرًا اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم“ ہمزہ بمعنی وسوسہ نفخ کا لغوی معنی، پھونکنا اور یہاں پر مراد استعارہ مذمومہ یا تکبر، نفث سے یا تو سحر ہے اصل میں پھونکنے کو کہتے ہیں جس میں لعاب کا اختلاط ہو۔ مراد یہاں سحر ہے اور بعض اہل علم کی رائے بھی یہی ہے۔
جواب: یہ محمول ہے بیان جواز پر یا نوافل پر، باقی یہ مذہب کن کا ہے عام طور پر شارحین نے اس کی تعیین نہیں کی۔ خصوصاً اس میں قرینہ ہے ”اذا قام للصلوٰۃ باللیل“ اس قسم کی تفسیر سے تہجد اور نفل مراد ہے۔ حدیث ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا جواب: یہ ہے کہ یہ سنداً بھی وزنی نہیں اور علی بن علی متکلم فیہ ہیں اور امام احمد نے کہا ”لا یصح“

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الجَهْرِ بِ {بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ}

بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ترکِ جہر میں

عَنْ ابْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ سَمِعَنِي أَبِي وَأَنَا فِي الصَّلَاةِ أَقُولُ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ فَقَالَ لِي أَيْ بُنَيَّ مُحْدَثٌ إِيَّاكَ وَالحَدَثَ قَالَ وَلَمْ أَرَ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَبْغَضَ إِلَيْهِ الحَدَثُ فِي الإِسْلَامِ يَعْنِي مِنْهُ قَالَ وَقَدْ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَ أَبِي بَكْرٍ وَمَعَ عُمَرَ وَمَعَ عُثْمَانَ فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَقُولُهَا فَلَا تَقُلْهَا إِذَا أَنْتَ صَلَّيْتَ فَقُلْ الحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ العَالَمِينَ} [الفاتحة:2].

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مغفل کے بیٹے سے روایت ہے کہ میرے باپ نے مجھ کو نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم زور سے پڑھتے سنا سو فرمایا اے بیٹے یہ تو نئی بات نکلی ہے اور بہت بچ تو نئی بات سے اور کہا ابن عبداللہ نے میں نے کسی کو نہیں دیکھا دشمن نئی بات نکالنے کا اسلام میں ان سے زیادہ اصحاب رسول میں اور کہا ان کے باپ نے میں نے نماز پڑھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور ابو بکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ سو نہیں سنا میں نے ان میں سے کسی کو کہ پڑھتے ہوں بسم اللہ آواز سے تو بھی نہ پڑھ بلکہ جب نماز پڑھے تو شروع کر قرأت کو الحمد للہ رب العالمین سے۔

بَابُ مَنْ رَأَى الجَهْرَ بِ {بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ} بسم اللہ کا زور سے پڑھنا

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَتِحُ صَلَاتَهُ بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ (الفاتحة 1.)

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شروع کرتے تھے نماز کو یعنی قرأت کو بسم اللہ الرحمن الرحیم سے۔

تشریح ان میں دو مسئلے اختلافی ہیں۔

پہلا مسئلہ: تسمیہ قرآن کا جز ہے کہ نہیں؟ اگر ہے تو ہر سورۃ کا جز ہے کہ نہیں؟

دوسرا مسئلہ: جس نماز میں قرأت جہراً ہے اس میں تسمیہ جہراً پڑھنی ہے یا سراً۔ یہاں پر امام ترمذی نے دوسرے مسئلے کو بیان کیا لیکن دوسرے مسئلے کا سمجھنا پہلے پر موقوف ہے، اس لیے عام طور پر دونوں مسائل کو بیان کیا جاتا ہے۔

پہلا مسئلہ: اس مسئلے میں آئمہ کرام کا اختلاف ہے جو کہ مفصلاً آپ کے سامنے ذکر کیا جا رہا ہے۔

پہلا مسلک: امام مالک رحمہ اللہ کا ہے، ان کے نزدیک تسمیہ سورۃ نمل کا جز ہے۔ باقی بسم اللہ کسی سورۃ کا جز نہیں ہے۔

دوسرا مسلک: امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے، ان کے ہاں تسمیہ قرآن کا جز ہے، قرآن کے جزئیت کے بعد ہر سورۃ کا جز ہے،

صرف سورۃ توبہ کے شروع میں تسمیہ نہیں، اس لیے اس سورۃ کا جز بھی نہیں۔

تیسرا مسلک: احناف کا ہے، امام صاحب کے نزدیک قرآن میں صرف سورۃ نمل کا جز ہے، باقی کسی سورۃ کا جز نہیں جو سورتوں کی ابتداء میں لائے یہ بطور فصل کے لائے۔امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل اخیر میں ذکر کی جاوے گی۔"فلینتظروا ... الخ"

آئمہ فقہاء مجتہدین کے مستدلات

شوافع حضرات کی پہلی دلیل:

سنن نسائی جلد اوّل صفحہ ۱۴۳۔۱۴۴ میں اور مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔"قال بینما ذات یوم بین اظھرنا یرید النبی صلی اللہ علیہ وسلّم اذا غفاء اغفاءۃ ثم رفع رأسه متبسمًا فقلنا له ما اضحک یا رسول اللہ قال نزلت علیَّ أنفاً سورۃ بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم انا اعطیناک الکوثر ... الخ... ثم قال ھل تدرون ماالکوثر... الخ" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ کی ابتداء بسم اللہ سے کی جو کہ جز ہونے پر صریح دلیل ہے۔

دوسری دلیل: دارقطنی شریف میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب تم سورۃ فاتحہ پڑھو تو بسم اللہ ضرور پڑھ لیا کرو، یہ بھی قرآن کا جزء ہے۔

تیسری دلیل: اسی مضمون کی روایت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ فاتحہ پڑھتے تو بسم اللہ ضرور پڑھتے تو امام شافعی رحمہ اللہ نے استدلال کیا کہ جب سورۃ فاتحہ کا جز ہے تو بقیہ سورتوں کا بھی جز ہے۔ان میں کیا فرق ہے۔

احناف کے دلائل، پہلی دلیل:

آگے باب میں باب فی افتتاح الصلوٰۃ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو ماقبل باب میں امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل بن چکی ہے وہ ہے۔بعض حضرات نے شوافع کی طرف نسبت کر کے اس حدیث کی توجیہ اور تاویل کی جس کو امام ترمذی نے "معناہ انھم کانوا یبدون بقراءۃ" اشارہ کیا کہ "یستفتحون القرأۃ" کا مطلب یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ سے ایک الگ سورۃ پڑھتے تھے۔پہلے سورۃ فاتحہ پڑھتے اور سورۃ بعد میں پڑھتے، کوئی یہ نہ سمجھے کہ "قرأۃ بالسورۃ" شروع کرتے۔اس پر امام زیلعی نے نصب الرایہ میں لکھا ہے کہ پھر انس رضی اللہ عنہ کو چاہیے تھا کہ یوں کہتے "یقوم قبل الرکوع ویرکع قبل السجود ویسجد قبل القعود" اگر فریق مخالف کہے کہ یہ تو مشہور ہے، اس کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تو ہم کہتے ہیں کہ فاتحہ کی تقدیم علی السورۃ بھی مشہور ومعروف ہے۔یہ تاویل بعید ہے۔حضرت شیخ نے فرمایا یہ تاویل ایسی ہے جیسے مسجد کلاب والی علامہ خطابی رحمہ اللہ کی۔

دوسری دلیل: دارقطنی میں اور ترمذی جلد ثانی ص: ۱۳۲ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "عن النبی صلی اللہ علیہ وسلّم قال ان سورۃ من القرآن ثلاثون آیۃ شفعت لرجل حتی غفر له وھی تبارک الذی

بیدہ الملک۔ھذا حدیث حسن" اور سورۃ ملک کی تیس (۳۰) آیات تب بنتی ہیں جب بسم اللہ کو اس کا جزو نہ مانا جائے، اگر شمار کریں تو ۳۱ آیات بنتی ہیں۔

تیسری دلیل: آیت قرآنی "ولقد آتینک سبعًا من المثانی و القرآن العظیم" اس میں سبع مثانی سے مراد بالاتفاق سورۃ فاتحہ ہے اور سورۃ فاتحہ کی سات آیات اس وقت بنتی ہیں جب بسم اللہ کو اس کا جز نہ مانا جائے۔اگر جزء مانیں تو آٹھ آیتیں بن جاتی ہیں۔

چوتھی دلیل: ابتداءِ وحی کی روایت کہ پہلی وحی جبرئیل علیہ السلام لے آئے "اقراء باسم ربک الذی خلق" اگر تسمیہ سورۃ کا جز ہوتی تو قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وحی کی ابتداء تسمیہ سے ہوتی لیکن اس سے ابتداء نہ ہوئی تو اس سے معلوم ہوا کہ تسمیہ سورۃ کا جز نہیں۔

پانچویں دلیل: مسلم شریف جلد اوّل صفحہ ۱۶۹۔۱۷۰ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مفصل روایت ہے جس میں وہ فرماتے ہیں "فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ تعالٰی قسمت الصلٰوۃ بینی و بین عبدی نصفین ولعبدی ماسأل فاذا قال العبد الحمدللہ رب العالمین قال اللہ تعالٰی حمدنی عبدی... الخ" اسی طرح آگے آیات کا جواب "اثنی عبدی، مجدنی عبدی... الخ" تو یہاں ابتداء الحمد سے ہو رہی ہے، اگر تسمیہ جز ہوتا تو اس سے ابتداء کرتے۔

حضرات شوافع کے دلائل کے جوابات

پہلی دلیل کا جواب: علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے دیا۔سورۃ کوثر کی ابتداء میں تسمیہ کا پڑھنا تبرکاً ہے کہ شان والے کام کی ابتداء تسمیہ سے ہونی چاہیے "کل امر ذی بال" کی وجہ سے اور یہ نفس توجیہ نہیں بلکہ تطبیقات ہیں کیونکہ کثیر احادیث کو چھوڑا نہیں جاسکتا۔لہٰذا ترجیح والا قول کریں گے۔

دوسری دلیل کا پہلا جواب: "فانھا من القرآن" سے ہماری تائید ہوتی ہے، ہم بھی جزئیت قرآن کے قائل ہیں۔

دوسرا جواب: یہ تبرکاً تھا۔

تیسری دلیل کا پہلا جواب: اس کی سند میں عمرو بن ہارون راوی ضعیف ہے۔یحیٰی بن سعید القطان نے اس کو کذاب کہا ہے، اس کو امام احمد، امام نسائی نے بیان کیا ہے۔

دوسرا جواب: تبرکاً والا۔

امام مالک کی دلیل: احناف سے ارشاد فرماتے ہیں کہ جب تم نے پانچ دلائل لا کر اس پر زور لگایا کہ یہ کسی سورۃ کا جز نہیں تب یہ قرآن کا جز بھی نہیں، اس لیے کہ قرآن کی ہر ایک آیت کسی نہ کسی سورت کا جز ہے۔

جواب: قرآن کی تعریف "المکتوب بین دفتی المصاحف المنقول نقلاً متواترًا" اس پر صادق آتی ہے۔

دوسرا مسئلہ: تسمیہ فی الصلٰوۃ جہراً پڑھیں گے یا سراً

اس میں فقہاء کرام کا اختلاف واقع ہوا۔

پہلا مسلک: امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک تسمیہ مطلقاً نہیں پڑھی جائے گی خواہ نماز سری ہو یا جہری۔
دوسرا مسلک: امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ سری نمازوں میں سراً اور جہری نمازوں میں جہراً پڑھیں گے۔
تیسرا مسلک: امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک تسمیہ مطلقاً سراً پڑھی جائے گی خواہ نماز جہری ہو یا سری۔
ادلۃ مذاہب: امام مالک رحمہ اللہ کا استدلال: پہلے باب میں عبداللہ بن مغفل کی روایت ہے جس میں انہوں نے اپنے صاحبزادے کو بسم اللہ پڑھنے سے روکا اور اسے بدعت قرار دیا۔ ”فقال لی ای بنی محدث ایاک والحدث ولم ار احد من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کان ابغض الیہ الحدث فی الاسلام“

امام شافعی رحمہ اللہ کے متعدد مستدلات ہیں

پہلی دلیل: سنن نسائی شریف میں جلد اوّل صفحہ ۱۴۴ میں حضرت نعیم المجمر کی روایت ہے فرماتے ہیں ”صلیت وراء ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ فقراء بسم اللہ ... الخ، ثمّ قراء بام القرآن حتّی اذا بلغ غیر المغضوب ... فقال امین فقال النّاس امین ... واذا سلم قال والذی نفسی بیدہ انی لا شبھکم صلٰوۃ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم“ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نماز پڑھائی۔ اس سے استدلال فرماتے ہیں۔
دوسری دلیل: مستدرک حاکم میں معمر ابن سلیمان کی روایت ہے کہ انہوں نے اونچی آواز سے تسمیہ پڑھی جب نماز ختم کی تو فرمایا کہ میری نماز میرے والد کے مشابہ ہے اور میرے والد انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے تو ان کی نماز انس کے مشابہ ہوگی اور انس رضی اللہ عنہ کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہے، اونچی تسمیہ کا پڑھنا مسنون ہے۔
تیسری دلیل: سنن دار قطنی جلد اوّل صفحہ ۳۱۱ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ نقل کیا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں آئے۔ ”قال صلی معاویۃ بالمدینۃ صلٰوۃ فجھر فیھا بالقرأۃ فلم یقراء بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم لام القرآن ولم یقرء للسورۃ الّتی بعدھا ولم یکبر حین یھوی حتّی قضی تلک للصلٰوۃ فلما سلّمہ ناداہ من سمع ذلک من المھاجرین والانصار من کل مکان یا معاویۃ اسرقت الصلٰوۃ ام نسیت قال فلم یصلی بعد ذلک الاقراء بسم اللہ، لام القرآن وللسورۃ التی بعدھا وکبر حین یھوی ساجدًا“
چوتھی دلیل: مستدرک حاکم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، ”قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم یجھر ببسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم“ (جلد اوّل، ص: ۲۳۲)
پانچویں دلیل: ترمذی شریف میں ”باب من رأی الجھر“ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے۔ ”قال کان النّبی صلی اللہ علیہ وسلّم یفتتح صلٰوتہ ببسم اللہ ... الخ“
احناف کے دلائل، پہلی دلیل: نسائی شریف، جلد اوّل، ص: ۱۴۴، مسلم شریف جلد اوّل، ص: ۱۷۲ میں حضرت انس

رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم و ابی بکر و عمر و عثمان فلم اسمع احدًا منھم یقراء بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم" نسائی شریف میں یہی روایت ہے صرف اس میں "یجھر" آیا ہے یقراء کی جگہ۔

دوسری دلیل: پہلے باب میں حضرت مغفل رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ انہوں نے اونچی آواز سے بسم اللہ پڑھا تو اس کے والد نے اس کو محدث کہا، اس میں جہر کی نفی ہے۔

تیسری دلیل: امام طحاوی نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر نقل کیا۔ "عن ابن عباس رضی اللہ عنھما فی الجھر بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم قال ذالک فعل الاعراب" ان سے کسی نے جہر کے بارے میں مسئلہ پوچھا تو فرمایا کہ یہ دیہاتی لوگوں کا فعل ہے جن کو مسائل سے واقفیت نہیں ہوتی۔

پہلے دو فریقوں کے دلائل کے جوابات

شوافع کے دلائل کے جوابات:

پہلی دلیل کا جواب نمبر (۱): حافظ زیلعی نے دیا کہ اوّلاً یہ روایت شاذ ہے کیونکہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے آٹھ شاگردوں سے یہی روایت منقول ہے ان میں سے سوائے نعیم مجمر کے کوئی بسم اللہ کے جہر کو ذکر نہیں کرتا۔ اس جملہ کو اور کوئی شاگرد ذکر نہیں کرتا۔

دوسرا جواب: ابن تیمیہ سے منقول ہے کہ ہمارا اور آپ کا جھگڑا بسم اللہ کے جہراً پڑھنے میں ہے۔ مطلقاً تسمیہ کے قرأت میں اختلاف نہیں، اس سے نفس قرأت ثابت ہے اور وہ سراً ہے نعیم مجمر کو پھر کیسے پتہ چلا اس کا جواب بخاری شریف میں کئی جگہ قتادہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے ظہر و عصر میں فلاں سورۃ پڑھی تو کیا ان کو کیسے پتہ چلا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے فراغت کے بعد بتلایا ہوگا بطور تعلیما۔ اسی طرح ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز کے فراغت کے بعد بتا دیا ہوگا کہ میں نے بسم اللہ پڑھی ہے، بطور تعلیما۔

دوسری دلیل: مستدرک حاکم کی روایت کا جواب، اس سے اخفی معلوم ہو رہا ہے، اصل بات یہ تھی کہ سلیمان رضی اللہ عنہ کی روایت اور نماز میں انس رضی اللہ عنہ کی نماز کے مشابہت ہے تقریباً، یعنی تسمیہ کے علاوہ مشابہ ہے جبکہ انس رضی اللہ عنہ کی دیگر روایت تسمیہ کے جہر پر مروی ہیں۔

تیسری دلیل: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی دلیل والا واقعہ، علامہ زیلعی نے فرمایا کہ یہ سنداً اور متناً مضطرب ہے۔ اگر اس اضطراب سے قطع نظر کریں تو یہ روایت معلول ہے اور علت یہ ہے کہ جب معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ تشریف لائے، اس وقت انس بصرہ میں رہتے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مدینہ آنے کے وقت ان کا مدینہ میں آنا ثابت نہیں۔ اس سے بھی قطع نظر کر کے یہ کہیں گے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کی اولاد نے تسمیہ کی وجہ سے اشکال کیا یا تکبیرات انتقال کی وجہ سے اشکال کیا۔ سنداً اور متناً اضطراب کیوں ہے اور کس طرح ہے اس مرتبہ شیخ صاحب نے بیان نہ کیا۔

چوتھی دلیل کا جواب: علامہ زیلعی نے دیا کہ یہ حدیث ضعیف بلکہ موضوع معلوم ہوئی۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس کو صحیح کہا لیکن یہ صحیح کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک وقت میں جہر بسم اللہ خود کریں اور پھر اس کو فعل الاعراب بھی کہیں۔

پانچویں دلیل: حدیث باب کا جواب یہ ہے کہ امام ترمذی نے خود آگے فرمایا: "قال ابو عیسی ولیس اسنادہ بذالک" دوسری بات اگر صحیح مان لیا جائے تو یہ استدلال ضعیف ہے کیونکہ اس میں جہر کی تصریح نہیں بلکہ خود نماز کے فراغت کے وقت بتلایا ہوگا۔

مالکیہ کی دلیل کا جواب: حضرت مغفل رضی اللہ عنہ کی روایت کہ انہوں نے تسمیہ کو اونچی آواز سے پڑھا ہوگا اور سنا، پھر اس کو محدث اور بدعت قرار دیا جبکہ نفس تسمیہ کا ثبوت اتنی روایات سے ہے جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ "باب فی افتتاح القرأۃ بالحمدللہ رب العالمین"

بَاب فِي افْتِتَاحِ الْقِرَآةِ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ "الحمدللہ رب العالمین" سے قرأت شروع کی جائے

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ اَبُوْبَكْرٍ وَّ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ يَفْتِحُوْنَ الْقِرَأَةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

ترجمہ حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب شروع کرتے قرأت الحمدللہ رب العالمین سے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّهُ لَا صَلَاةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ

ترجمہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے نماز میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی۔

تشریح پہلی بات، مسئلہ: اس بات پر جمہور کا اتفاق ہے کہ قرأت رکن صلوٰۃ ہے لیکن اس بات میں اختلاف ہے کہ رکن ہونے کے لیے قرآن کا کوئی خاص حصہ متعین ہے یا نہیں، بعنوان آخر فاتحہ کی قرأت رکن صلوٰۃ ہونے کے لیے متعین ہے یا نہیں؟

قول اوّل: احناف کا مذہب یہ ہے کہ مطلق قرأۃ قرآن رکن صلوٰۃ ہے فاتحہ متعین نہیں اور اتنی مقدار قرأۃ جس کو عرف میں قرأت کہا جاسکے۔ تین آیات یا اُن کی بقدر ایک آیت کی تلاوت طویلہ۔ عام ازیں فاتحہ ہو یا فاتحہ کے ماسواء ہو۔

قول ثانی: جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ رکن صلوٰۃ ہونے کے لیے فاتحہ کی قرأت متعین ہے اگر فاتحہ کی قرأت ہوگی تو رکن ادا ہوگا اس کے علاوہ پورے قرآن کی تلاوت ہوجائے تو بھی رکن ادا نہیں ہوگا۔

دوسری بات، اختلافی مسئلہ: قرأۃ الفاتحہ خلف الامام یہ مستقل مسئلہ ہے لیکن امام ترمذی یہاں پہلے مسئلہ کو بیان کرنا چاہتے

ہیں چالیس یا اکتالیس بابوں کے بعد دوسرے مسئلہ کو بیان کریں گے تاکہ خلط نہ ہو۔ یہاں پہلے باب کے متعلق بحث دیکھیں۔

احناف کی دلیل اوّل: قرآن پاک کی آیت ”فاقرؤا ما تیسّر من القرآن“ اس میں ما کلمہ عموم کے لیے ہے فاتحہ کو بھی شامل ہے اور ماسواء کو بھی شامل ہے۔ پس اس سے مطلق قرأت القرآن فرض ہونا معلوم ہو رہا ہے اور بات تو ظاہر ہے کہ خارج صلوٰۃ میں تو قرأت فرض نہیں، صرف نماز میں ہی فرض ہے۔ معلوم ہوا کہ نماز میں مطلق قرأت فرض ہے۔

سوال: آیت میں قرأت کی رکنیت اور عدم رکنیت کو بتلانا مقصود نہیں بلکہ قیام لیل کی تطویل کے نسخ کو بیان کرنا مقصود ہے، پہلے کہا آدھی رات نماز پڑھو، پھر اس کو بھی منسوخ کر دیا؟

جواب: زیادہ سے زیادہ صلوٰۃ اللیل کی فرضیت منسوخ ہوئی لیکن استحباب تو باقی ہے، آیت سے معلوم ہوا کہ تہجد میں مطلق قرأت رُکن ہے اور قائل بالفصل تو کوئی بھی نہیں جو تہجد میں مطلق قرأۃ کو رُکن مانے اور فرائض میں نہ مانے اور جو لوگ فاتحہ کی رکنیت کے قائل ہیں وہ نوافل میں بھی ہیں اور فرائض میں بھی ہیں۔

سوال: آیت کریمہ میں کلمہ ما مجمل ہے اس کے لیے بیان کی ضرورت ہے اور بیان حدیث عبادہ ابن صامت میں ہے ”لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب“ اس سے معلوم ہوا کہ رکن ہونے کے لیے فاتحہ کی قرأت متعین ہے؟

جواب: ہم نہیں تسلیم کرتے ہیں کہ آیت کریمہ میں کلمہ ما مجمل کے قبیل سے ہے بلکہ یہ مطلق اور عام کی قبیل سے ہے اور مجمل وہ ہوتا ہے جس پر بلا بیان عمل نہ ہو سکے جیسے مسح رأس کی مقدار میں ”وامسحوا برؤسکم“ مجمل ہے اور حدیث مغیرہ بن شعبہ اس کا بیان ہے اور بات تو ظاہر ہے کہ یہ آیت کریمہ مکی ہے اور حدیث عبادۃ ابن صامت کا ورود ہوا ہجرت کے بعد اب اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ نزول کے بعد ایک عرصہ تک آیت کریمہ پر عمل ہی نہ ہوا۔ یہ بات بدیہی البطلان ہے اور مطلق وہ ہوتا جس پر جس طرح بھی عمل کیا جاسکے ”لا علی التعیین“ کسی بھی فرد پر، لہٰذا خبر واحد کی وجہ سے کتاب اللہ کے اطلاق کو مقید کرنا جائز نہیں۔

سوال: اگر آیت کریمہ کو مطلق مان لیں تو پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ حدیث عبادۃ ابن صامت مشہور ہے لہٰذا اس کے ذریعہ مقید کرنا جائز ہے؟

جواب (۱): حدیث عبادۃ کا مشہور ہونا مسلم نہیں کیونکہ مشہور وہ ہوتی ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں مشہور ہو، بعد کی شہرت مفید نہیں ہوتی جبکہ یہ بعد میں مشہور ہوئی۔

جواب (۲): اگر علی سبیل التنزل ہم اس کی شہرت تسلیم کرلیں تو پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ تقید اُس مشہور سے جائز ہوتی ہے جو اپنے مدلول میں محکم الدلالت ہو حالانکہ یہ حدیث عبادۃ تو اپنے مدلول میں محکم نہیں کیونکہ اس میں احتمال ہے کہ یہاں کمال صلوٰۃ کی نفی ہو نہ کہ جنس صلوٰۃ کی تو جب حدیث مشہور محتمل ہو تو اُس سے تقید جائز نہیں ہوتی۔

دلیل ثانی: حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ”اخرجہ مسلم لا صلوٰۃ الاّ بقراءۃ“ اور قرأت کا لفظ عام ہے؟

دلیل ثالث: حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ”اخرجہ ابو داؤد، لا صلوٰۃ الاّ بقرآن ولو بفاتحۃ الکتاب“ یہ

حدیث صراحتاً دال ہے اس بات پر کہ فاتحہ کے ساتھ تخصیص نہیں۔

دلیل رابع: حدیث اعرابی "المسیئ فی الصلٰوۃ" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا "ثم اقراء بما تیسّر معک من القرآن" یہاں پر مطلق قرأت کا حکم دیا اور یہ مقام تعلیم ہے اور مقام تعلیم میں ارکان کو تو نہیں چھوڑا جاتا معلوم ہوا، الخ۔

سوال: اس حدیث کی بعض روایتوں میں "ثم اقراء بام القرآن" ہے اس سے معلوم ہوا کہ فاتحہ رکن صلٰوۃ ہونے کے لیے متعین ہے؟

جواب: امام ابوداؤد نے اس حدیث کی چھ سندوں سے تخریج کی اور پانچ سندوں میں مطلق ذکر ہے صرف ایک طریق میں اُم القرآن ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ روایت روایت بالمعنی کے قبیل سے ہے۔

دلیل خامس: "لما فی الطحاوی والبیهقی کنا نحدث انه لا صلٰوۃ الا قرأۃ بفاتحة الکتاب فما فوق ذلک"

دلیل سادس: "ما روی عن عمر رضی اللہ عنه قال لا تجزئ الصلٰوۃ ما لم یقرء فیها فاتحة الکتاب و شیء معها" (مدونہ، ج: ۱، ص: ۷۱، فتح ربانی، ج: ۳، ص: ۲۱۷، احکام القرآن لابی بکر رازی، ج: ۱، ص: ۱۸)

جمہور کی دلیل: حدیث الباب، حدیث "عبادة ابن صامت لا صلٰوۃ لمن لم یقراء بفاتحة الکتاب"

جواب (۱): رکنیت کے اثبات کے لیے ایسی دلیل ہونی چاہیے جو کہ قطعی الثبوت بھی ہو اور قطعی الدلالت بھی ہو حالانکہ یہ خبر واحد ہے قطعی الثبوت بھی نہیں بلکہ محتمل ہے اور قطعی الدلالت بھی نہیں اور باقی رہا اکابر صحابہ عمر، حضرت جابر عنہم یہ بھی رکنیت کے لیے فاتحہ کو متعین کرتے تھے۔

جواب (۲): ان حضرات کا قول ہے "لا تجزئ" یہ نہیں فرمایا "لا تجز" اور یہ ہمارے خلاف نہیں کیونکہ اس میں اجزاء کی نفی ہے نہ کہ جواز کی اور یہ تو ہم بھی کہتے ہیں کہ قرأت فاتحہ کے بغیر تام نہیں ہوتی ناقص ہوگی ہم بھی یہی کہتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّأْمِينِ آمین کہنے کے بیان میں

عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ {غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ} [الفاتحة: 7] فَقَالَ آمِينَ وَمَدَّ بِهَا صَوْتَهُ.

ترجمہ حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے کہ سنا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ پڑھا انہوں نے "غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ" اور فرمایا آمین اور یہ کہتے ہوئے آپ نے آواز کو کھینچا۔

تشریح اس میں چند باتیں ہیں۔

پہلی بات: اختلافی مسئلہ آمین کا حکم کیا ہے؟ دوم: امام آمین کہے گا یا نہیں؟ سوم: آمین بالسر کہی جائے یا جہراً؟...... امام ترمذی نے یہاں صرف تیسرا مسئلہ ہی بیان کیا ہے۔

مسئلہ،قول اوّل: جمہور کے نزدیک آمین کہنا مسنون ومستحب ہے۔

قول ثانی: اہل ظواہر کے نزدیک واجب ہے۔

جمہور کی دلیل: حدیث اعرابی "المسیئ فی الصّلٰوۃ" اس میں آمین کا ذکر نہیں ورنہ تو یہ مقام تعلیم ہے اور مقام تعلیم میں تو اس کا ذکر ضرور ہوتا۔

اہل ظواہر کی دلیل: وہ احادیث متعلقہ بالتامین جن میں امر کا صیغہ ہے "اذا امّن الامام فامّنوا"

جواب: پھر استحباب پر محمول ہے قرینہ حدیث اعرابی "المسیئ فی الصلٰوۃ" ہے۔

دوسری بات: مسئلہ ۲،قول اوّل: جمہور کے ہاں امام بھی آمین کہے۔

قول ثانی: مالکیہ کے ہاں صرف مقتدیوں کے لیے ہے امام نہ کہے۔

جمہور کی دلیل: یہی حدیث ہے "اذا امّن الامام فامّنوا" اس میں صراحت ہے کہ امام بھی آمین کہے اور نسائی میں ہے "اذاقال الامام غیر المغضوب فقولوا آمین فان الامام یقولھا"

مالکیہ کی دلیل: وہ حدیث ہے جس میں ہے "اذا قال الامام غیر المغضوب فقولو آمین "طریقہ استدلال اس میں تقسیم ہے کہ امام کا وظیفہ "ولا الضالّین "تک ہے اور آمین مقتدیوں کا، یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے "اذا قال الامام سمع اللّٰہ لمن حمدہ فقولو ربّنالک الحمد" ایسے ہی یہاں بھی تقسیم ہے یعنی سورۃ فاتحہ امام کے لیے اور آمین مقتدی کے لیے۔

جواب: یہ حدیث امام کی آمین کے بارے میں ساکت ہے اور دیگر احادیث ناطق ہیں اور ساکت اور ناطق میں تعارض کے وقت ترجیح ناطق کو ہوتی ہے۔ بعنوانِ آخر: ہم بھی اس تقسیم پر عمل کر لیتے جبکہ امام کے آمین کہنے پر صراحتاً حدیثیں مذکور نہ ہوتیں بخلاف "اذاقال الامام سمع اللّٰہ" وہاں امام کی تحمید کے متعلق حدیثیں تھیں صرف اس لیے وہاں پر تقسیم پر عمل کر لیا۔

تیسری بات: اختلافی مسئلہ آمین بالسر کہی جائے یا جہراً؟

قول اوّل: احناف ومالکیہ کے ہاں آمین سراً کہنا مسنون ہے مطلقاً خواہ سری نماز ہو یا جہری نماز ہو۔

قول ثانی: امام شافعی اور امام احمد کے ہاں جہری نمازوں میں جہراً اور سری نمازوں میں سراً مسنون ومستحب ہے۔

احناف کی دلیل اوّل: آمین دُعا ہے اور دُعا میں افضل خفاء ہے، نتیجہ آمین میں افضل خفاء ہے۔ باقی اس پر دلیل کہ آمین دُعا ہے، آیت میں ہے "اجیبت الدعوتکما" دُعا کرنے والے صرف موسیٰ تھے، تثنیہ کا صیغہ بولا اور ہارون علیہ السلام آمین کہنے والے تھے اور اسی طرح عطاء کا قول ہے کہ آمین دُعا ہے اور تیسرا آمین کا معنی بھی دال ہے اس بات پر کہ یہ دُعا ہے۔ مثلاً اس کا ایک معنی ہے "اِسمَعْ وَاستجب" اور ایک معنی یہ بھی ہے "اللّھمّ لا تخیب رجاءنا"

دلیل ثانی: حدیث وائل ابن حجر بطریق شعبہ "الذی اخرجہ الترمذی" اس میں ہے "فقال آمین و خفض بھا صوتہ" یہ حدیث چونکہ احناف کا مستدل ہے اس لیے امام ترمذی رحمہ اللّٰہ اس پر چند اعتراضات کر رہے ہیں۔

پہلا اعتراض: "قال ابو عیسیٰ سمعت محمدًا یقول حدیث سفیان اصح من حدیث شعبة فی ھذا و اخطأ شعبة فی مواضع" یہاں سے امام ترمذی پہلا اعتراض کر رہے ہیں۔ پہلے چار اعتراضات امام بخاری کے حوالے سے نقل کیے ہیں۔ پہلا اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث میں شعبہ سے خطاء ہوئی ہے کہ کہا "عن الحجر ابی العنبس" حجر کی کنیت ابن العنبس تھی جبکہ شعبہ نے ابی العنبس ذکر کی، بیٹے کو باپ بنا دیا۔

جوابات، جواب اوّل: حجر جیسے ابن العنبس ہیں ایسے ہی ابو العنبس بھی کنیت ہے یعنی دادے کا نام بھی عنبس ہے اور پوتے کا نام بھی عنبس ہے بیک وقت ابن العنبس بھی ہیں اور ابو العنبس بھی ہیں جیسے ریاست۔

جواب ثانی: اگر یہ شعبہ کی خطاء ہے تو یہ ایسی خطاء ہے جو آپ کے گھر میں بھی موجود ہے۔ پھر سفیان کی بھی خطاء ہے۔ چنانچہ ابوداؤد کی روایت میں جو سفیان سے منقول ہے اس میں سفیان ابو العنبس ہی کہہ رہے ہیں، لہٰذا یہ خطاء جس طرح ہمارے گھر میں ہے، تمہارے گھر میں بھی موجود ہے۔

دوسرا اعتراض: "قوله وانما ھو حجر بن العنبس ویکنی ابا السکن" شعبہ نے کنیت ذکر کی ابو العنبس حالانکہ یہ خطاء ہے کیونکہ صحیح یہ ہے کہ کنیت ان کی ابو السکن ہے۔

جوابات، جواب اوّل: دونوں کنیتیں صحیح ہیں، عربوں میں رواج تھا کہ متعدد کنیتیں رکھ لیتے تھے لہٰذا بیک وقت ابو العنبس بھی ہوئے اور ابن العنبس بھی؟

جواب ثانی: اگر یہ شعبہ کی خطاء ہے تو سفیان کی خطاء ہے۔ چنانچہ ابوداؤد میں سفیان کی روایت میں ابو العنبس ہی ہے۔

تیسرا اعتراض: "وزاد فیه عن علقمة بن وائل ولیس فیه عن علقمة" شعبہ نے حجر اور وائل کے درمیان واسطہ ذکر کیا علقمہ کا اور یہ واسطہ ذکر کرنا خطاء ہے اور صحیح یہ ہے کہ حجر براہِ راست وائل سے نقل کر رہے ہیں۔

جواب: حجر کو جس طرح براہِ راست سماع حاصل ہے اسی طرح علقمہ کے واسطے سے بھی حاصل ہے اس کو مزید فی متصل الاسانید کہتے ہیں، یہ فائدہ علمیہ کے قبیل سے ہے۔

"قوله وانما ھو حجر بن عنبس عن وائل بن حجر وقال وخفض بھا صوته وانما ھو مدبھا صوته"

چوتھا اعتراض: صحیح متن تھا "مدّ بھا صوتهٗ" اور شعبہ نے کہا "خفض بھا صوته"

جواب: یہ دعویٰ خطاء بلا دلیل ہے اس پر دلیل نہیں ورنہ ہم احناف کو حق حاصل ہے کہ وہ کہیں سفیان نے بھی خطاء کی ہے اصل متن "خفض بھا صوته" ہے اور "مدّ بھا صوته" نہیں، "ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین"

پانچواں اعتراض: "قال ابو عیسیٰ وسالت ابا زرعة عن ھذا الحدیث" شعبہ کا کوئی متابع موجود نہیں اور حدیث وائل بطریق سفیان جس کا مدلول یہ ہے کہ آمین جہر ہے اس میں سفیان کا متابع علاء ابن صالح الاسدی ہے، دلیل یہ ہے امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میں نے امام ابوزرعہ سے سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ اس کو نقل کرنے والے علاء ابن صالح ہیں، لہٰذا

حدیث وائل بطریق سفیان کوترجیح ہوگی متابع ہونے کی وجہ سے؟

جواب: سفیان کا متابع تو موجود ہے لیکن مفید نہیں "وجودہٗ وعدمہٗ سوائٌ" کیونکہ علاء بن صالح متکلم فیہ ہیں، ابوحاتم کہتے ہیں، "کان، عتق من الشیعہ" یعنی شیعہ کا اصل تھا نیز اور بھی دیگر محدثین نے ان پر جرح کی ہے۔

سوال: اس کے اور بھی متابع موجود ہیں، مثلاً محمد بن سلمہ وغیرہ؟

جواب: وجودہ وعدم سواءٌ اس کو محدثین نے وفی الحدیث کہا۔

سوال: علی بن صالح بھی موجود ہیں یعنی متابع ابوداود میں، یہی روایت کررہے ہیں، سلمہ بن کہیل سے؟

جواب: علی بن صالح اصل میں علاء ابن صالح ہی ہیں لیکن غلطی سے علی کہہ دیا، اس پر قرینہ یہ ہے کہ کسی محدث نے بھی سفیان کا تیسرا متابع پیش نہیں کیا، یہ مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کا قول ہے۔

یہ اعتراض امام ترمذی نے علل الکبیر میں کیا ہے۔

چھٹا اعتراض: شعبہ نے سند میں علقمہ کا ذکر کیا جبکہ اس کا اپنے والد وائل سے سماع ثابت نہیں ہے بلکہ انقطاع ہے؟

جواب اوّل: امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ غلط فہمی ہے اس لیے کہ وائل کے دو بیٹے ہیں ایک علقمہ اور دوسرے عبدالجبار علقمہ کا سماع ثابت ہے اپنے والد سے لیکن عبدالجبار کا سماع ثابت نہیں۔

جواب ثانی: یہ مضطرب ہوتا جب براہِ راست سماع ثابت نہ ہوتا حالانکہ براہِ راست سماع ثابت ہے۔

ساتواں اعتراض: شعبہ کی دوسری روایت اس کے معارض موجود ہے۔ چنانچہ ابوالولید نقل کرتے ہوئے "مدّبہا صوتہٗ" ذکر کرتے ہیں جبکہ سفیان کی کوئی دوسری روایت، اپنی اس روایت کے معارض موجود نہیں؟

جواب: ابوالولید کی روایت میں جو "مدّبہا صوتہٗ" کے الفاظ ہیں یہ شاذ کے درجے میں ہیں کیونکہ شعبہ سے ابوالولید کے علاوہ سات ثقہ راوی سب کے سب "خفض بہا صوتہٗ" کے الفاظ نقل کررہے ہیں۔ لہٰذا یہ ابوالولید کی روایت شاذ کے درجے میں ہونے کی وجہ سے معارض بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

آٹھواں اعتراض: شعبہ سفیان کے بارے میں خود کہتے ہیں کہ "سفیان احفظ منّی" اور احفظ کی روایت راجح ہوتی؟

جواب: جیسے شعبہ نے سفیان کو کہا احفظ منّی اسی طرح سفیان نے شعبہ کو کہا شعبہ امیرالمؤمنین فی الحدیث امیر کی بات ماننی چاہیے۔ سفیان مداح ہیں شعبے کے اور شعبہ مداح ہیں سفیان کے، لہٰذا یہ کوئی وزنی اعتراض نہیں۔

دلیل ثالث: حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ "اذا قال الامام غیر المغضوب علیھم ولا الضالّین فقولوا آمین" اس میں مقتدی کی آمین کو امام کے غیر المغضوب سے معلق کیا گیا ہے۔ اگر امام جہر کرتے تو مقتدیوں کی آمین کو امام کی آمین کے ساتھ معلق کرتے نہ کہ امام کی غیر المغضوب پر۔

سوال:......جیسے امام "غیر المغضوب علیھم ولا الضالّین" جہراً کہے گا تو مقتدی جہر کریں گے؟

جواب: کوئی تلازم نہیں جیسے امام "سمع اللہ لمن حمدہٗ" جہر کرے گا اور مقتدی "ربنا لک الحمد سرًا" کہیں گے۔

دلیل رابع: حدیث سمرہ حدیث سکتتین میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سکتوں کا علم حاصل کیا، ایک تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان اور دوسرا فاتحہ کے بعد سورۃ کے شروع کرنے سے پہلے اور ظاہر ہے کہ اس سکتے میں آمین کہی جاتی ہوگی اور شوافع کہتے ہیں یہ سکتہ طویلا ہوتا تھا تاکہ مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھ لیں؟

جواب: فاتحہ کا سکتہ طویلا ہونا چاہیے حالانکہ یہ چھوٹا ہوتا تھا حتیٰ کہ عمران بن حصین کو علم نہ ہوا نزاع ہوا، پھر ابی بن کعب نے فیصلہ کیا، معلوم ہوا کہ یہ سکتہ طویلہ نہ تھا؟

دلیل خامس: اس پر اجماع ہے کہ آمین دیگر اذکار میں سے ہے تو پھر جس طرح دیگر اذکار قرآن کے علاوہ پر قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ آمین بھی سراً ہو جو تکبیرات انتقال کا جہر ہوتا ہے وہ ضرورت کی وجہ سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مقتدی جہراً نہیں کہتے۔ نیز اگر آمین جہری ہوتی تو صحابہ رضی اللہ عنہم اس کو متواتر نقل کرتے۔

شوافع حضرات کی دلیل:

حدیث وائل ابن حجر بطریق سفیان "مدّبھا صوتہٗ"

جواب (۱): آمین جہراً ہوتی لیکن سنت صلوٰۃ ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ بغرض تعلیم جیسے سری نمازوں میں، بسا اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کا جہر کیا۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ بسا اوقات ثناء معروفہ کا جہر کرتے اور اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تسمیہ جہراً پڑھنا یہ سنت صلوٰۃ ہونے کی حیثیت سے نہیں اس کا مزید قرینہ ابو وائل کا وہ مقولہ ہے جس کو محدثین نے نقل کیا ہے "ما أراہُ اِلاّ لِیعلّمنا" آگے کہیں گے "صاحب البیت ادری بما فیہ" حافظ ابو بشر دولابی نے اپنی کتاب اسماء والکنیٰ میں یہ مقولہ نقل کیا ہے۔

جواب (۲): حدیث وائل بطریق سفیان یہ مؤوّل ہے "مدّبھا صوتہٗ" کا معنی یہ ہے کہ آمین کو اطالہ حروف کے ساتھ یعنی مد کے ساتھ کہا، یہاں مد قصر کے مقابلے میں ہے خفض کے مقابلے میں نہیں، یعنی آمین نہیں کہا بلکہ آمین کہا۔

سوال: پھر "یرفع بھا صوتہٗ" کے الفاظ جو بعض روایت میں موجود ہیں وہ منطبق نہیں ہوں گے۔ جواب: ممکن ہے کہ یہ روایت روایت بالمعنی کے قبیل سے ہو۔

جواب (۱): حدیث وائل بطریق سفیان متناً مضطرب ہے، ایک لفظ تو یہی ہیں اور بعض میں اخفیٰ اور بعض میں یرفع اور بعض خفض اور بعض میں "قال أمین ثلاث مرّاتٍ" بعض میں "رب اغفر لی امین" کے الفاظ ہیں اور اضطراب یہ استدلال سے مانع ہوتا ہے کیونکہ اب یہاں کس کو لیا جائے اور کس کو چھوڑا جائے۔

جواب (۲): دراصل حدیث وائل بطریق سفیان اور شعبہ میں تعارض ہے اور ہم کہتے ہیں بطریق شعبہ راجح ہے اور وجوہ ترجیح کئی ہیں۔

(۱): بطریق شعبہ والی روایت یہ راجح ہے کیونکہ یہ اوفق بالقرآن ہے کیونکہ قرآن میں "ادعوا ربکم تضرعاً وّ خفیہ"

(۲): اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل کا توافق چنانچہ بسند صحیح حضرت عمر اور حضرت علی اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا عمل سراً آمین کہنے کا منقول ہے اور یہ ابن ابی شیبہ میں منقول ہے۔

(۳): شعبہ تدلیس کا ارتکاب نہیں کرتے جبکہ سفیان بعض اوقات تدلیس کرتے ہیں اور غیر مدلس کی روایت مدلس کی روایت کے بنسبت راجح ہوتی ہے۔

(۴): شعبہ کی روایت جیسے سراً آمین کی ہے ان کا اپنا عمل بھی سراً آمین کہنا ہے جبکہ سفیان کی روایت جہراً آمین کہنے کی ہے لیکن اپنا عمل سراً کا ہے ایسی حدیث میں اس کی روایت کو ترجیح ہوتی ہے جس راوی کی روایت اپنے عمل کے موافق ہو۔ لہٰذا شعبہ کی روایت کو ترجیح ہوگی۔

(۵): اگر شعبہ کی روایت پر عمل کریں تو سفیان کی روایت کی تاویل کی جاسکتی ہے کہ وہ محمول ہے تعلیم پر لیکن اگر سفیان کی روایت پر عمل کریں تو شعبہ کی روایت بالکلیہ متروک ہو جاتی ہے لہٰذا شعبہ کی روایت کو ترجیح ہوگی۔

(۶): شعبہ کی روایت قیاس کے موافق ہے اور سفیان روایت قیاس کے مخالف ہے اور قیاس پچھلے ہی صفحہ پر گزرا ہے۔ لہٰذا شعبہ کی روایت کو ترجیح ہوگی۔ یہ تو ہے مسئلہ "آمین بالجھر یا سر" کا جس میں علماء کا اختلاف ہے لیکن ایک تیسری آمین غیر مقلدین کی ہے جو آمین بالشر ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ التَّأْمِينِ آمین کی فضیلت کے بیان میں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَمَّنَ الإِمَامُ فَأَمِّنُوا فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ المَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ. حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کہ جس کی آمین برابر ہو جائے ملائکہ کی آمین سے بخشے جائیں گے اس کے اگلے گناہ۔

تشریح ......موافقت کا معنی یہ ہے کہ جس وقت ملائکہ کی آمین ہو اسی وقت مقتدیوں کی ہو اور یہ زمانہ ہے اور وہ فاتحہ کے ختم ہوتے ہی متصل بعد ہے اور دوسری موافقت سراً کہنے میں ہے۔ ''اذا امّن الامام فامنوا'' شوافع اس سے استدلال کرتے ہیں کہ مقتدی تب ہی آمین کہے گا جب امام کے آمین کہنے کا علم ہوگا اور یہ علم تب ہی ہو سکتا ہے جب امام جہراً آمین کہے۔

جواب (۱): یہ مؤول ہے مطلب یہ ہے کہ جب امام کے آمین کہنے کا وقت آجائے۔

جواب (۲): تقریب تام نہیں، اس سے امام کا جہراً آمین کہنا ثابت ہوتا ہے نہ کہ مقتدیوں کا جبکہ دعویٰ دونوں کے بارے میں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّكْتَتَيْنِ نماز میں دو مرتبہ خاموشی اختیار کرنا

عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الحَسَنِ، عَنْ سَمُرَةَ، قَالَ سَكْتَتَانِ حَفِظْتُهُمَا عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنْكَرَ ذَلِكَ عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ وَقَالَ حَفِظْنَا سَكْتَةً فَكَتَبْنَا إِلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ بِالْمَدِينَةِ فَكَتَبَ أُبَيٌّ أَنْ حَفِظَ سَمُرَةُ قَالَ سَعِيدٌ فَقُلْنَا لِقَتَادَةَ مَا هَاتَانِ السَّكْتَتَانِ قَالَ إِذَا دَخَلَ فِي صَلَاتِهِ وَإِذَا فَرَغَ مِنَ القِرَاءَةِ ثُمَّ قَالَ بَعْدَ ذَلِكَ وَإِذَا قَرَأَ {وَلَا الضَّالِّينَ} [الفاتحة: 7] قَالَ وَكَانَ يُعْجِبُهُ إِذَا فَرَغَ مِنَ القِرَاءَةِ أَنْ يَسْكُتَ حَتَّى يَتَرَادَّ إِلَيْهِ نَفَسُهُ.

ترجمہ حضرت سعید سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں قتادہ سے، وہ حسن سے، وہ سمرہ سے، کہا سمرہ نے دو سکتے یاد کیے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو اس پر عمران بن حصین نے اعتراض کیا اور کہا ہم نے تو ایک ہی سکتہ یاد کیا ہے سو لکھا ہم نے مدینہ میں ابی ابن کعب کو سو ابی نے جواب لکھا کہ سمرہ نے یاد رکھا ہے کہا سعید نے کہا ہم نے قتادہ سے کب ہوتے تھے وہ سکتے؟ کہا جب داخل ہوتے نماز میں یعنی تکبیر اولیٰ کے بعد اور جب وہ فارغ ہوتے قرأت سے پھر کہا بعد اس کے اور جب کہتے ولا الضالین یعنی جب بھی ایک سکتہ ہوتا کہا راوی نے اور پسند آتا تھا ان کو جب فارغ ہوتے قرأت سے چپ رہنا یہاں تک کہ ٹھہر جائے سانس۔

تشریح پہلا سکتہ تکبیر تحریمہ اور قرأۃ کے درمیان، احناف کے مذہب پر ثناء معروفہ ہے اور دوسرے سکتہ کے محل میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ فاتحہ کی قرأت کے بعد سورۃ سے پہلے یہ سکتہ آمین کے لیے ہوتا ہے۔ احناف کے نزدیک "اذا فرغ من القرأۃ" اس میں دو احتمال ہیں۔ (۱) یہ کہ فاتحہ کی قرأت سے فراغت ہے یا تمام قرأت سے فراغت ہے اس لیے دوبارہ جواب دیتے ہوئے تصریح کردی کہ میری مراد یہ ہے کہ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہو اور تیسرا سکتہ بھی ہے لیکن عنوان میں صرف دو ہیں، آخری کے بالکل ہلکا ہونے کی وجہ سے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي وَضْعِ اليَمِينِ عَلَى الشِّمَالِ فِي الصَّلَاةِ

نماز میں سیدھا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا جائے

عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ هُلْبٍ عَنْ أَبِيهِ، قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّنَا فَيَأْخُذُ شِمَالَهُ بِيَمِينِهِ

ترجمہ حضرت قبیصہ بن ھلب سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امامت کرتے تھے ہماری۔ سو اپنا بایاں ہاتھ داہنے سے پکڑے تھے۔

پہلی بات: چند مسائل اور ان کا بیان

تشریح مسئلہ: نماز کی حالت قیام کے اندر وضع الیدین ہے یا ارسال الیدین ہے؟ مسئلہ نمبر ۲: وضع کی کیفیت کیا ہے؟ مسئلہ نمبر ۳: محل وضع کیا ہے؟

پہلا مسئلہ: جمہور کے ہاں وضع الیدین مسنون ہے، مالکیہ کی مشہور روایت ارسال الیدین ہے اور ایک دوسری روایت ہے اور ایک تیسری روایت تخییر کی بھی ہے۔

جمہور کی دلیل: احادیث کثیرہ صحیحہ جن میں سے وائل کی حدیث کو صراحتاً ذکر کیا اور وفی الباب کے چند احادیث کا حوالہ دیا۔ علامہ عینی نے اس مضمون کی بیس احادیث ذکر کی ہیں جن میں سے اٹھارہ مرفوع ہیں اور دو مرسل ہیں جس کا قدر مشترک یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول وضع الیدین تھا۔

مالکیہ کی دلیل اوّل: مولانا عبدالحیؒ لکھنوی نے شرح وقایہ کی شرح السعایہ میں حدیث معاذ رضی اللہ عنہ نقل کی "کان النبی صلی اللہ علیہ وسلّم اذا افتتح الصّلٰوۃ یرفع یدیہ ثمّ کبر ثم یرسلھا" اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ارسال تھا؟

جواب (۱): یہ احادیث صحیحہ کے معارض ہونے کی وجہ سے واجب التاویل ہے اور وہ تاویل یہ ہے کہ یہاں ارسال رفع کے مقابلے میں ہے وضع کے مقابلے میں نہیں۔

جواب (۲): سند میں حصین بن محمد ہیں جو واضع الحدیث کذاب ہیں۔

دلیل ثانی: عمل ابن زبیر مصنف ابی شیبہ میں ان کا عمل ارسال کا مذکور ہے۔

جواب: احادیث صحیحہ مرفوعہ کے مقابلے میں حجت نہیں، بعض اوقات ارسال فرماتے بیان للجواز۔

دلیل ثالث: وضع الیدین راحت ہے اور چھوڑنے یعنی ارسال میں عدم راحت اور مشقت ہے اور نماز میں عدم راحت ہے؟

جواب: احادیث مرفوع کے مقابل میں قیاس کی حیثیت نہیں، اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

دوسری بات: مسئلہ ثانیہ یہ ہے کہ کیفیت کے بارے میں تین قسم کے الفاظ ہیں، بعض میں وضع اور بعض میں اخذ اور بعض میں قبض کے الفاظ ہیں، بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں کوئی تعارض نہیں، اس لیے کہ جب دائیں ہاتھ کو بائیں کی پشت پر رکھ کر بعد میں دائیں ہاتھ کی خنصر اور ابہام کے ذریعے حلقہ بنالیا جائے اور تینوں انگلیوں کو کلائی پر رکھ کر چھوڑ دیا جائے تو تمام روایات پر عمل ہو جاتا ہے۔

تیسری بات، مسئلہ ثالثہ: محل وضع کیا ہے؟ احناف کے ہاں "تحت السّرہ" زیادہ افضل ہے۔

قول اوّل: شوافع کے ہاں "فوق السّرہ" تحت الصدر۔

قول ثانی: حنابلہ کی روایات مختلف ہیں ایک احناف کے موافق ہے، یہ آئمہ کا اختلاف اولویت اور عدم اولویت کا ہے جواز اور عدم جواز کا نہیں جس کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: "کُلّ ذالک واسع عندھم" آج کوئی کہے کہ یہ اختلاف جواز

عدم جواز کا ہے تو اس کی بات کا کوئی اعتبار نہیں اور آئمہ اربعہ میں سے فوق الصدر وضع الیدین کا کوئی بھی قائل نہیں۔

احناف کی دلیل اوّل: حدیث وائل ابن حجر "الذی اخرجه ابن ابی شیبه فی مصنفه، قال رأیت النبی صلی الله علیه وسلّم وضع یمینهٗ علٰی شماله فی الصلٰوة تحت السُّره" یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ کے عام نسخوں میں موجود نہیں بلکہ بعض صحیح نسخوں میں موجود ہے۔ بعض نے اس کو سند کے اعتبار سے جید کہا ہے اور بعض نے "من حدیث اسنذ قویٌ" پس احناف کا مستدل بھی جید اور قوی ہے۔

دلیل ثانی: اثر حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "من السّنة وضع الکفّ علی الکفّ فی الصّلٰوة تحت السُّره" اور صحابی جب سنت کہے تو مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہوتی ہے۔ اخرجہ ابوداؤد۔

دلیل ثالث: اثر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ "قال اخذ الکفّ علی الاکفّ فی الصّلٰوة تحت السُّره۔ اخرجه ابو داؤد فی سننه من حیث نسخة الاعرابی" موجودہ نسخے میں ابن الاعرابی کے حوالے سے حاشیہ میں مل جائیں گے۔

دلیل رابع: اثر حضرت انس رضی اللہ عنہ "قال ثلث من اخلاق النبوة تعجیل الافطار، تاخیر السحور، وضع یدالیمنٰی علی الیسریٰ فی الصّلٰوة تحت السُّرة، الذی اخرجه ابن شیبه" اگرچہ ہیں آثار صحابہ رضی اللہ عنہم لیکن غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے مرفوع میں داخل ہیں۔ نیز سنداً کمزور ہیں لیکن تعدد طرق کی وجہ سے صالح للاستدلال ہیں۔ "الذی اخرجه ابن الحزم فی المعلّٰی"

دلیل خامس: وضع الیدین سے مقصود تعظیم ہے اور عرفاً وضع الیدین تحت السرہ میں تعظیم زیادہ ہے۔

دلیل سادس: قول صوفیاء کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ صوفیاء کہتے ہیں اور لطائف بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں لطیفہ نفس تحت السرہ ہے اور لطیفہ قلب فوق السرہ تحت الصدر ہے اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ لطیفہ نفس منبع شرور و فساد ہے تو اس کے بہت مناسب یہ ہے کہ اس کو دبایا جائے اور لطیفہ قلب منبع انوارات ہے اس کے بہت مناسب یہ ہے کہ ان کو پھیلنے دیا جائے۔

شوافع کی دلیل: حدیث وائل ابن حجر "الذی اخرجه ابن خزیمه فی الصحیح، قال صلیتُ خلف النبی صلی الله علیه وسلّم فوَضَعَ یَدہ الیمنٰی علی الیسریٰ فی الصّلٰوة علٰی صدرہٖ"

جواب (۱): یہ بیان جواز پر محمول ہے۔

جواب (۲): تقریب تام نہیں، دعویٰ فوق السرہ تحت الصدر ہے اور دلیل علی صدرہٖ ہے۔

جواب (۳): اس میں علی صدرہٖ کے الفاظ یہ غیر محفوظ ہیں، ان کو نقل کرنے والے صرف ایک راوی مؤمل بن اسماعیل ہیں، دیگر ثقہ رواۃ میں سے کوئی بھی اس کو نقل کرنے والا نہیں۔

جواب (۴): وائل کی دو حدیثیں ہیں (۱) ابن ابی شیبہ کی (۲) اور ابن خزیمہ کی۔ اب ہم یہ کہتے ہیں کہ ابن شیبہ والی حدیث راجح ہے۔

وجہ ترجیح (۱): اقویٰ سند ہونے کی وجہ سے کیونکہ اس کے بارے میں بعض نے کہا قوی السند اور بعض نے جید السند کہا۔

وجہ ترجیح (۲): یہ تعظیم کے زیادہ مناسب اور موافق ہے۔

وجہ ترجیح (۳): اس روایت کے مطابق تقریب تام ہے اور جبکہ ابن خزیمہ والی روایت کے مطابق تقریب نہیں۔

دلیل ثانی: وہ آثار جو سنن ابی داؤد ابن الاعرابی نسخہ میں موجود ہیں۔

جواب (۱): ”کلها ضعيف بحسب السند“

جواب (۲): یہ بیان جواز پر محمول ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّكْبِيرِ عِنْدَ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ

رکوع اور سجدے کے وقت اللہ اکبر کہنے سے متعلق

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ خَفْضٍ وَرَفْعٍ وَقِيَامٍ وَقُعُودٍ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جھکنے کے وقت تکبیر کہتے تھے۔ یعنی رکوع یا سجدے میں جاتے وقت یا اُٹھنے کے وقت اور کھڑے ہوتے اور بیٹھتے وقت اور ابو بکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُكَبِّرُ وَهُوَ يَهْوِي.

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جھکتے وقت تکبیر کہتے تھے۔

تشریح تکبیرات انتقالیہ: چار رکعت والی نماز میں بائیس (۲۲) تکبیریں بن جاتی ہیں، محدثین کو ان کو بیان کرنے کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ خلفاء ابن اُمیہ میں سے بعض نے خفض والے ارکان میں تکبیرات کو چھوڑ دیا تھا، ان کو رد کرنے کے لیے یہ باب باندھا، ان میں نسخ نہیں ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی زندگی بھر عمل کرتے رہے اور خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی اور جمہور کے ہاں ان تکبیرات کی حیثیت مسنون کے درجے میں ہے واجب نہیں، اس لیے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اور فعل ہے، قول منقول نہیں محض عمل وفعل سے وجوب ثابت نہیں ہوتا جبکہ ترک پر انکار بھی ہوا ہوتب وجوب ثابت ہوتا ہے۔ باقی یہ تکبیرات کب کہی جائیں گی تو ایک رُکن سے دوسرے رُکن کی طرف منتقل ہونے کے وقت حالت انتقال میں کہی جائیں گی اور یہی صحیح ہے۔ بعض لوگ دوسرے رُکن میں پہنچ کر کہتے ہیں، یہ صحیح نہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب قومہ سے سجدہ کی طرف جانا شروع کرتے تو اس حالت میں تکبیر کہتے نہ کہ سجدہ میں جا کر، ”کل خفض و رفع“ یہ مطلب ہے کل خفض کے عموم رکوع سے سر اُٹھانا مستثنیٰ ہے، قیام و قعود یہ تفسیر ہے خفض ورفع کی لیکن لف نشر غیر مرتب ہے اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا عطف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔

بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ عِنْدَ الرُّكُوعِ

رکوع میں جاتے اور رکوع سے اُٹھتے وقت دونوں ہاتھ اُٹھانے سے متعلق

عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ مَنْكِبَيْهِ وَإِذَا رَكَعَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ وَزَادَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ فِي حَدِيثِهِ وَكَانَ لَا يَرْفَعُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ.

ترجمہ: حضرت سالم سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہا دیکھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب شروع کرتے نماز اُٹھاتے دونوں ہاتھ یہاں تک کہ برابر ہوجاتے دونوں شانوں کے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اُٹھاتے اور زیادہ کیا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی روایت میں کہ درمیان دونوں سجدوں کے نہیں اُٹھاتے تھے۔

عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ أَلَا أُصَلِّي بِكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ.

ترجمہ: حضرت علقمہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا نہ پڑھوں میں تمہارے واسطے نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، پھر نماز پڑھی اور نہ اُٹھائے اپنے دونوں ہاتھ مگر پہلی بار میں یعنی تکبیر اولیٰ کے وقت۔

تشریح: اس حدیث میں چند مسائل ہیں۔

پہلی بات: تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کا کیا حکم ہے؟

القول الاوّل: جمہور حضرات کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین ثابت بالسنۃ ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مواظبت فرمائی ہے۔

القول الثانی: امام اوزاعی، ابن خزیمہ اور داؤد کے نزدیک واجب ہے۔ کمافی العینی۔ ذخیرہ میں مذکور ہے کہ تحریمہ کے وقت اگر رفع یدین ترک کردیئے جائیں تو بعض حضرات کے نزدیک وہ گناہگار نہیں ہوگا اور بعض حضرات کے نزدیک وہ گنہگار ہوگا۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر مواظبت فرمانا وجوب کی دلیل ہے نہ کہ سنت کی۔

شیخ اللہ داد جونپوری رحمہ اللہ ہدایہ کے حواشی میں لکھتے ہیں کہ حدیث "مسیی الصلوٰۃ" میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس اعرابی کو نماز کا طریقہ سکھلا رہے تھے، وہاں پر رفع یدین کا ذکر نہیں تھا، اس سے معلوم ہوا کہ "عندالتکبیرۃ الاولی رفع یدین" واجب نہیں۔ (سعایہ، ج:۲، ص:۱۰۹)

دوسری بات، دوسرا مسئلہ: "عند التکبیرۃ الاولی رفع یدین" میں کیا حکمت ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں:

الاوّل: اس سے غرض بہرے شخص کو باور کروانا ہے کہ نماز شروع ہوگئی جو کان سے تکبیر کی آواز سن نہیں سکتا۔ (فتح الملہم، ج:۲، ص:۱۶)

الثانی: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی پیروی کرتے ہوئے جس کی تصریح شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں کی ہے۔ (فیض الباری، ج:۲، ص:۲۶۴)

الثالث: تکبیر کے وقت ہاتھوں کا اُٹھانا مصافحہ کی طرح ہے جیسا کہ حجر اسود اور استلام کے وقت اللہ تعالیٰ کے لیے اُٹھاتے ہیں، اسی طرح اس کا حکم بھی ہے۔

الرابع: نماز میں دخول کی ایک ہیئت ہے اور علامت ہے جیسا کہ حضرت ابو یوسف کا قول ہے۔

الخامس: نماز کی تحریمہ دو قسموں پر ہے۔ (۱) تکبیر تحریمہ قولی جیسے اللہ اکبر (۲) تکبیر تحریمہ فعلی، ہاتھوں کو کانوں تک اُٹھانا۔ جیسا کہ سلام کہ نماز سے نکلنا قول کے ساتھ اور وہ سلام پھیرنا ہے اور فعلی سلام دائیں اور بائیں رُخ موڑنا۔

السادس: اس میں اللہ رب العزت کی تعظیم اور اتباع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

السابع: انقیاد کی علامت ہے۔

الثامن: رفع یدین اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دُنیا کے اُمور پیٹھ پیچھے اور بالکلیہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا ہے۔

تیسری بات: اختلافی مسئلہ

اختلاف اس بات میں ہے کہ عندالرکوع وعند رفع الرکوع بھی رفع یدین ہے یا نہیں؟ یہ متنازعہ فیہ ہے۔

قول اوّل: احناف ومالکیہ کے ہاں عندالرکوع وعند رفع الرکوع رفع یدین کوئی مسنون نہیں ہے۔

قول ثانی: امام شافعی اور امام احمد فرماتے ہیں کہ رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اُٹھاتے وقت رفع یدین مسنون ہے اور متبعین امام شافعی کہتے ہیں کہ "عند القیام الی الرکعۃ الثالثہ" بھی رفع یدین مسنون ہے اس لیے کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو حکم احادیث صحیح سے ثابت ہے وہ میرا مذہب ہے اور یہ حدیث صحیحہ سے ثابت ہے لیکن یہ امام شافعی رحمہ اللہ سے منقول نہیں۔ باقی یہ اختلاف جواز اور عدم جواز کا نہیں ہے بلکہ مسنون اور غیر مسنون کا ہے۔

احناف کی دلیل: حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ "الذی اخرجہ الترمذی مابعدہٗ۔ حدّثنا ھناد" میں "الا اصلی بکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فصلی فلم یرفع یدیہ الاّ فی اوّل مرّۃٍ" نفی استثناء حصر پر دال ہے۔ اب معنی ہوگا کہ صرف تکبیر تحریمہ میں ہی ہاتھ اُٹھایا اور حصر جہاں پر ہو وہاں دو جز ہوتے ہیں۔ (۱) جز ایجابی کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین ہوا۔ (۲) جزء سلبی کہ تکبیر تحریمہ کے ماسواء رفع یدین نہیں ہوا چونکہ یہ دلیل ہے احناف کی اس لیے امام ترمذی نے اعتراض کر دیا۔

اعتراض (۱): عبداللہ ابن مبارک فرماتے ہیں کہ رفع یدین والی حدیث حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما تو ثابت ہے اور ترک رفع یدین والی حدیث حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ ثابت نہیں، غیر ثابت حدیث سے استدلال کر رہے ہو؟

جواب (۱): ابن مبارک کے ہاں ثابت نہ ہونے سے یہ کہاں لازم آ گیا کہ واقعہ اور نفس الامر میں بھی ثابت نہ ہو جبکہ واقعہ اور نفس الامر ثابت نہیں، ان کی تحقیق میں ثابت نہیں تو یہ ایک الگ بات ہے، باقی اس پر کیا یہی ہے کہ واقعہ میں ثابت ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بارے میں، حدیث حسن اور حدیث حسن مقبول کی قسم ہے اور مقبول صحیح کی قسم ہے۔ لہٰذا ثابت ہوئی، باقی یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کرامت ہے کہ امام ترمذی سے انہیں کی حدیث پر اعتراض کرتے کرتے زبان پر حق جاری کروادیا۔ آخر میں جاکر خود ہی حسن کہہ رہے ہیں۔

جواب (۲): دیگر اجلاء محدثین امام نسائی ابن دقیق العید ابن حزم کے نزدیک حدیث عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ صحیح ہے اور ثابت ہے۔ گویا کہ ابن مبارک نفی کر رہے ہیں اور دیگر حضرات اثبات کر رہے ہیں اور جب نفی و اثبات میں تعارض ہو تو اثبات کو ترجیح ہوتی ہے۔

جواب (۳): پہلے ایک تمہید سمجھیں کہ حدیث عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ "المتعلق بترک رفع الیدین" دو قسم پر ہے۔

(۱) وہ حدیث عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جس میں وہ قول کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی حکایت کر رہے ہیں۔ چنانچہ طحاوی میں صراحتاً مذکور ہے اور اشارۃً امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی ان کا ذکر کیا ہے۔

(۲) وہ حدیث عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جس میں اپنے عمل کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی حکایت کر رہے ہیں، "فصلی فلم یرفع الاّ فی مرۃ" اب ہم یہ کہتے ہیں کہ ترک رفع یدین کے متعلق دو قسم کی احادیث ہوئیں۔

(۱) حدیث قولی (۲) حدیث فعلی۔ عبداللہ ابن مبارک کا اعتراض حدیث قولی پر ہے، یہ ہمارا مستدل نہیں اور ہمارا مستدل حدیث فعلی ہے۔ باقی اس پر کیا دلیل ہے کہ اعتراض حدیث قولی پر ہے، حدیث فعلی پر نہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ عبداللہ ابن مبارک، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی فعلی حدیث نسائی شریف میں سفیان سے خود نقل کر رہے ہیں۔ لہٰذا اب ہم پر کیسے کہہ سکتے ہیں، "لم یثبت"

اعتراض ثانی: صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں "قال ابو داؤد ھذا لیس بصحیحٍ علی ھذا المعنی ای علی ترک رفع الیدین" سوائے تکبیر تحریمہ کے لہٰذا تمہارا استدلال بھی غیر صحیح ہے۔

اعتراض ثالث: اس کی سند میں عبدالرحمن نقل کر رہے ہیں علقمہ سے اور عبدالرحمن کا سماع ثابت نہیں ہے، علقمہ سے تو سند میں انقطاع ہوا، فکیف الاستدلال۔

اعتراض رابع: عبدالرحمن سے نقل کرنے والے عاصم بن کلیب ہیں اور عاصم متکلم فیہ راوی ہیں۔ لہٰذا حدیث سنداً ضعیف ہے فکیف الاستدلال۔

اعتراض خامس: عاصم سے نقل کرنے والے سفیان ہیں اور بسند سفیان یہ حدیث یعنی حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ "المتعلق بترک رفع الیدین" سفیان کا وہم ہے جبکہ صحیح حدیث، حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بطریق عبداللہ بن ادریس "تطبیق فی الرّکوع" کے متعلق ہے۔

اعتراض سادس: سفیان سے نیچے نقل کرنے والے وکیع ہیں اور "لم یرفع یدیہ الا فی اوّل مرۃ" یہ وکیع کا تفرد ہے۔
اعتراض سابع: ہوسکتا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے تکبیر تحریمہ کے ماسواء ترک رفع یدین میں نسیان ہو گیا ہو اور یہ کوئی مستبعد بھی نہیں کہ ان سے نسیان نہ ہوا ہو۔
جواب اعتراض ثانی کا: یہ دعویٰ ہے اس پر دلیل نہیں۔
جواب (۲): ہم استفسار کرتے ہیں کہ "لیس بصحیح" سے مراد صحیح لذاتہ کی نفی ہے یا مطلق صحیح کی نفی ہے۔ اگر صحیح لذاتہ کی نفی ہے تو "علی سبیل التنزل" ہم تسلیم کرتے ہیں لیکن یہ استدلال کے لیے مضر نہیں (لیکن یہ مسلّم نہیں کیونکہ امام ترمذی رحمہ اللہ اس کو نقل کر کے کہہ رہے ہیں حسن) اس لیے کہ صالح للاستدلال ہونے کے لیے صحیح لذاتہ ضروری نہیں اور اگر مطلق صحیح کی نفی ہے تو بھی استدلال کے لیے مضر نہیں لیکن مسلّم نہیں کیونکہ امام ترمذی اس کو نقل کر کے کہہ رہے ہیں حسن اور جو حدیث حسن ہو وہی صحیح لغیرہ ہوتی ہے اور دیگر محدثین بھی اس کی تصحیح فرما رہے ہیں۔ مثلاً ابن حزم، ابن دقیق العید امام نسائی وغیرہ۔
جواب (۳): صاحب مشکوٰۃ نے حوالہ دیا ابوداؤد کا اور اس کے مجتبائی نسخوں کے اصل نسخوں میں یہ عبارت نہیں لیکن حاشیہ میں ذکر کیا ہے مگر احتمال ہے کہ یہ عبارت الحاقی ہو، مدرج من العیر ہو، مصنف کی نہ ہو، اس پر قرینہ یہ ہے کہ سنن ابوداؤد کے بعض قدیمی نسخے ایسے ہیں جن میں بالکلیہ یہ عبارت نہیں نہ کتاب میں اور نہ حاشیہ میں۔ چنانچہ ۱۳۱۸ ہجری کے نسخہ میں یہ عبارت موجود نہیں۔
اعتراض ثالث کا جواب (۱) عبدالرحمن کا علقمہ سے عدم سماع مسلّم نہیں کیونکہ عبدالرحمن اور ابراہیم نخعی کا زمانہ ایک ہے اور اس پر تو اجماع ہے کہ ابراہیم نخعی کا علقمہ سے سماع ثابت ہے تو اسی طرح عبدالرحمن کا بھی ثابت ہے۔ نیز خطیب بغدادی نے تصریح کی ہے، "ان عبدالرحمٰن سمع اباہ و علقمہ"
جواب (۲): تعارض ہے اثبات و نفی میں اور ترجیح اثبات کو ہوتی ہے۔

اعتراض رابع کا جواب

عاصم بن کلیب کی اجلاء محدثین نے توثیق کی ہے۔ چنانچہ یحییٰ بن معین اور ابو صالح اور دیگر بڑے بڑے تعدیل و جرح کے اماموں نے توثیق کی ہے۔ نیز یہ رواۃ مسلم کے رواۃ ہیں، یہ بھی قرینہ ہے اس بات کا کہ ثقہ رواۃ میں سے ہیں۔ نیز امام ترمذی رحمہ اللہ نے عاصم کی سند سے روایت کر کے اس کی تصحیح فرمائی ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے "باب کیف الجلوس فی التشہد" کی پہلی حدیث میں یہ راوی موجود ہیں، وہاں تصحیح کی وہاں صحیح نہیں اور یہاں متکلم فیہ ہو گئے۔
اعتراض خامس کا جواب: یہ وہم کا دعویٰ لیکن اس پر دلیل کوئی نہیں ہے یہ دو مستقل حدیثیں ہیں۔ (۱) حدیث عبداللہ بن مسعود "المتعلق بترک رفع الیدین" (۲) حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بطریق عبداللہ بن ادریس "المتعلق بتطبیق فی الرکوع" اور دونوں صحیح ہیں۔ (۳) اگر وہم کہنا ہے تو پھر بسند عبداللہ بن ادریس کو وہم قرار دینا زیادہ اولیٰ ہے کیونکہ

عبداللہ بن ادریس کے مقابلے میں سفیان ثوری کا حدیث میں مقام بلند ہے، ثقہ ہیں احفظ اور اثبت ہیں۔

اعتراض سادس کا جواب (۱): وکیع ثقہ ہیں لیکن تفرد کے قبیل سے نہیں لیکن زیادہ ثقہ کے قبیل سے ہیں۔

جواب (۲): وکیع متفرد بھی نہیں بلکہ نسائی کی روایت میں ابن مبارک عاصم بن کلیب سے یہی مضمون نقل کررہے ہیں جو وکیع نقل کررہے ہیں۔

اعتراض سابع کا جواب: یہ احتمال ناشی عن الدلیل ہے۔ اگر اس طرح کا احتمال معتبر ہو تو ہم بھی یہ کہیں گے کہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اندر اصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکھیوں کو اُڑانے کے لیے ہاتھ اُٹھائے تھے جس طرح یہ احتمال ناشی من غیر دلیل ہونے کی وجہ سے معتبر نہیں، اسی طرح نسیان والا احتمال بھی ٹھیک نہیں کیونکہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام صحابی ہیں، بیس برس تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے اور روزانہ سترہ (۱۷) رکعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے رہے، پھر ان میں یہ کیسے احتمال پیدا ہو سکتا ہے کہ رفع یدین کو بھول گئے ہوں، یہ خطاء در خطاء ہے اور صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہم عرصہ دراز تک اس کو اہل بیت میں سے سمجھتے رہے، ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھے تھے، مجلس میں ایک عورت عدت کے متعلق فتویٰ پوچھنے آئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا جواب دو تو عرض کیا آپ کے ہوتے ہوئے میں کیسے فتویٰ اور جواب دوں، ارشاد فرمایا، نہیں تم ہی فتویٰ دو، انہوں نے فتویٰ دے دیا، جب عمر رضی اللہ عنہ کو اس فتویٰ سے آگاہ کیا گیا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا "کُنیف مُلئ علمًا" یہ ایک برتن ہے جو لبالب علم سے بھرا ہوا ہے، یہ مجسمہ علم ہے تو اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کوئی کچھ کہتا رہے تو بھی اس کی بات کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا جو ان کی طرف نسیان منسوب ہیں وہ بھی حقیقت میں نسیان نہیں، مثلاً ایک یہ ہے کہ امام کو درمیان میں کھڑا کرتے تو اس کا بھی جواب گزر چکا ہے کہ یہ ضیق مکانی کی وجہ سے تھا یا پھر یہ نادر ہے اور نادر کا علم نہ ہونا فقاہت پر اثر انداز نہیں۔

دلیل ثانی: حدیث براء ابن عازب جس کا وفی الباب کے عنوان کے تحت حوالہ دیا، یہ دلیل ہے اس بات کی کہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ مستقل عنوان ہے اس لیے کہ عام طور پر ایک باب کے تحت وفی الباب کو دو مرتبہ نہیں لاتے اور ایسا ہونا چاہیے کیونکہ امام ترمذی اس قسم کے اختلافی مسائل میں ایک حجازی علماء کے لیے اور ایک عراقیین کے لیے اس کا قرینہ یہ ہے کہ سندھ میں پیر جھنڈ کا کتب خانہ ہے اس میں جو نسخہ ہے اس میں مستقل عنوان ہے یعنی فعلی حدیث پر اور حدیث براء کی تخریج امام ابوداؤد نے کی۔ "کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا افتتح الصلوٰۃ فارفع یدیہ الی قریب من اذنیہ ثم لا یعود" پھر رفع کی طرف عود نہ فرماتے، اس پر بھی امام ابوداؤد نے کئی اعتراضات کیے۔

دلیل ثالث: حدیث جابر بن سمرہ "الذی اخرجہ مسلم، قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مالی ارأکم رافعی ایدیکم کانّہا اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصّلوٰۃ" اور اسکنوا امر ہے یہ دال ہے اس بات پر کہ نماز میں سکون مطلوب ہے اور سکون عدم رفع یدین میں ہے۔

دلیل رابع: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما "اخرجه الطبرانی، لا ترفع الایدی اِلاّ فی سبع مواطن" اوران مواقع سبع میں عندالرکوع بعدالرکوع رفع یدین کا کوئی تذکرہ نہیں۔

دلیل خامس: حدیث عباد بن عبداللہ بن زبیر "الذی اخرجه البیهقی فی الخلافیات، خلافیات اسم الکتاب، ان النبی صلی اللہ علیه وسلّم اذا افتتح الصّلوٰة کبّر و رفع یدیه ثم لا یعود" یہ اگرچہ مرسل ہے لیکن جمہور کے نزدیک مرسل بھی حجت ہوتی ہے۔ چنانچہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مضمون تو واضح ہے سند دیکھ لی جائے تو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ہم نے سند بھی دیکھ لی ہے اس میں کوئی سقم راوی نہیں ہے۔

دلیل سادس: عمل حضرت عمر رضی اللہ عنہ چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ طحاوی میں حضرت اسود سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل عدم رفع یدین کا نقل کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کا عمل زمانہ خلافت میں ہوگا اور موجودہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے انکار بھی نہیں کیا تو گویا موجودہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوگیا ترک رفع یدین پر۔

دلیل سابع: عمل حضرت علی کرم اللہ وجہہ مصنف ابن ابی شیبہ عاصم بن کلیب سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل ترک رفع یدین کا نقل کرتے ہیں، اس میں بھی وہی تفصیل ہے کہ یہ اُن کا عمل اپنے زمانہ خلافت کا ہوگا اور موجودہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے انکار بھی نہیں کیا تو گویا موجود صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوگیا ترک رفع یدین پر۔

دلیل ثامن: عمل عشرہ مبشرہ۔ چنانچہ صاحب بدائع والصنائع حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عشرہ مبشرہ کا یہی نقل کرتے ہیں، یعنی ترک رفع یدین والا کہ ان کا عمل بھی ترک رفع یدین کا تھا۔

دلیل تاسع: امام مالک رحمہ اللہ کے زمانہ میں بھی اہل مدینہ کا عمل ترک رفع یدین کا تھا۔ چنانچہ ابن رُشد مالکی بدایۃ المجتہد میں کہتے ہیں "رجع مالک ترک الرفع الیدین لتعامل اهل المدینه"

دلیل عاشر: تمام اہل کوفہ کا ترک رفع یدین پر متفق ہونا۔ چنانچہ ابن عبدالبر، محمد بن نصر مروزی سے نقل کرتے ہیں کہ ہمیں کوفہ کے علاوہ کوئی ایسا شہر معلوم نہیں کہ سارے کے سارے شہر نے ترک رفع یدین پر اتفاق کرلیا اور امام مروزی کا بھی مذہب نقل کرتے ہوئے کہا اہل الکوفہ اور یہ لفظ ہزاروں محدثین اور فقہاء کے عمل کو لیے ہوئے ہیں اور کوفہ ہی "المرکز العلماء والمحدّثین والفقهاء والقرآء والنّحویین والصّرفیین" چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۷ ہجری میں کوفہ کو آباد کیا اور پھر کوفہ والوں کی تعلیم کے لیے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا اور جو صحابہ رضی اللہ عنہم مستقل طور پر کوفہ میں مقیم تھے ان کی تعداد پندرہ سو (۱۵۰۰) تھی اور "وفیهم سبعین بدریًا" یعنی ان پندرہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم میں ستر بدری صحابہ رضی اللہ عنہم تھے اور جو صحابہ رضی اللہ عنہم آنے جانے والے تھے ان کی تعداد ان کے علاوہ ہے۔ گویا پندرہ سو (۱۵۰۰) صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل ترک رفع یدین کا تھا۔

دلیل الحادی عشر: اور احتیاط کا مقتضی بھی یہی ہے کیونکہ اگر واقع میں منسوخ ہو تو عمل بالمنسوخ لازم آئے گا اور ترک رفع یدین میں زیادہ سے زیادہ ترک استحباب لازم آئے گا اور عمل بالمنسوخ کے مقابلے میں ترک استحباب

اولیٰ ہے اور عمل بالمنسوخ تو احداث البدعۃ ہے اس سے بہتر ہے کہ ترک استحباب ہو۔

دلیل الثانی عشر: اس پر اجماع ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین ہے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ تکبیر عند السجود رفع یدین نہیں، جھگڑا صرف عند الرکوع میں ہے تو اب دیکھنا یہ ہے کہ تکبیر عند الرکوع کی مشابہت کس کے ساتھ ہے اگر تو تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہے تو "من تشبه بقوم فهو منهم" اور اگر مشابہت سجود کے ساتھ ہے تو بھی "من تشبه بقوم فهو منهم" غور و فکر کیا تو معلوم ہوا کہ تکبیر تحریمہ کے ساتھ مناسبت نہیں ہے کیونکہ یہ یا شرط صلوٰۃ ہے یا رُکن۔

شوافع کی دلیل: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما "رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلّم اذا افتتح الصّلوٰة يرفع يديه حتى يحاذى منكبيه واذا ركع واذا رفع رأسه" اور بعض روایتوں میں "لا يرفع بين السّجدتين" ہے اور فی الباب کے تحت عمر و علی، وائل بن حجر اور بھی دیگر رواۃ کا حوالہ دیا، کل پندرہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی حدیثیں ہیں۔

جوابات من جانب الاحناف، جواب اوّل:

حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان مواقع رفع یدین میں مضطرب ہے اور چھ قسم کی روایات ہیں۔(۱) وہ روایت جس میں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہی رفع یدین کا ذکر ہے۔(۲) وہ روایت جس میں تکبیر تحریمہ کے ساتھ ساتھ رکوع سے سر اُٹھاتے وقت بھی رفع یدین کا ذکر ہے۔(۳) وہ روایت جس میں تکبیر تحریمہ کے ساتھ عند الرکوع و عند رفع الرکوع رفع یدین کا ذکر ہے۔

(۴) وہ حدیث جن میں ان مواقع ثلاثہ کے ساتھ "عند القيام الى ركعة الثالثه" بھی رفع یدین کا ذکر ہے۔

(۵) وہ روایت جن میں ان مواقع کے ساتھ رفع یدین عند السجود کا بھی ذکر ہے۔(۶) وہ روایت جن میں رفع یدین "عند كلّ خفضٍ و رفعٍ" ہے کس کو لیا جائے اور کس کو چھوڑا جائے اس اضطراب کی وجہ سے معمول بہ نہیں۔

جواب ثانی: اس میں رفعاً وقفاً اختلاف ہے۔ چنانچہ سالم مرفوعاً بیان کرتے ہیں اور نافع موقوفاً بیان کرتے ہیں کہ یہ عمل ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ہے۔ چنانچہ موقوف روایت ابوداؤد میں موجود ہے اور عند المحدثین جب روایت سالم اور روایت نافع میں تعارض ہو جائے تو روایت نافع کو ترجیح ہوتی ہے۔ پس اس مسئلہ میں نافع کی روایت کو ترجیح دینا نافع ہونا چاہیے۔

جواب ثالث: حدیث ابن عمر قابل استدلال نہیں کیونکہ ان کا اپنا عمل اس کے خلاف بھی ثابت ہے۔ طحاوی میں ہے کہ مجاہد کہتے ہیں دو برس سے زائد صحبت ابن عمر رضی اللہ عنہما "فلم يرفع يديه الّا فى اوّل مرّة" اور قاعدہ ہے کہ جب صحابی کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو تو یہ دلیل ہوتی ہے اس بات کی کہ یہ روایت یا تو منسوخ ہے یا مصروف عن الظاہر ہے ورنہ تو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل دوسرا نقل کریں، خود عمل اس کے خلاف کریں۔

سوال: مجاہد اس عمل کو نقل کرنے میں متفرد ہیں؟

جواب (۱): متفرد نہیں بلکہ یہ زیادہ ثقہ کے قبیل سے ہے۔ جواب (۲): مجاہد کے متابع موجود ہیں۔

جواب رابع: یہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سالم عن المعارض نہیں بلکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی دوسری حدیث اس کے

معارض موجود ہے اور اس حدیث کا مضمون یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف تکبیر تحریمہ ہی کے وقت رفع یدین کرتے، یہ دوسری حدیث "المتعلق بترک رفع الیدین "مسند حمیدی اور مسند ابوعوانہ میں موجود ہے اور مسند حمیدی کا نسخہ خانقاہ سراجیہ کے کتب خانہ میں موجود ہے، ایک کتاب ہے حدیث واہل حدیث اس میں اس کا عکس لگایا ہے۔

جواب خامس: امام مالک اس حدیث کو ذکر کر رہے ہیں لیکن اس کے باوجود عمل نہیں کر رہے عمل اہل مدینہ کی وجہ سے، پس امام مالک کا حدیث کو ذکر کرنا لیکن اس کے باوجود عمل نہ کرنا استدلال کو کمزور بنا دیتا ہے، اگر قابل استدلال ہوتی تو اس پر عمل کیا جاتا۔

جواب سادس: اس حدیث ابن عمر سے وجود رفع یدین ثابت ہوتا ہے دوام واستمرار معلوم نہیں ہوتا اور وجود کے تو ہم بھی منکر نہیں، محل نزاع دوسرا ہے اس پر دلالت نہیں یعنی مدعٰی پر اور جو مدلول حدیث ہے وہ مختلف فیہ نہیں۔

سوال: رفع یدین کے قائلین کہتے ہیں کہ دوام پر دلیل موجود ہے کہ کان مضارع پر داخل ہو کر دوام کا فائدہ دیتا ہے اور حدیث میں کان کا لفظ موجود ہے؟

جواب (۱): یہ قاعدہ کلی نہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "کان النبی صلی اللہ علیہ وسلّم یطوف علی نسائہ" حالانکہ یہ زندگی میں ایک دو مرتبہ کا واقعہ ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "کنت اطیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم عند احرامہ" حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج ایک مرتبہ کیا اور رفع یدین کے قائلین کہتے ہیں کہ ایک اور دلیل ہے دوام استمرار کی اور وہ ہے استصحاب حال کہ وجود تو ثابت ہے اور ظاہر یہی ہے کہ باقی رہا ہوگا۔

جواب (۲): نور الانوار میں گزر چکا ہے کہ استصحاب حال حجج فاسدہ میں سے ہے یہ حجت دافعہ تو بن سکتا ہے لیکن حجت ثابتہ نہیں بن سکتا اور پھر وہ کہتے ہیں کہ تیسری دلیل موجود ہے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما جس کی تخریج بیہقی نے کی "فما زالت تلک صلوتہ حتّی لقی اللہ" کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفع یدین والی نماز رہی۔ یہاں تک کہ اللہ سے جاملے، اس کے بعد تو نسخ نہیں ہوسکتا۔

جواب (۳): اگرچہ یہ اضافہ دوام رفع یدین میں بالکل صریح تو ہے لیکن صحیح نہیں، دلیل وہ ہونی چاہیے جو صحیح بھی ہو اور صریح بھی ہو، صحیح کیوں نہیں اس لیے کہ نقل کرنے والے عصمہ بن محمد اور عبدالرحمن بن قریش، عصمہ بن محمد پر وضع الحدیث کا اتہام ہے اور عبدالرحمن کے متعلق کذاب کے الفاظ تک جرح کی گئی ہے۔ لہٰذا تمام احادیث کا مدلول وجود ہے نہ کہ مقام پر۔

جواب سابع: احادیث رفع یدین دال ہیں رفع یدین پر اور دوسری احادیث دال ترک رفع یدین پر اور اب ہم کہتے ہیں کہ ترک رفع یدین کو ترجیح حاصل ہے۔

ترک رفع یدین کی وجوہ ترجیح

(۱): ترک رفع یدین کی روایت اوفق بالقرآن ہیں "الذین ھم فی صلوتھم خاشعون" اور ظاہر ہے کہ خشوع سکون میں ہے اور سکون عدم رفع یدین میں ہے۔

سوال: اتنا سکون چاہتے ہو تو پھر تکبیر تحریمہ میں بھی رفع یدین چھوڑ دو؟ جواب: اس پر اُمت کا تعامل ہے۔

(۲): ترک رفع یدین کی حدیث اقرب الی السکون ہیں جو اسکنوا فی الصلوٰۃ میں ہے اور یہاں یہی مطلوب ہے۔

(۳): ترک رفع یدین کی روایت کے رواۃ افقہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں، کہاں ابن مسعود اور کہاں ابن عمر رضی اللہ عنہما، کہاں عمر بن خطاب اور کہاں ابن عمر رضی اللہ عنہما، اس پر ایک مشہور مناظرہ بھی شاہد عدل کی حیثیت رکھتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ اور امام اوزاعی رحمہما اللہ کا مکہ مکرمہ میں مناظرہ ہو، امام اوزاعی نے سوال کیا آپ عند الرکوع اور عند رفع الرکوع رفع یدین کیوں نہیں کرتے تو امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا اس کے دوام کے عدم ثبوت کی وجہ سے امام اوزاعی نے فرمایا، "لقد حدّثنی الزھری عن سالم عن ابن عمر رضی اللہ عنھما" آگے یہی مضمون ہے، امام صاحب نے بیان کیا "لقد حدّثنی حماد قال حدّثنا ابراھیم قال حدّثنا علقمہ عن ابن مسعود الا اصلی لکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم یا ان النّبی صلی اللہ علیہ وسلّم لم یرفع یدیہ الاَّفی اوّل مرّۃ"

امام اوزاعی رحمہ اللہ نے کہا کہ میں تمہارے سامنے یہ بیان کرتا ہوں، یعنی "حدّثنی الزھری عن سالم الخ" وغیرہ اور تم کہتے ہو عن حماد میری سند عالی ہے اور تمہاری سند سافل ہے اس پر امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا حماد افقہ ہیں زہری سے اور علقمہ افقہ ہیں سالم سے اور ابراہیم نخعی افقہ ہیں سالم سے اور علقمہ فقاہت میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کم نہیں ابن عمر رضی اللہ عنہما کو صحابیت کا مقام حاصل ہے اور عبداللہ تو پھر عبداللہ ہیں، جی ان کی فقاہت کے کیا کہنے "فسکت الاوزاعی" امام اوزاعی نے اس وجہ سے ترجیح کو قبول کیا۔ امام صاحب نے اپنی دلیل کو فقاہت کی وجہ سے ترجیح دی۔

(۴): ترک رفع یدین کی روایات کے رواۃ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں، حضرت ابن مسعود اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور رفع یدین کی روایات کے رواۃ اصاغر صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ مثلاً ابن عمر وغیر ذالک اور ایسی صورت میں ترجیح اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایت کو ہوتی ہے۔

(۵): ترک رفع یدین کے رواۃ کثیر الملازمہ اور کثیر الصحبۃ مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسے ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیس برس تک صحبت اختیار کی، دس سال ہجرت سے پہلے اور دس سال ہجرت کے بعد اور رفع یدین کی روایات کے رواۃ کو کثیر الملازمہ حاصل نہیں۔ چنانچہ طحاوی میں ہے کہ ابراہیم نخعی کے سامنے حدیث وائل ابن حجر المتعلق رفع الیدین کا ذکر کیا تو ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے فرمایا، اگر وائل نے ایک یا دو مرتبہ رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا ہے تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پچاسیوں مرتبہ ترک رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہاں پر ابراہیم نے کثیر الملازمہ کی وجہ سے حدیث وائل پر ترجیح دی۔

(۶): ترک رفع یدین کی روایات قولی بھی ہیں اور فعلی بھی ہیں۔ قولی مثلاً "اسکنوا فی الصّلوٰۃ" جبکہ رفع یدین کی فقط فعلی پر فعلی ہیں اور قول اور فعل کے مجموعہ سے استدلال کرنا زیادہ اولیٰ ہوتا ہے بنسبت فعل کے۔

(۷): ترک رفع یدین کی جو قولی روایت ہیں وہ سالم عن لمعارض ہیں بخلاف رفع یدین کی روایات کے یہ

متعارض ہیں۔ دوسری ترک رفع یدین والی فعلی روایات معارض ہیں۔

(۸): ترک رفع یدین کی روایات کو دو مرکز اسلامیہ کے تعامل کا توافق حاصل ہے۔

(۹): ترک رفع یدین موافق قیاس ہیں جبکہ رفع یدین کی روایات مخالف قیاس ہیں۔

(۱۰): رفع یدین والی روایات کو ترجیح دینے والے امام شافعی اور امام احمد ہیں اور ترک رفع یدین والی روایات کو ترجیح دینے والے امام اعظم اور امام مالک ہیں ان جیسا لاکر تو دکھائیں، پس مرجح کی قوت سے ترجیح حاصل ہو جائے گی۔

باقی یہ اختلاف استنان اور عدم استنان کا ہے جواز اور عدم جواز کا نہیں۔ چنانچہ ابوبکر جصاص اور ابن تیمیہ نے تصریح کی ہے یہ اختلاف عدم استنان اور استنان کا ہے کیونکہ احناف کے نزدیک رفع یدین کرنے والوں کی بھی نماز ہو جائے گی اور رفع یدین کے قائلین کے نزدیک ترک والوں کی نماز ہو جاتی ہے۔ "منیة المصلی" میں رفع یدین کو مکروہ قرار دیا لیکن پسندیدہ نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي وَضْعِ الْيَدَيْنِ عَلَى الرُّكْبَتَيْنِ فِي الرُّكُوعِ

رکوع میں دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھنے کے بیان میں

عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ قَالَ قَالَ لَنَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِنَّ الرُّكَبَ سُنَّتْ لَكُمْ فَخُذُوا بِالرُّكَبِ

ترجمہ: حضرت ابی عبدالرحمن سلمی سے روایت ہے کہ ہم کو عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ زانو پکڑنا سنت ہے واسطے تمہارے پس پکڑو زانو یعنی رکوع میں۔

تشریح: اس پر اجماع ہے کہ حالت رکوع میں "اخذ الرکبتین" ہے، البتہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے تطبیق منقول ہے۔

جواب: ابتداء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا بعد میں منسوخ ہو گیا، باقی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اجتہاد یہ تھا کہ وجوب منسوخ ہو گیا ہے استحباب باقی ہے اس میں مشقت زیادہ ہے۔ نیز اس میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ متفرد نہیں بلکہ مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی تخییر دی کہ چاہو تو تطبیق کر لو اور چاہو تو اخذ کر لو، یہ مطلب نہیں، ان کو نسخ کا علم نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّهُ يُجَافِي يَدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ فِي الرُّكُوعِ

رکوع میں دونوں ہاتھوں کو پسلیوں سے دور رکھنا

عَبَّاسُ بْنُ سَهْلٍ قَالَ اجْتَمَعَ أَبُو حُمَيْدٍ وَأَبُو أُسَيْدٍ وَسَهْلُ بْنُ سَعْدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ فَذَكَرُوا صَلَاةَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكَعَ فَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ كَأَنَّهُ قَابِضٌ عَلَيْهِمَا وَوَتَّرَ يَدَيْهِ فَنَحَّاهُمَا عَنْ جَنْبَيْهِ۔

ترجمہ حضرت عباس بن سہل سے روایت ہے کہ جمع ہوئے ابوحمید اور ابواسید اور سہل بن سعد اور محمد بن مسلمہ سو ذکر کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا پس کہا ابوحمید نے میں تم سب سے زیادہ جانتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے متعلق۔ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کیا سو رکھا دونوں ہاتھوں کو دونوں زانوؤں پر گویا وہ پکڑے ہوئے تھے ان کو اور کمان کی زرہ بنایا اپنے دونوں ہاتھوں کو اور دور رکھا دونوں پسلیوں سے۔

تشریح اس پر آئمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ بازوؤں کو پہلوؤں سے دور رکھیں۔ "انا اعلم" کا دعویٰ اکابر صحابہ کے اعتبار سے نہیں موجودین فی المجلس کے اعتبار سے ہے، باقی یہ اپنی تعریف کیوں کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ بوقت ضرورت جائز ہے تاکہ سامع کو اعتماد حاصل ہو جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْبِيحِ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ رکوع وسجود میں تسبیح سے متعلق

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا رَكَعَ أَحَدُكُمْ فَقَالَ فِي رُكُوعِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ تَمَّ رُكُوعُهُ وَذَلِكَ أَدْنَاهُ وَإِذَا سَجَدَ فَقَالَ فِي سُجُودِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ تَمَّ سُجُودُهُ وَذَلِكَ أَدْنَاهُ.

ترجمہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب رکوع کرے کوئی تم میں کا تو کہے رکوع میں سبحان ربی العظیم تین بار سو تمام ہو گیا رکوع اس کا اور یہ ادنیٰ درجہ ہے اور جب سجدہ کرے اور کہا سجدے میں سبحان ربی الاعلیٰ تین مرتبہ تو تمام ہو گیا سجدہ اس کا اور یہ ادنیٰ درجہ ہے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ يَقُولُ فِي رُكُوعِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ وَفِي سُجُودِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى وَمَا أَتَى عَلَى آيَةِ رَحْمَةٍ إِلَّا وَقَفَ وَسَأَلَ وَمَا أَتَى عَلَى آيَةِ عَذَابٍ إِلَّا وَقَفَ وَتَعَوَّذَ

ترجمہ حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ میں نے نماز پڑھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سو کہتے تھے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدے میں سبحان ربی الاعلیٰ اور جب آتے آیت رحمت پر تو ٹھہرتے اور سوال کرتے اور جب آتے آیت عذاب پر تو ٹھہرتے اور پناہ مانگتے۔

تشریح تین دفعہ رکوع وسجود میں تسبیح پڑھنے سے رکوع اور سجدہ تمام ہو جاتا ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک رکوع کرنا فرض ہے۔ سبحان اللہ کے بقدر طمانینت فرض ہے اور تسبیح پڑھنا نہ فرض ہے نہ واجب بلکہ جمہور کے ہاں مستحب ہے۔ کتنی بار پڑھے احناف کے نزدیک تین دفعہ یہ ادنیٰ مقدار ہے۔ احناف فرماتے ہیں کہ اگر اکیلے نماز پڑھ رہا ہو تو جتنی مرتبہ پڑھنا چاہے تو پڑھ لے لیکن اختتام طاق پر ہونا چاہیے۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ امام کو چاہیے کہ پانچ مرتبہ کہے "حدثنا محمود" یہ رحمت وغیرہ کا سوال، نوافل یا خارج صلوٰة پر محمول ہے اگر فرائض میں کر لیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الْقِرَاءَةِ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ

رکوع اور سجدے میں قرأت پڑھنا منع ہے

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ لُبْسِ الْقَسِّيِّ وَالْمُعَصْفَرِ وَعَنْ تَخَتُّمِ الذَّهَبِ وَعَنْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ فِي الرُّكُوعِ.

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ریشمی کپڑا پہننے سے اور کسم کے رنگے ہوئے سے اور سونے کی انگوٹھی پہننے سے اور رکوع میں قرآن پڑھنے سے۔

تشریح: مسئلہ: رکوع وسجود میں قرأت کا کیا حکم ہے؟

صاحب بحرالرائق کہتے ہیں کہ رکوع وسجود میں قرأت مکروہ تحریمی ہے یہ نہی تعبدی ہے اور بعض حضرات نے مناسبت بھی بیان کی ہے کہ رکوع وسجود کی حالت حالت تذلل ہے اور قرأت کا مقتضی یہ ہے کہ اس کو حالت عظمت میں پڑھا جائے اور وہ قیام ہے۔

سوال: پھر رکوع وسجود میں تسبیحات بھی نہ ہوں؟

جواب: فرق ہے قرأت میں اللہ کے ساتھ ہم کلامی ہوتی ہے بخلاف تسبیحات کے کہ ان میں ہم کلامی نہیں ہوتی، اگرچہ ذکر اللہ ہے۔ اس حدیث سے اہل بدعت کے استدلال کی رگ کٹ جاتی ہے وہ کہتے ہیں کہ ایسا کرنے میں حرج کیا ہے یہاں پر قرأۃ میں حرج کیا ہے تو جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے خلاف ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ لَا يُقِيمُ صُلْبَهُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ

جو شخص رکوع اور سجدے میں اپنی کمر سیدھی نہ کرے

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُجْزِئُ صَلَاةٌ لَا يُقِيمُ فِيهَا الرَّجُلُ يَعْنِي صُلْبَهُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ.

ترجمہ: حضرت ابی مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ کام نہیں آتی نماز اس کی جو سیدھا نہ کرے اس میں یعنی پیٹھ کو سجدے اور رکوع میں۔

تشریح: مسئلہ: تعدیل ارکان کی حیثیت کیا ہے؟

قول اوّل: طرفین کے ہاں تعدیل ارکان واجب ہے۔

قول ثانی: قاضی صاحب وآئمہ ثلاثہ کے ہاں تعدیل ارکان فرض ہیں۔

طرفین کی دلیل: آیت قرآنی "وارکعوا واسجدوا" رکوع مطلق الحناء کو کہتے ہیں تعدیل ہو یا نہ ہو اور سجود کہتے ہیں "وضع الجبھۃ علی الارض" کو تعدیل ہو یا نہ ہو۔

ائمہ ثلاثہ کی پہلی دلیل:

ترجمۃ الباب کی حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ انصاری "لا تجزئ الصّلٰوۃ لا یقیم الرّجل فیھا"

جواب(۱): حدیث میں اجزاء کی نفی ہے جواز کی نفی نہیں اور اس کے ہم بھی قائل ہیں۔

جواب(۲): اجزاء علی وجہ الکمال کی نفی ہے۔

جواب(۳): یہ خبر واحد ہے فرضیت ثابت نہیں ہو سکتی اور اس سے کتاب اللہ کے اطلاق کو مقید بھی نہیں کیا جا سکتا۔

دوسری دلیل: حدیث "مسی الصّلٰوۃ" والا واقعہ جو حضرت خلاد بن رافع کے متعلق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ارجع فصل فانک لم تصل" اس سے معلوم ہوا کہ اس نے تعدیل ارکان کو چھوڑا تھا، اس لیے نماز باطل ہوئی؟

جواب: "ارجع فصل فانک لم تصل" کے آخر میں ارشاد فرمایا: "فاذا فعلت ذلک قد تمت صلوتک وان انتقصت منہ شی انتقصت من صلوتک" یہاں پر نقصان صلوٰۃ کا حکم لگایا ہے نہ کہ بطلان صلوٰۃ کا۔ "وابو معمر اسمہ" ان کا نام عبداللہ بن سخبرہ اور ابو مسعود انصاری بدری کا نام عقبہ بن عمرو ہے۔

بَابُ مَا يَقُولُ الرَّجُلُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ جب سر اُٹھائے رکوع سے تو کیا پڑھے؟

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمِلْءَ مَا بَيْنَهُمَا وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ.

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سر اُٹھاتے رکوع سے تو سمع اللہ سے بعد تک پڑھتے اور معنی اس کے یہ ہیں: سنی اللہ نے اس کی بات جس نے تعریف کی اس کی اے رب ہمارے! تجھی کو تعریف ہے آسمان زمین بھر کی اور جو ان دونوں کے بیچ میں ہے اور تو بعد اس کے جتنی چاہے۔

بَابُ مِنْهُ آخَرُ دوسرا باب اِسی بیان میں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا قَالَ الْإِمَامُ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو کہو ربنا ولک الحمد۔ سو جس کا کہنا برابر ہو گیا فرشتوں کے کہنے سے بخشے جائیں گے اس کے اگلے گناہ۔

تشریح مسئلہ اختلافی: تسمیع اور تحمید کس کا وظیفہ ہے؟

پہلا قول: امام صاحب اور امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ امام سمع اللہ کہے گا اور مقتدی تحمید (ربنالک الحمد) کہے گا۔

دوسرا قول: شافعی کا مسلک یہ ہے کہ "کلاهما کلایهما" دونوں تسمیع اور تحمید کہیں گے۔

تیسرا قول: صاحبین کا مسلک یہ ہے کہ امام دونوں کہے گا مقتدی صرف تحمید کہے گا۔

مذاہب کے دلائل: امام شافعی اور صاحبین کی دلیل: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت "قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اذا رفع رأسه من الرکوع قال سمع اللہ لمن حمده، ربنا لک الحمد" صاحبین فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امام ہوتے تھے تو اس وقت کہتے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں کہیں گے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "صلوا کمارایتمونی اصلی" یہ مقتدیوں کے لیے بھی ثابت ہے۔

احناف مالکیہ کی دلیل: باب منہ اخر کی روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم قال اذا قال الامام سمع اللہ لمن حمده فقولوا ربنا ولک الحمد" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام اور مقتدی کے لیے الگ الگ وظائف مقرر فرما کر کے تقسیم فرما دیے اور تقسیم شرکت کے منافی ہے۔

دوسری عقلی دلیل: اگر امام بھی "ربنالک الحمد" کہے تو یہ ہوگا جب امام سمع اللہ کہے گا تو مقتدی فوراً "ربنا لک الحمد" کہہ دے گا۔ اب اگر امام "ربنا لک الحمد" کہے گا تو اس کی تحمید مقتدیوں کی تحمید سے مؤخر ہوگی اور اس میں امام مقتدیوں کا تابع بن جائے گا جو کہ درست نہیں۔

دلیل کا جواب: وہ حالت انفراد پر محمول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب اکیلے نماز پڑھتے تو تسمیع اور تحمید دونوں فرماتے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي وَضْعِ الْيَدَيْنِ قَبْلَ الرُّكْبَتَيْنِ فِي السُّجُودِ

سجدے میں گھٹنے ہاتھوں سے پہلے رکھے جائیں

عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ يَضَعُ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ وَإِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ.

ترجمہ حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے کہ دیکھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب سجدہ کرتے تو رکھتے دونوں زانو اپنے ہاتھوں سے پہلے یعنی زمین پر اور جب اُٹھتے تو اُٹھاتے ہاتھ زانو سے پہلے۔

بَابٌ آخَرُ مِنْهُ دوسرا باب اِسی بیان میں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ فَيَبْرُكُ فِي صَلَاتِهِ بَرْكَ الْجَمَلِ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا قصد کرتا ہے

ایک تم میں کا سو بیٹھ جاتا ہے اپنی نماز میں جیسے بیٹھتا ہے اونٹ یعنی ہاتھ زمین پر پہلے رکھ دینا سجدے کے وقت میں اس کو بہت مشابہت دی اونٹ کے بیٹھنے سے کہ وہ بھی پہلے آگے کے پیروں کو بیٹھنے کے لیے جھکاتا ہے۔

تشریح مسئلہ اختلافی: سجدے میں جاتے وقت گھٹنے زمین پر پہلے رکھے جائیں یا ہاتھ پہلے رکھے جائیں؟

قول اوّل: جمہور کے ہاں گھٹنوں کو پہلے رکھیں گے پھر ہاتھوں کو رکھا جائے گا۔

قول ثانی: مالکیہ کے ہاں ہاتھوں کو پہلے رکھا جائے گا اور گھٹنوں کو بعد میں۔

جمہور کی دلیل: حدیث وائل ابن حجر "الذی اخرجه الترمذی فی باب ماجاء وضع الیدین قبل الرکبتین فی السجود ...رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلّم اذا سجد یضع رکبتیه قبل یدیه" اس سے معلوم ہوا کہ گھٹنوں کو پہلے رکھا جائے گا۔

سوال: عنوان کے ساتھ یہ حدیث مناسبت و منطبق نہیں ہو رہی؟

جواب: دوسرے نسخے میں ہے "وضع الرکبتین قبل الیدین" اور یہی راجح ہے۔

مالکیہ کی دلیل:

حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ "الذی اخرجه الترمذی، فی باب أخر منه، یعمد احدکم ویبرک فی صلوته برک الجمل" شروع میں یعنی یعمد کے ہمزہ استفہام انکاری محذوف ہے کہ تم میں سے ایک ارادہ کرتا ہے بیٹھتا ہے اونٹ کی طرح کیونکہ وہ پہلے یدین رکھتا ہے یعنی اونٹ پہلے یدین رکھتا ہے تم کو پہلے یدین نہیں رکھنے چاہئیں یہ روایت اجمالاً ہے اور تفصیلی روایت میں "ولیضع یدیه قبل رکبتیه" ہے۔

جواب (۱): یہ حدیث متناقض فی نفسہ ہے ابتدائی حصہ حدیث کا اخیری حصہ کے ساتھ متناقض ہے ابتداء میں ہے کہ اونٹ کی طرح یدین نہ رکھو اور اخیری حصے اسی کا حکم دیا جا رہا ہے۔ مالکیہ کا جواب اونٹ کے اگلے پاؤں میں گھٹنے ہوتے ہیں لیکن اہل لغت نے اس کی تائید نہیں کی۔

جواب (۲): یہ حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ "نهی عن البروک مقلوب المتن" ہے اصل متن یہ تھا "ولیضع رکبتیه قبل یدیه اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" بلکہ ابن القیم فرماتے ہیں، یہ ہے ہی مقلوب المتن۔

جواب (۳): حدیث "نهی عن البروک" مؤول ہے اور تاویل ہے "ولیضع یدیه علی رکبتیه قبل وضع رکبتیه علی الارض"

جواب (۴): یہ سنداً منقطع ہے اس میں محمد بن عبداللہ روایت کر رہے ہیں ابوالزناد سے حالانکہ اس کا ابوالزناد سے سماع ثابت نہیں۔

جواب (۵): محمد بن عبداللہ متکلم فیہ ہیں۔ لہٰذا حدیث ضعیف ہے۔

جواب (۶): یہ حدیث متناً مضطرب ہے بعض میں ہے "ولیضع یدیه قبل رکبتیه" اور بعض میں ہے اس برعکس ہے بعض میں "نهی عن البروک" کا ذکر ہے اور بعد والے جملے کا ذکر نہیں۔ یعنی "ولیضع یدیه قبل رکبتیه" کا ذکر نہیں اور بعض میں اس کا عکس ہے یعنی یہ جملہ مذکور ہے۔

جواب (۷): اس کے مقابلے میں حدیث وائل ابن حجر اصح سنداً ہے قال الخطابی حدیث وائل ابن حجر اثبت من حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

جواب (۸): یہ حدیث منسوخ ہے اور ناسخ حدیث مصعب بن سعید اس میں ہے کہ یہ حکم ابتداء تھا پھر منسوخ ہوگیا۔

جواب (۹): حدیث وائل ابن حجر موافق قیاس ہونے کی وجہ سے راجح ہے اور وہ قیاس یہ ہے اس پر اجماع ہے کہ سجدہ میں جاتے ہوئے وضع الیدین پہلے ہو اور وضع الجبہۃ بعد میں اور اس پر بھی اجماع ہے کہ سجدہ سے اُٹھتے ہوئے رفع الجبہۃ پہلے ہے اور رفع الیدین بعد میں، اس سے ایک اُصول معلوم ہوا کہ جو عضو وضع میں مقدم رفع میں مؤخر ہے وہ جو وضع میں مقدم ہے وہ رفع میں مؤخر ہوگا۔ اب ہم یہ کہتے ہیں کہ رفع میں یدین کا رفع پہلے ہے، رکبتین کا بعد میں، اس لحاظ سے وضع میں معاملہ برعکس ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السُّجُودِ عَلَى الْجَبْهَةِ وَالْأَنْفِ پیشانی اور ناک پر سجدہ کرنے کے بیان میں

عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا سَجَدَ أَمْكَنَ أَنْفَهُ وَجَبْهَتَهُ مِنَ الْأَرْضِ وَنَحَّى يَدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ.

ترجمہ حضرت ابی حمید ساعدی سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے خوب جماتے اپنی ناک اور پیشانی کو زمین میں اور دُور رکھتے ہاتھوں کو پسلیوں سے اور رکھتے ہتھیلیاں زمین پر دونوں شانوں کے مقابل۔

تشریح پہلی بات:...... مسئلہ اختلافی (۱): سجدہ میں وضع الجبہہ کے ساتھ وضع الانف ضروری ہے یا نہیں؟

قول اوّل: جمہور کے نزدیک وضع الانف ضروری نہیں۔ دلیل: آیت کریمہ "واسجدوا" اور سجدہ کہتے ہیں "بعض الوجہ علی الارض" اور ظاہر ہے کہ جبہہ کے زمین پر رکھنے سے وضع بعض الوجہ کا تحقق ہوجاتا ہے انف کو رکھنا ضروری نہیں۔

قول ثانی: حنابلہ کے ہاں وضع الانف بھی ضروری ہے۔ دلیل: حدیث الباب ابوحمید ساعدی کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے تو اچھی طرح رکھتے ناک اور پیشانی کو زمین پر۔

جواب: اس حدیث سے "وضع الانف علی الارض" کا وجود معلوم ہوتا ہے وجوب معلوم نہیں ہوتا یہ استحباب پر محمول ہے۔

دوسری بات، مسئلہ اختلافی (۲):

اس پر تو اجماع ہے کہ عذر کی وجہ سے وضع الانف پر اکتفاء جائز ہے لیکن بلاعذر جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام صاحب کے ہاں بلاعذر بھی وضع الانف پر اکتفاء کرنا جائز ہے۔

قول ثانی: جمہور کے ہاں بلاعذر اکتفاء کرنا جائز نہیں۔

امام صاحب کی دلیل اوّل:

وہ احادیث متعلقہ "بالسجود علی سبعۃ اعضاء" جن میں وجہ کا ذکر ہے جیسے حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان

"اعضاء سبع" کی تفصیل میں وجہ کا ذکر ہے اور ایسے ہی حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا "المتعلق بدعاء فی سجدة التلاوة" اس میں ہے "سَجَدَ وجهي الذی خلقه" اور وجہ سے مراد پورا وجہ تو نہیں ہے بلکہ بعض الوجہ ہے۔ لہٰذا جس طرح بعض الوجہ کا تحقق وضع الجبہہ سے ہوجاتا ہے ایسے وضع الانف سے بھی ہوجاتا ہے۔

دلیل ثانی: وہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما جس میں ہے "أمرت ان اسجد علی سبعة اعظم" اور پھر آگے وجہ کا ذکر کیا "واشار بیده الی الانف" (بخاری ص:۱۱۲)

اس میں وجہ کی تفصیل انف سے کی تو اس سے معلوم ہوا کہ وضع الانف سے وضع الوجہ متحقق ہوجائے گا۔

سوال: پھر تو اگر کوئی شخص ٹھوڑی یا رُخسار کو زمین پر رکھ دے، پھر بھی سجدہ ہوجانا چاہیے کیونکہ بعض الوجہ کا تحقق ہوگیا؟

جواب: سجدہ میں مطلق وضع بعض الوجہ کا ذکر نہیں بلکہ وضع بعض الوجہ علی وجہ تعظیم الکامل۔ لہٰذا تنہا ٹھوڑی سے تعظیم کامل کا تحقق نہیں ہوگا۔

جمہور کی دلیل: حدیث الباب وہ احادیث "المتعلقه بالسجود علی سبعة اعضاء" جن کی تفصیل میں جبہہ کا ذکر ہے۔

جواب: آیت کریمہ "واسجدوا" سے تو بعض الوجہ علی الارض کا وضع فرض معلوم ہوتا ہے جو وضع الجبہہ سے بھی متحقق ہو جاتا ہے اور وضع الانف سے بھی متحقق ہوجاتا ہے۔ پس اخبار احاد کی وجہ سے جبہہ کی تعیین فرضیت کے درجہ میں نہیں ہوگی زیادہ سے زیادہ وجوب ہوگا جس کے امام صاحب بھی قائل ہیں، یہ بحث تب ہے جب امام صاحب رحمہ اللہ کا رجوع نہ ہو اور شامی میں ہے کہ بعد میں امام صاحب رحمہ اللہ نے رجوع فرمالیا تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ أَيْنَ يَضَعُ الرَّجُلُ وَجْهَهُ إِذَا سَجَدَ جب سجدہ کیا جائے تو منہ کہاں رکھے؟

عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ قُلْتُ لِلْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ أَيْنَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ وَجْهَهُ إِذَا سَجَدَ فَقَالَ بَيْنَ كَفَّيْهِ.

ترجمہ: حضرت ابی اسحٰق سے روایت ہے کہ پوچھا میں نے براء بن عازب سے کہاں رکھتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا منہ جب سجدہ کرتے تو جواب دیا انہوں نے کہ دونوں ہتھیلیوں کے بیچ میں۔

تشریح: اجماعی مسئلہ ہے سجدہ میں چہرہ کو ہتھیلیوں کے درمیان رکھا جائے البتہ تھوڑا سا تدافع ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہتھیلیاں چہرہ کے محاذات میں ہوں اور بعض میں ہے کہ کندھوں کے برابر ہوں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو کہ تطبیق کا طریقہ ہے وہ یہ ہے کہ اس طرح رکھا جائے کہ رسغین کندھوں کے برابر ہوں اور انگلیوں والا حصہ چہرے کے برابر ہوجائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السُّجُودِ عَلَى سَبْعَةِ أَعْضَاءٍ سجدہ سات اعضاء پر ہوتا ہے

عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا سَجَدَ الْعَبْدُ

سَجَدَ مَعَهُ سَبْعَةُ آرَابٍ وَجْهُهُ وَكَفَّاهُ وَرُكْبَتَاهُ وَقَدَمَاهُ.

ترجمہ حضرت عباس بن عبدالمطلب سے روایت ہے کہ سنا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے تھے جب سجدہ کرتا ہے بندہ سجدہ کرتے ہیں اس کے ساتھ سات جوڑ یعنی سات عضو منہ اس کا اور دونوں ہتھیلیاں اور دونوں گھٹنے اور دونوں قدم اس کے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أُمِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ وَلَا يَكُفَّ شَعْرَهُ وَلَا ثِيَابَهُ

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حکم ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنے کا سات عضو پر اور حکم ہوا کہ بال اور کپڑے نہ اُٹھائیں یعنی سجدے کے وقت۔

تشریح اس میں کلام چلی ہے کہ ساتوں اعضاء کو زمین پر رکھنا فرض ہے یا مسنون ہے۔ احناف کے ہاں وضع الوجہ تو فرض ہے اور قدمین کے ماسواء زمین پر رکھنا مسنون ہے اور قدمین کی تین روایات ہیں (۱) فرض ہے اگر نہ رکھا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ (۲) احد القدمین کا رکھنا فرض ہے۔ (۳) قدمین رکھنا مسنون ہے تیسرے قول کے مطابق۔

سوال: فقہاء کہتے ہیں کہ رفع القدمین سے نماز فاسد ہو جاتی ہے حالانکہ سنت کے ترک سے تو نماز فاسد نہیں ہوگی؟

جواب: یہ ہے کہ فساد اس وجہ سے نہیں کہ وضع القدمین فرض ہے بلکہ یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ صورت استہزاء کے مشابہ ہو جائے گی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّجَافِي فِي السُّجُودِ سجدے میں اعضاء کو الگ الگ رکھنا

عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْأَقْرَمِ الْخُزَاعِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كُنْتُ مَعَ أَبِي بِالْقَاعِ مِنْ نَمِرَةَ فَمَرَّتْ رَكَبَةٌ فَإِذَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمٌ يُصَلِّي قَالَ فَكُنْتُ أَنْظُرُ إِلَى عُفْرَتَيْ إِبْطَيْهِ إِذَا سَجَدَ أَرَى بَيَاضَهُ.

ترجمہ حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن اقرم الخزاعی سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہا میں اپنے باپ کے ساتھ قاع میں (چٹیل میدان کو بولتے ہیں) بمقام نمرہ میں تھا پس گزرے کچھ سوار یکا یک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے نماز پڑھتے تھے اور میں نظر کرتا تھا ان کی بغلوں کی سفیدی کو جب سجدہ کرتے تھے اور دیکھتا تھا اس کی چمک۔

تشریح سجدہ کی حالت میں مجافات ہو یعنی ہتھیلیوں کو زمین پر رکھ کر کلائیوں کو رانوں اور پیٹ سے دور اور پیٹ کو بھی رانوں سے دور رکھا جائے، اس کے راوی عبداللہ بن اقرم ہیں، ارقم نہیں، ان کی نسبت خزاعی ہے۔

سوال: اس سے عنوان کیسے ثابت ہوگا؟

جواب: بغلوں کی سفیدی تب دکھائی دے گی جب بازوؤں کو پہلوؤں سے دور رکھا جائے گا۔

اس کا حکم یہ ہے کہ یہ مسنون ہے اور الصاق جو کرے اس میں کراہت ہے، یہ حکم مرد کا ہے عورت کے لیے الصاق بہتر ہے کیونکہ وہ اس کے لیے استر ہے اور عورت کی نماز کی بناء تستر پر ہے۔ "من نمرہ" یہ عرفات کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ "وأری بیاضہ" بعض علماء نے کہا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلوں کے بال خلقتاً نہ تھے مگر بعض کہتے ہیں کہ خصوصیت کے لیے دلیل ضروری ہے، صرف احتمال سے خصوصیت ثابت نہیں ہوتی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاعْتِدَالِ فِي السُّجُودِ سجدے میں اعتدال کے بیان میں

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلْيَعْتَدِلْ وَلَا يَفْتَرِشْ ذِرَاعَيْهِ افْتِرَاشَ الْكَلْبِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب سجدہ کرے تم میں کا کوئی تو اعتدال کرے اور نہ بچھائے اپنی بانہیں کتے کی طرح۔

عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اعْتَدِلُوا فِي السُّجُودِ وَلَا يَبْسُطَنَّ أَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ فِي الصَّلَاةِ بَسْطَ الْكَلْبِ

ترجمہ: حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ سنا میں نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعتدال کرو سجدے میں اور نہ بچھائے کوئی تم میں کا اپنی بانہیں نماز میں کتے کی طرح۔

تشریح...... **پہلی بات:**

سجدے میں ہتھیلیوں کو زمین پر رکھنے کے بعد بازوؤں کو زمین پر بچھانے سے منع فرمایا، اس لیے کہ اگر بچھا دیا گیا تو کتوں سے مشابہت ہو جائے گی، گویا کہ اس حدیث میں جانوروں کی ہیئت بنانے سے منع فرمایا گیا ہے۔

دوسری بات: اعتدال فی السجود کا مطلب: اعتدال فی السجود سے کیا مراد ہے؟ محدثین نے اس کے تین مطلب بیان کیے ہیں۔ (۱) سجدہ کے وقت ہاتھ نہ بغلوں سے ملے ہوئے ہوں اور نہ زمین پر بچھے ہوئے ہوں۔ (۲) دوسرا معنی اعتدال فی الارکان والا ہے کہ آرام سے سجدہ کرے۔ (۳) تیسرا معنی یہ کیا ہے کہ رکوع میں اعتدال یہ ہے کہ پیٹھ برابر ہو۔ گردن پیٹ کے ساتھ برابر ہو اور سجدے کی حالت میں اعتدال یہ ہے کہ سر نیچے ہو اور پچھلا حصہ اونچا ہو۔ اعتدال فی الارکان کی تفصیل گزر چکی ہے، باقی افتراش کلب سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ حالت خشوع کے منافی ہے۔ دوسرا کتے سے مشابہت لازم آئے گی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي وَضْعِ الْيَدَيْنِ وَنَصْبِ الْقَدَمَيْنِ فِي السُّجُودِ

سجدے میں دونوں ہاتھ زمین پر رکھنا اور قدم کھڑے رکھنا چاہیے

عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِوَضْعِ الْيَدَيْنِ وَنَصْبِ الْقَدَمَيْنِ.

ترجمہ حضرت عامر بن سعد سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم کیا سجدے میں دونوں ہاتھ زمین پر رکھنے کا اور دونوں پیر کھڑے رکھنے کا۔

تشریح......مسئلہ: اجماعی ہے کہ سجدہ میں ہاتھوں کو زمین پر رکھا جائے اور قدموں کو کھڑا کیا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِقَامَةِ الصُّلْبِ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ وَالرُّكُوعِ

جب رکوع یا سجدے سے اُٹھے تو پیٹھ سیدھی کرے

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَكَعَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ وَإِذَا سَجَدَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ قَرِيبًا مِنَ السَّوَاءِ.

ترجمہ حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ایسی کہ جب رکوع کرتے اور جب اُٹھاتے سر کو رکوع سے اور جب سجدہ کرتے اور جب اُٹھاتے سر سجدے سے تو ان سب میں دیر برابر ہوتی یعنی رکوع اور سجدہ اور قومہ اور جلسے سب میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم برابر ٹھہرتے تھے۔

تشریح......پہلی بات: رکوع سے سر اُٹھاتے وقت پیٹھ کو سیدھا کرنا چاہیے یعنی سیدھا کھڑا ہو، رکوع قومہ سجدہ جلسہ میں تقریباً مساوات ہوتی ہے اس سے استدلال یوں ہوگا کہ مساوات تب ہوگی جبکہ رکوع سے سر اُٹھانے کے بعد سیدھا کھڑا ہوا۔ ابوداؤد میں قیام سے مراد قومہ ہے اور بخاری میں قیام کا استثناء ہے قیام کے ماسواء میں مساوات ہوگی۔

دوسری بات: باب کی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں ہے کہ قیام، رکوع، سجدہ، قومہ اور جلسہ کے احوال برابر ہوتے تھے، یہاں یہ اشکال ہے کہ احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے متعلق منقول ہے کہ فجر میں ساٹھ سے سو آیات تک ایک رکعت میں پڑھتے تھے۔ اب اتنے طویل قیام کی طرح رکوع، سجدہ، قومہ اور جلسہ میں آپ برابری کرتے تھے یہ نہیں ہوسکتا۔

جواب (۱): علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بعض احوال میں یہ ہوتا تھا کہ رکوع، قیام، سجدہ اور قومہ اور جلسہ میں آپ برابری کرتے تھے۔

جواب (۲): امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جو باب کی حدیث نقل کی ہے اس کے بارے میں بعض روایات میں استثناء موجود ہے کہ ''الا القیام والقعود'' اس سے ثابت ہوا کہ رکوع، سجدہ، قومہ، جلسہ ان کے احوال برابر ہوتے تھے۔ قیام وقعود کے ساتھ برابری مراد نہیں۔

جواب (۳): راوی مبالغۃً یہ لفظ ذکر کر رہا ہے، راوی کا مقصد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع، قومہ، سجدہ اور جلسہ سارے اطمینان کے ساتھ کیے تھے تو راوی نے اعتدال کو ظاہر کرنے کے لیے قریباً من السواء کہہ دیا اور قریباً من السواء خود بتاتا ہے کہ فرق ہوتا تھا۔

جواب (۴): معارف السنن میں انور شاہ صاحب سے منقول ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز برابر ہوتی تھی یعنی کبھی قرأت کرتے تو اس کی مناسبت سے رکوع اور سجدہ، قومہ اور جلسہ بھی طویل کرتے اور اگر قرأت مختصر کرتے تو اس کی مناسبت سے رکوع اور سجدہ اور قومہ و جلسہ کو بھی مختصر کرتے تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ يُبَادَرَ الْإِمَامَ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ

رکوع و سجود امام سے پہلے کرنا مکروہ ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ حَدَّثَنَا الْبَرَاءُ وَهُوَ غَيْرُ كَذُوبٍ قَالَ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ لَمْ يَحْنِ رَجُلٌ مِنَّا ظَهْرَهُ حَتَّى يَسْجُدَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَسْجُدَ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن یزید سے روایت ہے کہ روایت کی ہم سے براء نے اور وہ کچھ جھوٹے نہیں کہا براء نے جب نماز پڑھتے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اور اُٹھاتے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر رکوع سے تو نہ جھکاتا کوئی ہم میں سے اپنی پیٹھ جب تک سجدے میں نہ جا چکتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ پھر سجدہ کرتے ہم۔

تشریح اقتداء کی ابتداءً تین صورتیں ہیں: (۱) مسابقت (۲) مقارنت (۳) معاقبت۔ مسابقت یہ ہے کہ مقتدی اپنے ارکان امام سے پہلے ادا کرے، یہ بالاجماع جائز نہیں، مقارنت اور معاقبت دونوں جائز ہیں اور یہ کلام افضلیت میں ہے۔

قول اوّل: احناف کے نزدیک مقارنت افضل ہے۔

قول ثانی: شوافع کے نزدیک معاقبت افضل ہے۔

احناف کی دلیل: "اذا رکع فارکعوا" اس میں فاء تعقیب مع الوصل کے لیے ہے یعنی مقتدیوں کا رکوع امام کے ساتھ ساتھ ہو۔

شوافع کی دلیل اوّل: حدیث الباب، حدیث براء بن عازب، جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے "فرفع رأسه من الرکوع لم یحن رجل منا ظهره" یہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں شروع ہو جاتے یہ معاقبت ہے۔

جواب: یہ زمانہ ضعف پر محمول ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم بھاری ہو گیا، جلدی ارکان سے انتقال نہ ہوتا تھا ایسے زمانہ میں نوجوان صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق اندیشہ تھا کہ مقارنت کی صورت میں مسابقت نہ ہو جائے، احتیاطاً ایسا کیا۔

دوسری دلیل: ابوداؤد شریف میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کے الفاظ یوں ہیں "لا تبادرونی فی الرکوع ولا بسجود" کہ رکوع و سجود میں مجھ سے مسابقت مت کرو بلکہ پیچھے رہو۔ (ابوداؤد، جلد اوّل، ص:۹۸)

جواب: یہ بھی ضعف و کبرسنی پر محمول ہے۔

تیسری دلیل: مسلم شریف میں موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "فان الامام یسجد قبلکم ویرفع قبلکم"

جواب: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ارکان صلوٰۃ میں پورے پورے شامل ہونے کی کوشش کرتے تھے لیکن پھر بھی مکمل متابعت نہ کر سکتے، اس بات کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا گیا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی پریشانی کی بات نہیں کیونکہ اگر امام رکوع اور سجود میں تم سے پہلے جاتا ہے تو تم سے پہلے بھی اُٹھتا ہے۔لہٰذا یہ حدیث ہمارا مستدل ہے کیوں کہ اس سے ہماری تائید ہوتی ہے۔

قولہ قال ثنا للبراء وھو غیر کذاب

(۱) احتمال یہ ہے کہ اس کے قائل ابو اسحٰق ہیں اور اس کا مصداق عبداللہ بن یزید ہے ابو اسحٰق ہی کہتے ہیں کہ عبداللہ بن یزید ثقہ ہیں، اس صورت پر کوئی اشکال نہیں۔ (۲) احتمال یہ ہے کہ ھو ضمیر کا مرجع براء ہو اور موثق امام ترمذی ہیں یعنی ''قال'' کا فاعل، اس پر اشکال ہوگا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی توثیق کی کیا ضرورت تھی کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں تو قاعدہ مسلم ہے ''الصحابۃ کلھم عدول'' اور ظاہر ہے کہ ضمیر کا مرجع ہے براء اور براء تو صحابی ہیں؟

جواب: یہ تزکیہ کے قبیل سے نہیں بلکہ تنبیہ کے قبیل سے ہے، عظمت حدیث کو بتلانا ہے کہ اس حدیث کو بیان کرنے والے کاذب نہیں، ایسی حدیث کو قبول کرنا ہی چاہیے۔

سوال: کذوب کی نفی ہوتی ہے کاذب کی نفی تو نہیں ہوتی؟

جواب: یہ نفی المبالغہ کے قبیل سے نہیں بلکہ مبالغہ فی النفی کے قبیل سے ہے یعنی ذرا بھر بھی کذب نہیں جیسے ''وما ربک بظلاّم للعبید'' یہاں پر مبالغہ فی النفی کے قبیل سے ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الإِقْعَاءِ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ دونوں سجدوں کے درمیان اقعاء کرنا مکروہ ہے

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَلِيُّ أُحِبُّ لَكَ مَا أُحِبُّ لِنَفْسِي وَأَكْرَهُ لَكَ مَا أَكْرَهُ لِنَفْسِي لَا تُقْعِ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ.

ترجمہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی! (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میں دوست رکھتا ہوں تمہارے لیے جو دوست رکھتا ہوں اپنے لیے اور برا جانتا ہوں تمہارے لیے جو برا جانتا ہوں اپنے لیے اقعاء نہ کر دونوں سجدوں کے درمیان میں۔

تشریح اقعاء کے دو معنی ہیں۔ بالمعنی الاوّل ہاتھوں کو زمین پر بچھا لیا جائے اور مقعد کو زمین پر اس طرح جمائے کہ گھٹنوں کو کھڑا کر لیا جائے، یہ مشابہ ہے اقعاء الکلب کے اور بالمعنی الثانی بین السجدتین اپنی دونوں ایڑیوں کو کھڑا کر کے ایڑیوں پر سرین کو جما کر بیٹھے۔

اقعاء کے پہلے معنی کا حکم: آئمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے۔ دلیل: حدیث علی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا:"یاعلی لاتقع بین السجدتین"

سوال: یہ حدیث ضعیف ہے حارث اعور کی وجہ سے؟ جواب (۱): آئمہ اربعہ کی جانب سے تلقی بالقبول حاصل ہے۔

جواب (۲): یہ اگرچہ سنداً ضعیف ہے لیکن دیگر احادیث صحیحہ مؤید ہیں۔ بعض نے ان کے علاوہ یعنی جو فی الباب کے داخل ہیں، ان کے علاوہ ابوحمید ساعدی اور بعض نے حدیث سمرہ کا بھی اضافہ کیا ہے۔

اقعاء بالمعنی الثانی، قول اوّل: جمہور کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔

قول ثانی: بعض شوافع کے نزدیک جائز ہے بلا کراہت کے۔

بعض شوافع کی دلیل: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما جس کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے اگلے باب میں باب فی الرخصۃ فی الاقعاء میں ذکر کیا۔ طاؤس کہتے ہیں ہم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اقعاء القدمین کے بارے میں سوال کیا، انہوں نے کہا"ھی السنہ" طاؤس کہتے ہیں کہ اس میں تو ہم نمازی یا پاؤں کی مشقت سمجھتے ہیں، دونوں کے مؤید ہیں۔ جن روایتوں میں بالمرء ہے اس سے مراد نمازی ہے اور جن روایتوں میں قدمین ہے اس سے پاؤں ہے۔ بعض روایتوں میں بالمرء اور بعض روایتوں میں قدمین ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:"ھی سنہ نبیّکم" یہ جمہور کے خلاف بھی ہے اور حدیث علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ معارض بھی ہے۔

تعارض کا جواب: حدیث علی رضی اللہ عنہ میں نفی معنی اوّل کے اعتبار سے ہے اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں بالمعنی الثانی ہے۔ باقی یہ جمہور کے خلاف ہے۔

جواب (۱): یہ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ یہ سنت ہے اس کا یہ معنی اور مطلب نہیں کہ دائمی سنت ہے بلکہ "مرۃً اَوْ مرّتین" عذر کی وجہ سے ثابت ہے۔

جواب (۲): ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سنیت نہیں بتلانا چاہتے بلکہ سائل پر رَد کرنا ہے کہ یہ تم حرام سمجھتے ہو حرام نہیں ہے یہ بالکل ایسے ہی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ایک آدمی نے بتلایا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وہ ایک رکعت وتر پڑھتے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو، وہ صحابی ہیں، اب یہاں پر تقریر مقصود نہیں بلکہ یہ بتلانا ہے کہ معاویہ پر اعتراض نہ کرو۔

جواب (۳): یہ حکم منسوخ ہے اور ناسخ حدیث علی ہے وہاں مطلقاً اقعاء سے نہی ہے۔

بَابٌ فِي الرُّخصَةِ فِي الْإِقْعَاءِ رُخصتِ اقعاء کے بیان میں

قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ طَاوُسًا يَقُولُ قُلْنَا لِابْنِ عَبَّاسٍ فِي الْإِقْعَاءِ عَلَى الْقَدَمَيْنِ قَالَ هِيَ السُّنَّةُ فَقُلْنَا إِنَّا لَنَرَاهُ جَفَاءً بِالرَّجُلِ قَالَ بَلْ هِيَ سُنَّةُ نَبِيِّكُمْ صَلَّى

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ، ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ،

ترجمہ: حضرت ابن جریج سے روایت ہے کہ خبر دی مجھ کو ابوالزبیر نے کہ سنا انہوں نے طاؤس سے کہتے تھے کہ ہم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دریافت کیا کہ کیا فرماتے ہیں آپ اقعاء کرنے میں دونوں قدموں پر؟ کہا یہ سنت ہے کہا ہم نے اسے ظلم جانتے ہیں ساتھ آدمی کے فرمایا، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بلکہ وہ سنت ہے تمہارے نبی کی۔

بَابُ مَا یَقُوْلُ بَیْنَ السَّجْدَتَیْنِ دونوں سجدوں کے درمیان کیا پڑھے؟

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ. اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي، وَاجْبُرْنِي، وَاهْدِنِي، وَارْزُقْنِي.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے دونوں سجدوں کے بیچ میں ''اللّٰھم'' سے اخیر تک اور معنی اس کے یہ ہیں یا اللہ! بخش مجھ کو اور رحم کر مجھ پر اور پورا کر میرے نقصان کو اور ہدایت کر مجھ کو اور رزق دے مجھ کو۔

تشریح: احناف کے نزدیک یہ تمام دُعائیں نوافل پر محمول ہیں کیونکہ فرائض میں مقتدیوں کی رعایت اور تخفیف ہوتی ہے، اگر امام فرائض میں یہ دُعائیں پڑھنے لگ جائے تو مقتدیوں کو اس پر ثقل لازم آئے گا، اگر کسی نے فرائض میں پڑھ لیں تو جائز ہے۔

''واجبرنی'' میری اصلاح فرما، جبیرہ زخم کی اصلاح کا باعث بنتا ہے اور جبار ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے والا، اللہ ہے اطباء صرف ہڈی کو ہڈی کی محاذات میں کرتے ہیں، احناف کے نزدیک اتنی لمبی دُعا نوافل پر محمول ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْاِعْتِمَادِ فِي السُّجُوْدِ سجدے میں سہارا لینا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ اشْتَكَى أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَشَقَّةَ السُّجُوْدِ عَلَيْهِمْ إِذَا تَفَرَّجُوْا فَقَالَ اسْتَعِيْنُوْا بِالرُّكَبِ.

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بیان کی صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تکلیف سجدہ کی جب جدا رکھے اعضاء یعنی کہنیاں گھٹنوں سے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدد لو گھٹنوں سے یعنی کہنیاں گھٹنوں پر رکھ لو کہ تکلیف کم ہو۔

تشریح: سجدہ میں اگر محاذات کی وجہ سے مشقت ہو تو پھر کہنیوں کو رانوں پر رکھ کر آسانی حاصل کرنا جائز ہے ''استعینوا بالزکب'' اور دوسرا معنی یہ ہے کہ رکوع کی حالت میں اگر مشقت ہو تو گھٹنوں کو مضبوط پکڑ کر راحت حاصل کرے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے پہلا معنی لیا ہے اور شانِ ورود کا تقاضا بھی یہی ہے کیونکہ اس وقت فرمایا جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے شکایت کی سجدہ کی

حالت میں مجافات کی وجہ سے مشقت ہوتی ہے تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا۔باقی یہ حدیث دو طریق سے مروی ہے۔(۱) بطریق لیث (۲) بطریق سفیان۔فرق (۱) پہلے طریق میں سمی کے اُستاد ابو صالح ہیں اور طریق سفیان میں سمی کے اُستاد نعمان ہیں۔فرق ۲:لیث کی روایت کے مطابق متصل ہے اور سفیان کی روایت مرسل ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے فیصلہ دیا ہے سفیان کے حق میں اور وجہ ترجیح رواۃ ہے۔

بَابُ كَيْفَ النُّهُوضُ مِنَ السُّجُودِ سجدہ سے کیسے اُٹھا جائے؟

عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ اللَّيْثِيِّ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فَكَانَ إِذَا كَانَ فِي وِتْرٍ مِنْ صَلَاتِهِ لَمْ يَنْهَضْ حَتَّى يَسْتَوِيَ جَالِسًا.

ترجمہ حضرت مالک بن حویرث سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے تو جب ہوتے طاق رکعت میں یعنی پہلی یا تیسری میں تو نہ اُٹھتے جب تک سیدھے بیٹھ نہ لیتے یہ جلسہ استراحت ہے۔

"بَابُ مِنْهُ أَيْضًا" دوسرا باب اسی بیان میں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَضُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھتے تھے نماز میں دونوں قدموں کے سروں پر یعنی پیروں کی انگلیوں پر زور دے کر اُٹھ کھڑے ہوتے اور بعد سجدہ کے بیٹھتے نہ تھے۔

تشریح مسئلہ اختلافی: پہلی رکعت اور رباعی نماز میں تیسری رکعت کے بعد اُٹھتے ہوئے کچھ دیر بیٹھ کر اُٹھنا یہ مسنون ہے یا نہیں؟ بعنوان آخر جلسہ استراحت مسنون ہے یا نہیں؟

قول اوّل: احناف کے ہاں مسنون نہیں۔ قول ثانی: شوافع کے نزدیک مسنون ہے۔

احناف کی دلیل: "باب منه ایضا" کی حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ "کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینهض فی الصلوۃ علی صدور قدمیه" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے کھڑے ہو جاتے۔

سوال: یہ تو سنداً ضعیف ہے اس میں خالد بن الیاس ضعیف ہیں؟

جواب: ہمارا استدلال اسی ہی میں بند نہیں۔

دوسری دلیل: حدیث ابو حمید ساعدی میں "فسجد فقام لم یتورک" بھی ہے۔

تیسری دلیل: عمل اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر، حضرت ابن زبیر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا عمل نقل کیا کہ یہ حضرات پہلی رکعت کے دوسرے سجدے

سے فارغ ہونے کے بعد اور اسی طرح تیسری رکعت کے بعد فوراً کھڑے ہوجاتے۔

چوتھی دلیل: اس کا نام ہے جلسہ استراحت، اور استراحت اور عبادات میں منافات ہیں۔

پانچویں دلیل: اگر یہ مسنون ہوتا تو اس میں کوئی ذکر ہوتا جیسے قومہ اور جلسہ ہے۔

شوافع کی دلیل: حدیث مالک بن حویرث جس کا مفہوم یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر بیٹھتے اور پھر اُٹھتے؟

جواب (۱): آپ صلی اللہ علیہ وسلم عذر کی وجہ سے ضعف ہونے کی وجہ سے بیٹھتے تھے۔

جواب (۲): اگر تسلیم کرلیں تو پھر بیان جواز پر محمول ہے۔

جواب (۳): یہ اختلاف فہم ہے مالک آتے جاتے تھے ابو قلابہ کی مسجد میں اس کے امام عمرو بن سلمہ تھے وہ بڑھاپے کی وجہ سے جلسہ استراحت کرتے تھے، ایک موقع پر مالک تشریف لائے، نماز کا وقت ہوگیا، خوش ہوگئے کہ صحابی آگئے، کسی نے ابو قلابہ سے پوچھا کہ مالک نے کیسے نماز پڑھائی، فرمایا جیسے ہمارے امام نماز پڑھاتے ہیں، اس کا مطلب یہ تھا کہ بڑے اعتدال سے نماز پڑھائی چونکہ ان کا امام جلسہ استراحت کرتے تھے، سائل نے سمجھا کہ شاید مالک بن حویرث نے بھی جلسہ استراحت کیا، پھر اس سے سمجھا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا ہوگا۔............سجود کے متعلق ابحاث ختم ہوگئیں۔ آخر میں ایک اور بحث ذکر کی جاتی ہے کہ دو سجود کی کیا حکمت ہے؟

"رکعت وحدہ" میں دو سجود کی مختلف وجوہ ہیں۔

وجہ اوّل: نماز سے مقصود اظہار عبودیت ہے اور سجدہ ابلغ فی اظہار عبودیت ہے بنسبت جمیع ارکان صلٰوۃ کے۔ اسی لیے سجدہ لغیر اللہ حرام ہے، لہٰذا اس کا تکرار انسب ہے۔

وجہ ثانی: ابلیس کو جب امر سجدہ لِ آدم ہوا تو اس نے انکار کیا، "فناسب تکرارھا ترجیحا للشیطان" جب علماء نے لکھا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے جب اوّلاً مسجد الحرام میں نماز پڑھائی اور سجدہ طویل کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدے کے وسط میں سر اُٹھایا "ظن منہ ان جبرئیل رفع رأسہ فاذا ھو لم یرفع مال الی السجدہ فلذلک صارت السجدہ مرّتین"

وجہ ثالث: قیامت کے دن جب سجدہ کرنے کا عام حکم ہوگا۔ "یوم یکشف عن ساق ویدعون الی السجود" تو مسلمان سجدہ کریں گے اور کفار نہیں کرسکیں گے۔ "فسجد المسلمون ثانیاً شکرًا" تو اس واقعہ کی طرف اشارہ کرنے کے لیے دو سجدے مقرر ہوئے۔

وجہ رابع: معراج کی رات جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ملائکہ ساجدین پر گزرے تو انہوں نے سر اُٹھایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا "ثم عادوا الی السجدۃ" لہٰذا اس کی طرف اشارہ کی غرض سے دو سجدے مقرر ہوئے۔

وجہ خامس: نماز سے مقصود خشوع وخضوع ہے اور سجدہ "ابلغ فی الخضوع" تو اس کا تکرار مناسب ہے۔ "کذا فی کتاب الزریعۃ لآداب الواردۃ فی الشریعۃ للعلامۃ الشمس الدین ابن محمد"

وجہ سادس: علامہ نسفی لکھتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی توبہ سجدہ میں یا سجدہ سے سر اُٹھانے کے بعد قبول ہوئی۔ "فسجد ثانیاشکر أفشرع تکریر السجدہ لذریة"

وجہ سابع: علامہ صفوری نزہۃ المجالس میں لکھتے ہیں "ان الملائکه لما سجد للآدم مالی ابلیس سجدوا ثانیاً شکراً" اس وجہ سے سجدے مقرر ہوئے نماز میں۔

وجہ ثامن: "اقول اشد الارکان من الصلوٰة علی الشیطان السجدة ولذا یبکی ابلیس اذا سجد المصلی ویقول ویلی امر ابن آدم بالسجود فسجد فله الجنة فامرت بالسجود فابیت فلی النار فشرع تکرارها ترجیحا له وزیاده فی بکاؤه" یہ وجہ اور پہلی وجہ موسیٰ خان روحانی بازی رحمہ اللہ کی ہیں۔

وجہ تاسع: "فیه ایضا الاولیٰ الشکر علی الایمان والثانیه لبقاء الایمان" پہلا سجدہ ایمان پر شکر کے لیے اور دوسرا سجدہ بقاء ایمان سے شکر کے لیے۔ "الاولی اشاره الی قوله تعالٰی منها خلقنا کم وثانیه فیها نعید کم" پہلا سجدہ اس بات کے ثبوت کے لیے کہ ہم اسی زمین سے پیدا کیے گئے اور دوسرا سجدہ کہ ہم اسی میں لوٹائے جائیں گے۔

وجہ عاشر: "الاولی لحصول الامتثال والثانیه لحصول الاقتراب اخذا لقوله تعالٰی واسجدو اقترب سعایه، ج:۲، ص115"

وجہ احدی عشر: بعض کتابوں میں، میں نے دیکھا ہے کہ ملائکہ نے جب سجدہ لل آدم علیہ السلام سے سر اُٹھایا تو دیکھا صورت غضب ولعنت جو "من لم یسجد" پر نازل ہو رہی تھی تو انہوں نے دوبارہ سجدہ کیا "خوفا من تلک الصورت وکلهم خافوا منها فلما رفعوا رؤس ثانیا رؤها واقعة علی ابلیس"

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّشَهُّدِ تشہد کے بیان میں

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَعَدْنَا فِي الرَّكْعَتَيْنِ أَنْ نَقُولَ التَّحِيَّاتُ لِلهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کہا سکھلایا ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بیٹھیں ہم دو رکعت کے بعد کہ کہیں التحیات سے آخر دُعا تک اور معنی اس کے یہ ہیں کہ سب عبادتیں زبان کی اللہ کے واسطے اور عبادتیں بدن کی اور مال کی بھی، سلام ہے تجھ پر اے نبی اور رحمت اللہ کی اور برکتیں اس کی اور سلام ہے ہم پر اور تمام اللہ کے نیک بندوں پر گواہی دیتا ہوں میں کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بندے اس کے اور رسول اس کے ہیں۔

بَابٌ مِنْهُ أَيْضًا دوسرا باب اسی بیان میں

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنَا الْقُرْآنَ فَكَانَ يَقُولُ التَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ سَلَامٌ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ سَلَامٌ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو سکھاتے تھے تشہد جیسا سکھاتے تھے ہم کو قرآن اور فرماتے تھے یہ دُعا آخر تک اور معنی اس کے یہ ہیں کہ سب عبادتیں زبان کی برکت والیاں سب عبادتیں بدن کی پاکیزہ اللہ کے لیے ہیں۔سلام ہے تم پر اے نبی۔اور رحمت اللہ کی اور برکتیں اس کی۔سلام ہے ہم پر اور سب نیک بندوں پر اللہ کے گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں خدا کے سوا اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

تشریح تشہدات مرویہ کثیر ہیں۔

(۱): تشہد عمر رضی اللہ عنہ "التحیات للہ الزاکیات للہ الطیبات الصلوات للہ السلام علیک الخ مؤطا امام مالک"

(۲): تشہد ابن عمر رضی اللہ عنہ "بسم اللہ التحیات للہ الصلوات للہ الزاکیات للہ السلام علیک الخ مؤطا امام مالک"

(۳): تشہد عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مؤطا

(۴): تشہد جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کما فی المؤطا ص:۱۰۳، بیہقی، ج:ص:۲۴۴، مستدرک، ج:۲، ص۲۶۶، "بسم اللہ و باللہ التحیات للہ والصلوات والطیبات السلام علیک الخ الی قولہ عبدہ ورسولہ وبعدہ اسئل اللہ الجنۃ واعوذ باللہ من النّار"

(۵): تشہد ابو موسیٰ کما فی النسائی (۶): ابن زبیر کما عند الطحاوی

(۷): تشہد ابن عباس رضی اللہ عنہما باب منہ میں ہے۔

"التحیات المبارکات الصلوت الطیبات للہ السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ سلام علینا"

"کما فی الترمذی ورواہ الجماعۃ الا البخاری" ترمذی میں یہ بتعریف السلام ہے اور نسائی وغیرہ سلام علیکم ہے۔

"بدون اللام وھو روایۃ الشافعی"

(۸): تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ "التحیات للہ والصلوات والطیبات ... الخ" اس کو احناف نے ترجیح دی ہے۔

"کما فی باب الترمذی واخرجہ الستۃ وروی مثلہ عن ابن عمر کما فی الطحاوی وعن معاویہ رضی اللہ عنہ کما فی الطبرانی وعن سلیمان رضی اللہ عنہ انصاری کما فی المسند البزار وعن ابی سعید الخدری وعن ابی بکر رضی اللہ عنہ کما روی الطحاوی عن عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کما فی البیہقی سعایہ، ج:۲، ص:۲۲۴"

(۹): سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ "کما فی ابی داؤد"

(۱۰): تشہد علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تقریباً چوبیس صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف تشہدات منقول ہیں۔

(عینی، جلد: ۳، ص ۱۷۸، شرح مہذب، ج: ۳، ص ۴۵۷)

یہاں پر تین تشہدات عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تشہد مشہور ہیں۔ باقی تشہدات منقولہ فی الحدیث سترہ کے قریب ہیں، اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ ان میں سے جس تشہد پر بھی عمل کر لیں تو جائز ہے۔ البتہ افضلیت میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: احناف کے ہاں تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔

قول ثانی: شوافع کے نزدیک تشہد ابن عباس رضی اللہ عنہما افضل ہے۔

قول ثالث: مالکیہ کے نزدیک تشہد عمر رضی اللہ عنہ افضل ہے۔

باقی احناف کے نزدیک تشہد ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اولیٰ ہے اس کی کئی وجوہ ترجیح ہیں۔

(۱): تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ بالاتفاق اصح سنداً ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: "وھو اصح حدیث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلّم فی التشھد"

(۲): تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تخریج پوری صحاح ستہ میں ہے اور دیگر تشہدات احادیث کی بعض کتابوں میں ہیں اور بعض میں نہیں، اب ظاہر ہے جو پوری صحاح میں ہو اس کو ترجیح ہوگی۔

(۳): حدیث تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں رواۃ کا لفظاً معنیً اتفاق ہے جبکہ دیگر احادیث تشہد میں لفظاً معنیً اختلاف ہے۔ بعض رواۃ بعض الفاظ کو نقل کرتے ہیں اور بعض نقل نہیں کرتے۔

(۴): تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا حکم بصیغہ امر دیا گیا ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں شیخین کے حوالہ سے قل التحیات ہے اور امر کا ادنیٰ درجہ استحباب ہے اور باقی تشہدات میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کا حکم بصیغہ امر دیا گیا ہے۔

(۵): تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تعلیم بڑے اہتمام سے دی گئی ہے۔ چنانچہ امام اعظم فرماتے ہیں: "اخذ بیدی حماد تعلمنی" آگے حماد کہتے ہیں "اخذ بیدی ابراھیم نخعی فعلمنی التشھد" آگے ابراہیم کہتے ہیں "اخذ بیدی علقمہ" اور علقمہ کہتے ہیں "اخذ بیدی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ" اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "اخذ بیدی فعلمنی التشھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم" اسی وجہ سے حدیث تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو مسلسل باخذ الید قرار دیا گیا ہے اور امام محمد بھی یوں ہی کہتے ہیں۔

(۱) تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تعلیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر بیٹھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دی، اس سے بھی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

(۷): تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا واؤین پر مشتمل ہونا یہ دال ہے تعدد جمل پر اور تعدد جمل دال ہے ذکر اللہ کی کثرت پر اور ظاہر ہے کہ جو ذکر اللہ کی کثرت پر دال ہے اور مشتمل ہے وہ اولیٰ وافضل ہوگا۔

(۸): تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں "سلامٌ معرّف بالّام" ہے اور معرف بالام استغراقی ہے جو معنی کی زیادتی پر دال ہے جبکہ دوسرے تشہدات میں سلام کا لفظ نکرہ ہے جو عموم پر دال نہیں۔ اب ظاہر ہے کہ وہ تشہد جس کے الفاظ عموم پر دال ہوں وہ اولیٰ ہوگا۔

(۹): نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو حکم دیا اس تشہد کو لوگوں کو سکھلانے کا۔

(۱۰): ہمارے امام ترمذی فرماتے ہیں "علیه العمل اکثر اهل العلم من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم ومن بعدهم من التابعین" تشہد کا حکم: یہ آخری قاعدہ میں تو واجب ہے اور قاعدہ اولیٰ میں سنیت اور وجوب دونوں قول ہیں احناف کے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّهُ يُخْفِي التَّشَهُّدَ تشہد بغیر آواز کے پڑھنا

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ أَنْ يُخْفِيَ التَّشَهُّدَ.

ترجمہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہا سنت ہے چپکے سے تشہد پڑھنا۔

تشریح اخفاء تشہد پر آئمہ کا اتفاق ہے۔ ہمارے نزدیک اگر جہراً پڑھی گئی تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔ اگر سجدہ سہو واجب نہ ہوتا تو جہراً پڑھنے میں کوئی نہ رُکتا لیکن قرأت فاتحہ وقرآن میں اس کا عکس بھی ہے۔ (مغتذی)

بَابُ كَيْفَ الْجُلُوسُ فِي التَّشَهُّدِ تشہد میں کیسے بیٹھا جائے؟

عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ قُلْتُ لَأَنْظُرَنَّ إِلَى صَلَاةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا جَلَسَ يَعْنِي لِلتَّشَهُّدِ افْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرَى يَعْنِي عَلَى فَخِذِهِ الْيُسْرَى وَنَصَبَ رِجْلَهُ الْيُمْنَى.

ترجمہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آیا میں مدینے میں کہ دیکھوں نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھر جب بیٹھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی تشہد میں بچھایا بایاں پیر اور رکھا بایاں ہاتھ یعنی بائیں ران پر اور کھڑا رکھا داہنا پیر۔

باب مِنْهُ أَيْضًا اسی سے متعلق

عَنْ عَبَّاسِ بْنِ سَهْلٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ اجْتَمَعَ أَبُو حُمَيْدٍ وَأَبُو أُسَيْدٍ وَسَهْلُ بْنُ سَعْدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ فَذَكَرُوا صَلٰوةَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِصَلٰوةِ رَسُولِ

اللہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَلَسَ یَعْنِیْ لِلتَّشَھُّدِ فَتَرَشَ رِجْلَہُ الْیُسْرٰی وَاَقْبَلَ بِصَدْرِ الْیُمْنٰی وَکَفَّہُ الْیُسْرٰی عَلٰی رُکْبَتِہِ الْیُسْرٰی وَاَشَارَ بِاُصْبَعِہٖ یَعْنِی السَّبَّابَۃَ

ترجمہ حضرت عباس بن سہل ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوحمیدؓ ابواسیدؓ سہل بن سعد اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم ایک جگہ جمع ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا تذکرہ شروع کر دیا۔ چنانچہ ابوحمید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں تم سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشہد کے لیے بیٹھے تو بایاں پاؤں بچھایا اور سیدھے پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ کی طرف کیا۔ پھر سیدھا ہاتھ دائیں گھٹنے پر اور بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھا اور اپنی شہادت کی اُنگلی سے اشارہ کیا۔

تشریح قعدہ میں بیٹھنے کی کیا کیفیت ہے؟ (۱) مطلقاً افتراش ہے یعنی دائیں پاؤں کو کھڑا کر کے بائیں بچھا کر اس پر بیٹھنا۔ (۲) تورک اس کی دو صورتیں ہیں (۱) دونوں پاؤں نکال کر یعنی ایک طرف نکال کر سرین کو زمین پر بچھا لیا جائے۔ (۲) دائیں پاؤں کو کھڑا کیا جائے اور بائیں کو ایک جانب میں نکالا جائے اور سرین کو زمین پر بچھا کر بیٹھا جائے۔

باقی اس میں اختلاف ہے کہ قعدہ میں تورک مسنون ہے یا افتراش، مسنون ہے۔

قول اوّل: احناف کے ہاں مطلقاً افتراش افضل ہے۔ پہلا قعدہ ہو یا دوسرا قعدہ ہو۔

قول ثانی: مالکیہ کے ہاں تورک ہے قعدہ اولیٰ ہو یا ثانیہ ہو۔

قول ثالث: شوافع: ہر وہ قعدہ جس کے بعد سلام ہو اس میں تورک ہے بعنوان آخر قعدہ اولیٰ میں افتراش ہے اور قعدہ ثانیہ میں تورک ہے۔

قول رابع: حنابلہ کے ہاں قعدہ ثانیہ میں تورک ہے اور ماسواء میں افتراش ہے۔ ثمرہ اختلاف: حنابلہ اور شوافع کا فجر کی نماز میں اور جمعہ کی نماز میں ظاہر ہوگا۔ شوافع کے ہاں چونکہ اس کے بعد سلام ہوگا اس لیے اس میں تورک ہوگا اور حنابلہ کے نزدیک چونکہ یہ قعدہ ثانیہ نہیں اس لیے اس میں تورک نہیں۔ اگرچہ امام ترمذی نے حنابلہ کو شوافع کے ساتھ ملا دیا، ہوسکتا ہے ان کی کوئی روایت ایسی ہو جو شوافع کے موافق ہو۔ شیخ الحدیث آئمہ اربعہ کے اختلاف کو بیان کرنے میں بہت زیادہ احتیاط کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ تفصیل حضرت شیخ الحدیث نے بیان کی ہے۔

احناف کی دلیل اوّل: حدیث وائل ابن حجر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھتے تو بایاں پاؤں بچھا لیتے اور دایاں ہاتھ رانوں پر رکھ لیا اور دایاں پاؤں کو کھڑا کر لیا، یہ عموم کی وجہ سے دونوں قعدوں کو شامل ہے۔

دلیل ثانی: حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا "اخرجہ صحیحین مطلقاً افتراش" مذکور ہے۔

دلیل ثالث: اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ "الذی اخرجہ النسائی انما سنۃ الصلوٰۃ ان یفترش رجلہ الیسری وینصب قدمہ الیمنی" یہ عام ہے قعدہ اولیٰ اور قعدہ ثانیہ دونوں کو شامل ہے۔

مالکیہ کی دلیل: فعل ابن عمر رضی اللہ عنہ "الذی اخرجه المالک مؤطاه" اور یہ حریص علی اتباع النبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

شوافع کی دلیل: حدیث ابوحمید ساعدی جس کا مضمون یہ ہے کہ اور خصوصاً ان احادیث میں سے جس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تورک کیا، پھر سلام پھیرا، معلوم ہوا کہ ہر سلام والے قعدہ میں تورک ہوگا۔

جواب (۱): نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تورک کیا لیکن عذر کی وجہ سے جب بدن بھاری ہوا تو آسانی تورک میں ہوتی ہے پاؤں بوجھ برداشت نہیں کر سکتے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال ہوا تو فرمایا کہ میرے پاؤں تحمل نہیں کرتے۔

جواب (۲): حدیث ابوحمید ساعدی متناً مضطرب ہے سنداً بھی قابل استدلال نہیں۔

جواب (۳): یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ محمد بن عمرو کا سماع عن ابی حمید وعن ابی قتادہ ثابت نہیں ہے۔ دلیل اولاً یہ ہے "ان فی بعض الروایات ثبت بین محمد بن عمرو و بین ابی حمید رجل اخر وھو عباس بن سھیل" ثانیاً یہ کہ ابوقتادہ خلافت علی ۴۰ ہجری میں وفات پا گئے اور محمد بن عمرو کا ان سے سماع ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے اور قابل استدلال نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الإِشَارَةِ تشہد میں اشارہ کرنے کے بیان میں

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلَاةِ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى رُكْبَتِهِ وَرَفَعَ إِصْبَعَهُ الَّتِي تَلِي الإِبْهَامَ يَدْعُو بِهَا وَيَدُهُ الْيُسْرَى عَلَى رُكْبَتِهِ بَاسِطَهَا عَلَيْهِ.

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھتے نماز میں رکھتے سیدھا ہاتھ سیدھے زانو پر اور اُٹھاتے وہ انگلی جو انگوٹھے کے پاس ہے، دُعا کرتے اس سے اور بایاں ہاتھ بائیں زانو پر کھولے ہوئے اُنگلیاں اس کی زانو پر۔

تشریح اشارہ سے مراد اشارہ فی التشہد ہے تشہد میں شہادت توحید کے وقت اشارہ کرنا۔ باقی اس میں یہ بحث ہے کہ تشہد میں مسبحہ سے اشارہ کرنا مسنون ہے یا نہیں؟ تو جمہور فقہاء آئمہ اربعہ متقدمین اور متاخرین متفق ہیں کہ تشہد میں شہادت توحید کے وقت اشارہ بالمسبحہ مسنون ہے۔ البتہ بعض متاخرین ماوراء النھر قائل ہیں کہ مسنون نہیں اور نفی کرنے والے حضرات میں سے حضرت مجدد الف ثانی بھی ہیں اور حنفیہ کی بعض غیر معتبر کتابوں میں اس اشارے کی مستقل تشدید کی گئی ہے اور بعض میں مکروہ اور بعض میں حرام قرار دیا گیا ہے لیکن یہ درست نہیں، اس لیے کہ امام محمد نے مؤطا میں تصریح کی ہے کہ امام صاحب کے نزدیک اور اسی کے حاشیہ میں ہے کہ قاضی صاحب کا بھی یہی مذہب منقول ہے کہ یہ مسنون ہے۔

جمہور فقہاء کی دلیل: احادیث کثیرہ صحیحہ جس میں سے امام ترمذی نے ایک حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کو صراحتاً ذکر کیا اور پانچ کا حوالہ دیا ان کا قدرِ مشترک اشارہ کا اثبات ہے اور بھی محدثین نے چار احادیث کا ان پر اضافہ کیا ہے جن کا قدرِ مشترک یہ ہے کہ شہادت توحید کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ "بالمسبحہ" ثابت ہے۔

نافیین کی دلیل اوّل: احادیث "متعلقه بالاشاره بالمسبّحه فی التشهد" میں اضطراب ہے اور اضطراب عمل سے مانع ہوتا ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے حدیث قلتین میں اضطراب ہے اور اس اضطراب کی وجہ سے احناف نے اس پر عمل نہیں کیا۔

دلیل ثانی: اگر تشہد میں اشارہ کیا جائے تو پھر یہ ان احادیث کی مخالفت ہوگی جن میں بسط الاصابع کا ذکر ہے۔ مثلاً یہی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما اس میں "باسالها اصابعیه" ہے۔

دلیل ثالث: اگر اشارہ بالمسبحہ کیا جائے تو لازم آئے گا انگلیوں کا رُخ قبلہ کی طرف نہ ہو۔

دلیل رابع: "اشاره بالمسبّحه" کی ضرورت نہیں اور اس کو تکبیر تحریمہ والی رفع یدین پر قیاس بھی نہ کریں وہاں تو ضرورت ہوتی ہے بہروں کو بتلانے کی اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی ضرورت نہیں۔

دلیل خامس: اگر اشارہ بالمسبحہ کیا جائے تو روافض کے ساتھ مشابہت لازم آئے گی کہ وہ انگلیاں ہلاتے رہتے ہیں اور فرقہ باطلہ کی مشابہت سے بچنا چاہیے۔

دلیل اوّل کا جواب: یہ ہے کہ اضطراب مسلم نہیں ہے اضطراب تب ہو کہ جب حدیث ایک ہو اور الفاظ کئی ہوں اور اشارہ کے متعلق تو متعدد احادیث ہیں اور اس کو حدیث قلتین پر قیاس بھی نہیں کر سکتے کیونکہ تطبیق نہیں ہوسکتی بخلاف اس حدیث کے کہ کیفیت اشارہ میں تطبیق ہوسکتی ہے جس کیفیت پر بھی عمل کرلیا جائے تو جائز ہے۔ چنانچہ احناف کے ہاں خنصر بنصر کو بند کر کے وسطٰی اور ابہام کے ساتھ حلقہ بنا کر مسبحہ کے ساتھ اشارہ کیا جائے۔

دلیل ثانی کا جواب: بساط اصابع ابتداءً تشہد کے اعتبار سے ہے وقت اشارہ کے اعتبار سے نہیں۔

دلیل ثالث کا جواب: اشارے کے وقت انگلیوں کا قبلہ رُخ نہ رہنا باعث عیب نہیں جیسے قیام کی حالت میں بھی تو انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف نہیں رہتا۔ لہٰذا جمیع احوال میں استقبال مطلوب نہیں۔

چوتھی دلیل کا جواب: اگر ضرورت نہ ہوتی تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں کرتے؟ مشکوٰۃ کی روایت میں ہے "هی اشدّ علی الشیطان من الحدید" نیز اس میں حکمت بھی ہے کہ جس طرح توحید کا اقرار زبان سے ہے اسی طرح عمل سے بھی ہونا چاہیے۔

دلیل خامس کا جواب: جو امر شرعاً ثابت ہو اگر اس کو فاسق لوگ کرنے لگ جائیں تو اس کو چھوڑا نہیں جائے گا اور باقی رہی یہ بات کہ جو مجدد الف ثانی نے انکار فرمایا، ہوسکتا ہے ان کو یہ احادیث نہ پہنچی ہوں، کتابیں بعد میں طبع ہوئی ہیں۔ مرزا جانِ جاں دو واسطوں سے حضرت کے مرید ہیں، انہوں نے یہی جواب دیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسلِيمِ فِي الصَّلَاةِ نماز میں سلام پھیرنا

عَنْ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ.

ترجمہ حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے سیدھے طرف اور بائیں طرف السلام علیکم ورحمۃ اللہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ یعنی سلام ہو تم پر اور رحمت خدا کی۔

بَابُ مِنْهُ أَيْضًا دوسرا باب اسی بیان میں

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُسَلِّمُ فِي الصَّلَاةِ تَسْلِيمَةً وَاحِدَةً تِلْقَاءَ وَجْهِهِ، ثُمَّ يَمِيلُ إِلَى الشِّقِّ الْأَيْمَنِ شَيْئًا.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سلام پھیرتے نماز میں منہ کے سامنے پھر پھیرتے داہنی طرف تھوڑا سا۔

تشریح اس باب میں دو مسئلے ہیں۔ مسئلہ اختلافی: سلام کی حیثیت کیا ہے؟ فرض ہے یا واجب ہے؟ مسئلہ ۲: یہ ہے کہ سلام کی مقدار کتنی ہے یعنی عدد کتنا ہے؟ مسئلہ ثانیہ:

قول اوّل: جمہور کا قول یہ ہے کہ دو سلام ہیں، عام ازیں منفرد ہو یا مقتدی ہو یا امام۔

قول ثانی: مالکیہ فرماتے ہیں ایک سلام ہے دائیں جانب۔

جمہور کی دلیل: امام ترمذی نے پہلے باب میں حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو صراحتاً ذکر کیا اور وفی الباب کے تحت آٹھ صحابہ رضی اللہ عنہم کی حدیثوں کا حوالہ دیا اور دیگر محدثین نے نو پر بھی اضافہ کیا ہے۔ چنانچہ ابو مالک اشعری، اوس بن اوس اور ابو رمثہ اس سے بھی زیادہ احادیث صحیحہ کثیرہ کا ذکر کرتے ہیں، ان میں دو سلاموں کا ذکر ہے۔

مالکیہ کی دلیل: دوسرے باب میں (باب منہ ایضاً) حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم یسلم فی الصّلٰوۃ تسلیمۃ واحدۃ تلقاء وجھہ ثم یمیل الی الشق الایمن شیئًا"

جواب (۱): یہ حدیث سنداً ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں زہیر بن محمد ہیں اور اس کے متعلق محدثین کا اُصول یہ ہے کہ اس کی وہ روایات جو اس سے اہل شام نقل کرتے ہیں "لیس بصحیحٍ" اور زہیر بن محمد کی وہ روایات جو اہل عراق نقل کرتے ہیں وہ اصح ہیں اور سلام سے متعلق جو روایات ہیں اس کو عمرو بن سلمہ نقل کرتے ہیں۔ یہ شامی و دمشقی ہیں، اس لیے یہ روایت صالح الاستدلال نہیں۔

وجہ فرق: جب تک زہیر عراق میں تھے تو بیاض کو دیکھ کر بیان کرتے تھے اور خطاء نہ کرتے جب شام میں گئے تو صحیفہ کسی عارض کی وجہ سے جل گیا یا گم ہو گیا، اس کے بعد زبانی حدیثیں بیان کرتے تھے اور خطاء ہو جاتی تھی۔

جواب (۲): حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مؤوّل ہے اور تاویل یہ ہے کہ حدیث کا مدلول وحدت سلام کو بیان کرنا نہیں بلکہ کیفیت کو بیان کرنا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام کی کیفیت یہ ہوتی تھی کہ سلام کا آغاز سامنے سے ہوتا اور انتہاءً میلان دائیں جانب ہو جاتا، پھر دوسرے سلام کا آغاز سامنے سے ہوتا، پھر انتہاءً میلان بائیں جانب ہو جاتا چونکہ دونوں

سلاموں کی کیفیت ایک تھی اس لیے کہا کہ یہ ایک جیسا سلام تھا جو کیفیت دائیں جانب تھی وہی کیفیت بائیں جانب تھی۔

جواب (۳): حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مؤوّل ہے اور اس کا مدلول یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جہراً ایک ہی سلام پھیرتے اور دوسرے سلام میں پہلے سلام کے مقابلے میں اخفاء ہوتا۔ اب معنی یہ ہوگا کہ جہراً ایک سلام کرتے، اس لیے کہ یہ جہر بالقرأۃ کے ماسواء جہر ہے اور اس سے مقصود اعلام ہے اور سلام کے جہر سے مقصود اعلام عن خروج الصلوٰۃ کی اطلاع دینا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ایک ہی سلام جہراً کرنا کافی ہے۔

اس پر قرینہ یہ ہے کہ حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے چار قسم کے لفظ ہیں، پہلے تو یہی ہیں (۲) "یسلِّمُ تسلیمة" (۳) "یسلِّمُ تسلیمةً یُسمعنا" (۴) "یُسلِّم تسلیمًا" ان چاروں الفاظ کا قدر مشترک یہ ہے کہ جہراً ایک ہی سلام کرتے۔ اب ظاہر ہے کہ اُم المؤمنین پچھلی صفوں میں ہوتی تھیں اور پہلے سلام کو سنتی تھی اس لیے "یُسلِّم واحدۃً" ذکر کیا۔

جواب (۴): اس کے مقابلے احادیث اثنینیت سلام مثبت للزیادۃ ہیں اس لیے راجح ہیں۔

جواب (۵): حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مقابلے دیگر اکابر رجال صحابہ سے منقول ہیں اور ظاہر ہے کہ اکابر رجال صحابہ رضی اللہ عنہم پر یہ بات زیادہ منکشف ہوگی بنسبت اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کہ یہ تو پچھلی صفوں میں ہوتی تھیں۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ حَذْفَ السَّلَامِ سُنَّةٌ سلام کو حذف کرنا سنت ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ حَذْفُ السَّلَامِ سُنَّةٌ قَالَ عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ يَعْنِي أَنْ لَا تَمُدَّهُ مَدًّا

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کہا سلام کو حذف کرنا سنت ہے کہا علی بن حجر نے اور کہا ابن مبارک نے یعنی مدنہ کرتو اس میں۔

تشریح: سلام کا حذف کرنا سنت ہے اس کا معنی ابن مبارک یہ بیان کرتے ہیں کہ "لا تمدُّ مدًّا" یہ بھی مبہم ہے۔ ایک مطلب یہ ہے کہ سلام کو لمبا نہ کیا جائے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ لفظ جلالہ کی ھاء کو ساکن پڑھا جائے چونکہ اس معنی میں دو احتمال تھے اس لیے ابراہیم نخعی کا قول نقل کیا اور دوسرے احتمال کو متعین کر دیا جیسے اللہ اکبر اور انہی کو کہتے ہیں "التکبیر جزم التسلیم جزمٌ"

بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا سَلَّمَ سلام پھیرنے کے بعد کیا کہے؟

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ لَا يَقْعُدُ إِلَّا مِقْدَارَ مَا يَقُولُ اللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام پھیرتے تو

نہ بیٹھتے مگر اتنا کہ کہتے اللھم سے آخر تک اور معنی اس کے یہ ہیں: یا اللہ! تو ہی ہے سلام اور تجھی سے ہے سلامتی بڑی برکت والا ہے تو بزرگی اور عزت والا۔

قَالَ حَدَّثَنِي ثَوْبَانُ مَوْلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنْصَرِفَ مِنْ صَلَاتِهِ اسْتَغْفَرَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ.

ترجمہ حضرت ثوبان سے روایت ہے جو مولیٰ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ارادہ کرتے نماز سے پھرنے کا مغفرت مانگتے تین بار پھر کہتے ''أَنْتَ السَّلَامُ'' سے آخر تک اور معنی اس کے اسی باب میں گزرے۔

تشریح یہاں پر چند مسئلے ہیں۔

مسئلہ اولیٰ: علامہ جزری لکھتے ہیں ''واما یزاد بعد قولہ ومنک السلام قولھم وعلیک یرجع السلام وحینا ربنا بالسلام وادخلنا دار السلام غلط لا اصل لہ کذا فی المرقاۃ''

مسئلہ ثانیہ: اس باب میں حدیث ثوبان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد تین بار استغفار پڑھتے تھے۔

اشکال: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مغفور ہیں نیز وہ معصوم ہیں تو طلب استغفار کی وجہ کیا ہے؟ اس کے متعدد جوابات ہیں:

جواب اوّل: ملا علی قاری مرقاۃ میں لکھتے ہیں ''ھذا من المتشابہ ویجب التوقف والتفویض الی اللہ''

جواب ثانی: یہ قبیل ذکر شی وارادت للازم والمتعلق ہے مغفرت کے ساتھ ''ومابحقوق العبادۃ واداۓ الشکر متصل ومتعلق کاللازم'' ہے تو یہاں پر ذکر مغفرت وطلب مغفرت ہے اور مراد طلب توفیق باداۓ حقوق العبادۃ وحقوق شکر ہے۔

جواب ثالث: اس میں تعلیم للامت ہے کہ اُمت کو استغفار کرنا چاہیے۔

جواب رابع: ''اللّٰھم اغفر لی'' میں مغفرت ذنوبہ مراد نہیں ہے بلکہ مضاف محذوف ہے اور مراد مغفرت ذنوب اُمۃ ہے۔

جواب خامس: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں ان کے ذنوب نہیں ہوتے لیکن اُمور مباحہ کے اشتغال کو بمنزلہ ذنوب فرض کیا گیا ہے ''اذ حسنات الابرار سیئات المقربین''

جواب سادس: ''انہ علیہ السلام کان مشغولا بمصالح الامۃ والشغل بھذہ الامور وان کان من الطاعات لکنہ مانع عن الشغل بما اعظم منہ وھذا نوع قصور فاستغفر منہ''

جواب سابع: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی جلال ذات اللہ وکمال صفات اللہ میں تفکر کرتے تھے تو اپنی طاعت ذات جلیلہ وصفات عظیمہ کے مقابلے میں کم نظر آتی تھی اور قصور نظر آتا تھا تو اس قصور سے مغفرت مانگتے تھے۔

جواب ثامن: بعض صوفیاء نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر ہر وقت حق تعالیٰ کے اور عالم لاھوت کے

نئے نئے انوار منکشف ہوتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت ان تجلیات میں مترقی تھے۔ "وفکلما ترق الی درجۃ العلیاء ونظر الی درجۃ السفلی وبعد تلک السفلی ذنبا یستغفر منہ وھذا عجیب" تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس غین سے استغفار کرتے تھے "کما ورد فی بعض الاحادیث انہ یغان علی قلبہ فاستغفر اللہ" اس غین سے مراد غین انوار سفلی ہیں نہ غین اغیار اللہ قال الامام الشاذلی۔

مسئلہ ثالثہ: ابن القیم نے دُعا بعد المکتوبہ مستقبل قبلہ سے انکار کیا ہے "وقال انہ لم یثبت" حافظ ابن حجر اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں یہ دُعا ثابت ہے بحدیث معاذ رضی اللہ عنہ مرفوعا "انی لاصبک فلا تدع دبر کل صلوٰۃ ان تقول اللّٰھم اعنی علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک اخرجہ ابو داؤد وبحدیث ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ مرفوعا اللّٰھم اعوذ بک من الکفر والفجر وعذاب القبر وفیہ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلّم یدعو بھن دبر کل صلوٰۃ اخرجہ احمد وابو داؤد"

مسئلہ رابعہ: یہ دُعا بصورت اجتماع برفع الایدی بعد الفرائض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ثابت نہ تھی، صرف استسقاء میں ثابت ہے بلکہ کتب حدیث کے علاوہ کتب فقہ سے بھی ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا اگر اس دُعا کو مسنون ولازم سمجھا جائے تو بدعت ہے اور اگر ویسے فعل دُعا کرلیں بغیر اعتقاد مسنونیت وبغیر اعتقاد لزوم "فلا بأس بہ۔ لان نفس الدعاء ورفع الایدی من امور المشروعۃ"

مسئلہ خامسہ: اور دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ مابعد میں آنے والی حدیث میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کلمات سے زائد مقدار بیٹھے رہتے جبکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کلمات کی مقدار ہی بیٹھتے۔

جواب (۱): یہ حصر تقریبی ہے تحقیقی ہے۔

جواب (۲): ہیئت صلوتیہ پر اتنی مقدار بیٹھے رہتے، پھر ہیئت صلوتیہ کو بدل دیتے۔ جواب ۳: حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں جو حصر ہے وہ روایت بالمعنی ہے ورنہ نسائی کی روایت میں جو الفاظ ہیں ان سے حصر معلوم نہیں ہوتا۔

قولہ "لا ینفعک ذا الجدّ منک الجدّ" اس کے تین معنی کیے جاتے ہیں۔ (۱) کسی دولت مندی کی دولت آپ کے مؤاخذہ سے نہیں بچاسکتی۔ (۲) یا پھر جد دادا کے معنی میں ہے کسی ذی نسب کا نسب آپ کی پکڑ سے نہیں بچاسکتا۔ (۳) کسی ذو نصیبہ کا نصیبہ آپ کی پکڑ سے نہیں بچاسکتا اور اگر بکسر الجیم ہو تو پھر معنی یہ ہے کہ کسی کوشش والے کی کوشش آپ کی پکڑ سے نہیں بچاسکتی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الِانْصِرَافِ عَنْ يَمِينِهِ، وَعَنْ يَسَارِهِ نماز کے بعد امام کا دونوں جانب گھومنا

عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ هُلْبٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّنَا فَيَنْصَرِفُ عَلَى جَانِبَيْهِ جَمِيعًا عَلَى يَمِينِهِ وَعَلَى شِمَالِهِ.

ترجمہ حضرت قبیصہ بن ھلب سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری امامت کرتے تو پھر کر بیٹھتے دونوں طرف کبھی دائیں طرف کبھی بائیں طرف۔

تشریح خلاصہ یہ ہے کہ نماز کے بعد دونوں جانب رُخ کرنا جائز ہے لیکن کسی ایک حالت کولازم سمجھنا یہ حظ شیطانی ہے۔ حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانب تبدیل کرنا حاجت کی وجہ سے تھا اس کا منشاء تشریع نہ تھا۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اگر اس کو دائیں طرف کوئی حاجت ہو تو دائیں جانب چلا جائے اور اگر بائیں جانب کوئی حاجت ہے تو بائیں طرف چلا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي وَصْفِ الصَّلَاةِ پوری نماز کی صفت

عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَمَا هُوَ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ يَوْمًا قَالَ رِفَاعَةُ وَنَحْنُ مَعَهُ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ كَالْبَدَوِيِّ فَصَلَّى فَأَخَفَّ صَلَاتَهُ ثُمَّ انْصَرَفَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْكَ فَارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ، فَرَجَعَ فَصَلَّى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ وَعَلَيْكَ فَارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ، فَفَعَلَ ذٰلِكَ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا كُلُّ ذٰلِكَ يَأْتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُولُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْكَ فَارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ، فَخَافَ النَّاسُ وَكَبُرَ عَلَيْهِمْ أَنْ يَكُونَ مَنْ أَخَفَّ صَلَاتَهُ لَمْ يُصَلِّ فَقَالَ الرَّجُلُ فِي آخِرِ ذٰلِكَ فَأَرِنِي وَعَلِّمْنِي فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أُصِيبُ وَأُخْطِئُ فَقَالَ أَجَلْ إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَتَوَضَّأْ كَمَا أَمَرَكَ اللهُ ثُمَّ تَشَهَّدْ فَأَقِمْ أَيْضًا، فَإِنْ كَانَ مَعَكَ قُرْآنٌ فَاقْرَأْ وَإِلَّا فَاحْمَدِ اللهَ وَكَبِّرْهُ وَهَلِّلْهُ ثُمَّ ارْكَعْ فَاطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ اعْتَدِلْ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ فَاعْتَدِلْ سَاجِدًا ثُمَّ اجْلِسْ فَاطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ قُمْ فَإِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ وَإِنِ انْتَقَصْتَ مِنْهُ شَيْئًا انْتَقَصْتَ مِنْ صَلَاتِكَ، قَالَ وَكَانَ هٰذَا أَهْوَنَ عَلَيْهِمْ مِنَ الْأَوَّلِ أَنَّهُ مَنِ انْتَقَصَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا انْتَقَصَ مِنْ صَلَاتِهِ، وَلَمْ تَذْهَبْ كُلُّهَا.

ترجمہ حضرت رفاعہ بن رافع سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے مسجد میں ایک دن کہا رفاعہ نے اور ہم بھی ان کے پاس تھے اتنے میں آیا ایک مرد دیہاتی سا سو نماز پڑھی بہت ہلکی نماز پھر پھرا اور سلام کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سو فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور تجھ پر بھی یعنی تجھ پر بھی سلام ہے پھر جا اور نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی سو پھر وہ مرد اور پھر نماز پڑھی، پھر آیا اور سلام کیا پھر جواب دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ویسا ہی اور فرمایا جا نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی دو بار ایسا ہوا یا تین بار کہ ہر بار وہ آتا تھا اور سلام کرتا تھا نبی صلی اللہ

علیہ وسلم پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب دے کر فرماتے تھے پھر اور نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی سو گھبرا گئے لوگ اور بہت مشکل معلوم ہوئی ان کو یہ بات کہ جس نے ہلکی نماز پڑھی اس نے پڑھی ہی نہیں۔ سو عرض کیا اس مرد نے آخر میں بتائیے اور سکھائیے مجھ کو میں تو آدمی ہوں بات سمجھتا بھی ہوں اور چوک بھی جاتا ہوں سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھا جب کھڑا ہو تو نماز کو تو وضو کر جیسا بتلایا اللہ نے پھر شہادتین پڑھ یعنی اذان دے، پھر تکبیر کہہ سو اگر تجھے کچھ قرآن یاد ہو تو پڑھ اور نہیں تو اللہ کی تعریف کر اور بزرگی بیان کر اور لا الٰہ الا اللہ کہہ پھر رکوع کر اور خوب ٹھہر رکوع میں پھر خوب سیدھا کھڑا ہو جا پھر سجدہ کر اور خوب برابر سجدہ کر پھر بیٹھ اور خوب ٹھہر بیٹھنے میں پھر کھڑا ہو جا تو جب ایسا کر چکا تو پوری ہو گئی تیری نماز اور اگر کچھ گھٹایا اس میں سے تو اتنا ہی گھٹایا تو نے اپنی نماز میں سے اور اس بات میں بڑی آسانی ہوتی ہے ان پر یعنی صحابہ پر بہ نسبت پہلی بات کے کہ جس نے کچھ گھٹایا نماز میں سے تو اتنا ہی نقصان ہوا جتنا گھٹایا یہ نہیں کہ ساری نماز جاتی رہی۔ یعنی پہلی بات سے صحابہ بہت گھبرائے دوسری بات سے تسکین ہو گئی۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَدَخَلَ رَجُلٌ فَصَلَّى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ فَقَالَ ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ، فَرَجَعَ الرَّجُلُ فَصَلَّى كَمَا كَانَ صَلَّى ثُمَّ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَرَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ فَقَالَ لَهُ ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ حَتَّى فَعَلَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أُحْسِنُ غَيْرَ هٰذَا فَعَلِّمْنِي فَقَالَ إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَعْتَدِلَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا وَافْعَلْ ذٰلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں آئے اور ایک مرد بھی آیا سو اس نے نماز پڑھی پھر آیا اور سلام کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سو جواب دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سلام کا اور فرمایا جا پھر نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی پھر گیا وہ مرد اور پڑھی نماز جیسے پہلے پڑھی تھی پھر آیا اور سلام کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا اور فرمایا جا نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی ایسا ہی تین بار کیا سو عرض کیا اس مرد نے قسم ہے اس کی جس نے بھیجا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ اس سے اچھی نہیں پڑھ سکتا، میں سو مجھے سکھائیے تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کھڑا ہو تو نماز کو تکبیر کہہ پھر پھر قرآن جو ہو سکے پھر رکوع کر اور ٹھہر رکوع میں پھر اُٹھ کھڑا ہو، یہاں تک کہ خوب بیٹھے اطمینان سے اور ایسا ہی کر اپنی ساری نماز میں یعنی ایک رکعت کی ترکیب ہوئی اب سب رکعتیں اسی طرح ادا کر۔

قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ سَمِعْتُهُ وَهُوَ فِي عَشَرَةٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدُهُمْ أَبُو قَتَادَةَ بْنُ رِبْعِيٍّ يَقُولُ أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا مَا كُنْتَ أَقْدَمَنَا لَهُ صُحْبَةً وَلَا أَكْثَرَنَا لَهُ إِتْيَانًا قَالَ بَلَى، قَالُوا فَاعْرِضْ فَقَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ اعْتَدَلَ قَائِمًا وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ قَالَ اللهُ أَكْبَرُ وَرَكَعَ ثُمَّ اعْتَدَلَ فَلَمْ يُصَوِّبْ رَأْسَهُ وَلَمْ يُقْنِعْ وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَاعْتَدَلَ حَتَّى يَرْجِعَ كُلُّ عَظْمٍ فِي مَوْضِعِهِ مُعْتَدِلًا ثُمَّ هَوَى إِلَى الْأَرْضِ سَاجِدًا ثُمَّ قَالَ اللهُ أَكْبَرُ ثُمَّ جَافَى عَضُدَيْهِ عَنْ إِبْطَيْهِ وَفَتَخَ أَصَابِعَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ ثَنَى رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَقَعَدَ عَلَيْهَا ثُمَّ اعْتَدَلَ حَتَّى يَرْجِعَ كُلُّ عَظْمٍ فِي مَوْضِعِهِ مُعْتَدِلًا ثُمَّ هَوَى سَاجِدًا ثُمَّ قَالَ اللهُ أَكْبَرُ ثُمَّ ثَنَى رِجْلَهُ وَقَعَدَ وَاعْتَدَلَ حَتَّى يَرْجِعَ كُلُّ عَظْمٍ فِي مَوْضِعِهِ ثُمَّ نَهَضَ ثُمَّ صَنَعَ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذَلِكَ حَتَّى إِذَا قَامَ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ كَمَا صَنَعَ حِينَ افْتَتَحَ الصَّلَاةَ ثُمَّ صَنَعَ كَذَلِكَ حَتَّى كَانَتِ الرَّكْعَةُ الَّتِي تَنْقَضِي فِيهَا صَلَاتُهُ أَخَّرَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَقَعَدَ عَلَى شِقِّهِ مُتَوَرِّكًا ثُمَّ سَلَّمَ.

ترجمہ حضرت محمد بن عمرو بن عطاء سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں ابی حمید ساعدی سے کہا محمد بن عمرو نے سنا میں نے ابی حمید کو اور وہ دس صحابیوں میں بیٹھے تھے کہ ان میں ابی قتادہ ربعی بھی تھے کہتے تھے ابوحمید میں تم سب سے بہتر جانتا ہوں نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ بولے تم کچھ ہم سے پہلے نہیں آئے تھے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں اور نہ ہم سے زیادہ آمد ورفت رکھتے تھے، بولے ابوحمید یہ تو سچ ہے سو کہا سب صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیان کرو تو کہا ابوحمید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے نماز کو تو سیدھے کھڑے ہو جاتے اور دونوں ہاتھ اُٹھاتے شانوں تک پھر کہتے اللہ اکبر اور رکوع میں چلے جاتے پھر خوب برابر رہتے اور نہ جھکاتے سر اپنا اور نہ بلند کرتے یعنی سر اور پیٹھ برابر رکھتے دونوں پنجے زانوؤں پر رکھتے پھر کہتے سمع اللہ لمن حمدہ یعنی سنا اللہ نے اس کی بات کو جس نے اس کی تعریف کی اور بلند کرتے دونوں ہاتھ یعنی جیسا رکوع میں جاتے وقت کیا تھا، پھر سیدھے کھڑے ہو جاتے کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر آجاتی پھر جھکتے زمین کی طرف سجدہ کو پھر کہتے اللہ اکبر اور جدا رکھتے اپنی بانہیں بغلوں سے اور کھلے رکھتے انگلیاں اپنے پیروں کی پھر بایاں پیر موڑ کر اس پر بیٹھ جاتے پھر برابر بیٹھ جاتے کہ ہو جاتی ہر ہڈی اپنی جگہ میں پھر جھکتے سجدے کو اور کہتے اللہ اکبر پھر موڑتے پیر اور سیدھے بیٹھتے کہ ہر ہڈی اپنی جگہ

میں پہنچ جاتی پھر اُٹھتے اور ایسا ہی دوسری رکعت میں بھی کرتے یہاں تک کہ دو رکعتوں کے بعد اُٹھتے تو اللہ اکبر کہتے اور دونوں ہاتھ اُٹھاتے شانوں تک یعنی تیسری رکعت کو جب اُٹھتے جب بھی رفع الیدین کرتے جیسا کیا تھا نماز شروع کے وقت پھر ایسا ہی کرتے رہتے یہاں تک کہ جب دو رکعت ہوتی کہ جس میں پوری ہوتی نماز ان کی یعنی آخری رکعت میں پیچھے کردیتے بایاں پیر یعنی داہنی طرف نکال دیتے اور بیٹھ جاتے سرین پر اور سلام پھیر دیتے۔

تشریح حدیث اعرابی "المسیئ فی الصّلٰوۃ" ان کا نام خلاد بن رافع ہے۔

سوال: خلاد بن رافع تو سنہ ۲ ہجری میں غزوہ بدر میں شہید ہوگئے اور اس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی نقل کررہے ہیں جو سنہ ۷ ہجری میں اسلام لائے؟

جواب (۱): یہ مرسل صحابی کے قبیل سے ہے۔ دوسرے صحابی سے سن کر، باقی تعدیل ارکان کے قائلین کی ایک دلیل یہی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی نفی کی "لم تصلِّ"

جواب (۲): "لم تصلّ صلوٰۃ" کاملا کے معنی میں ہے اور قرینہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بار بار تکرار کرنا اگر یہ نماز نہ ہوتی تو بار بار کیسے پڑھواتے اور دوسرا قرینہ یہ ہے کہ یہ حدیث کے اخیر میں "ان تنقص من ذالک شیئا" اس تعدیل ارکان کے چھوڑنے کو نقصان سے تعبیر فرمایا۔

سوال: پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوّل وہلہ میں تعلیم کیوں نہ دی یہ تقریر علی الخطاء ہے؟

جواب اوّل: یہ تقریر علی الخطاء نہیں بلکہ تحقق کے خطاء کے قبیل سے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوّل یہ خیال فرمایا کہ کوتاہی کی وجہ سے ایسا کررہا ہے جب بار بار دیکھا تو معلوم ہوگیا کہ اس کو مسئلہ معلوم نہیں۔

جواب ثانی: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود اہمیت دلانا تھا تاکہ آگے جو بات بتلائی جائے اس کی اہمیت دلنشین ہوجائے، اس لیے بار بار اعادے کا حکم دیا۔

جواب ثالث: ابن دقیق العید لکھتے ہیں کہ تقرر علی الخطاء میں اگر کوئی زائد فائدہ ہو تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہاں پر زیادہ فائدہ تھا آگے تعلیم کا کیونکہ جب طالب علم بار بار غلطی کرے اور دل میں پوری طرح سمجھنے کا شوق پیدا ہوجائے تو اس سے تعلیم زیادہ دلنشین ہوتی ہے۔

جواب رابع: علامہ تورپشتی لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے اوّلاً اس کی تعلیم سے خاموش ہوئے کہ اعرابی نے خود سوال نہیں کیا اور اسے اپنے علم پر گھمنڈ کیوں ہوا اور اعادے سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیوں نہ پوچھا تو زجراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تعلیم سے خاموش رہے۔ البتہ مرۃ ثالثۃ اس نے خود پوچھا تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا۔

سوال: اس آدمی نے سوال کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وعلیک" حالانکہ قرآن میں ہے "فحیّوا باحسن منہا" اور "وعلیک" یہ تورد بالمثل بھی نہیں۔ چہ جائیکہ "احسن منہا" ہو؟

جوابِ اوّل: یہ راوی کا اختصار ہے مسلم کی روایت میں ''وعلیک السّلام''

جوابِ ثانی: اگر اس حدیث کو صحیح سمجھیں تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اکتفاء کرنا زجراً ہے یعنی جو ایسی نماز پڑھے اس کے سلام کا جواب بھی ایسا ہی دیا جائے گا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی ناقص نماز مسجد نبوی میں بھی پڑھے گا تو بھی نماز ناقص ہی رہے گی۔

''حدّثنا محمد بن بشار'' اس حدیث میں تین مسئلے ہیں اور تینوں احناف کے خلاف ہیں۔(۱) متنازع فیہ رفع یدین میں، یہ مواقع اربعہ میں رفع یدین ہے۔(۲) جلسہ استراحت (۳) اخیری قعدہ میں تورک پہلے مسئلہ کا جواب ماقبل میں گزر چکا۔ مسئلہ ثانیہ کا جواب: جلسہ استراحت کیا عذر کی وجہ سے اور تورک بھی عذر کی وجہ سے۔

جوابِ ثالث: یہ سنداً وزنی نہیں اس میں راوی عبدالحمید بن جعفر متکلم فیہ ہیں اور دوسری وجہ اس کی سند میں محمد بن عمرو بن عطاء ہیں، ان کی ابوحمید ساعدی سے ملاقات ثابت نہیں کیونکہ روایت میں ہے کہ اس مجلس میں ابوقتادہ بھی تھے اور جس مجلس میں قتادہ ہوں، اُس مجلس میں محمد بن عمرو کی شرکت متصور نہیں ہوسکتی کیونکہ محدثین کا اتفاق ہے کہ محمد بن عمرو کی وفات ۱۲۰ ہجری میں اور ۸۰ سال کی عمر میں ہوئی اور ان کی ۴۰ ہجری میں پیدائش ہے اور ابوقتادہ کی وفات کے بارے میں دو قول ہیں۔ ۳۸ ہجری اس قول کے مطابق محمد بن عمرو کی پیدائش دو سال بعد ہوئی جس شخص کی پیدائش سے پہلے ایک آدمی کی وفات ہوگئی تو پھر اس کی مجلس میں شرکت کیسے ہوسکتی ہے؟ یہ شرکت تو عالم برزخ میں متصور ہوسکتی ہے اس سے پہلے نہیں۔

(۲) قول کے مطابق ۴۰ ہجری اس صورت میں شرکت متحمل نہیں ہوسکتی لیکن اس کے باوجود حافظ ابن حجر نے جواب دیا کہ ابو قتادہ کی وفات کے متعلق ۵۴ ہجری کا ہے اور اس عمر میں تحمل ہوسکتا ہے۔ جواب: امام طحاوی رحمہ اللہ نے پہلے دو قول کیے اور حافظ صاحب ۵۴ ہجری کا قول کرتے ہیں ہم کہتے ہیں حافظ صاحب کے مقابلے میں امام طحاوی کا قول زیادہ وزنی ہے۔ باقی اس حدیث کے آخر میں ''قالوا صدقت'' کے الفاظ ہیں۔ یہ تصدیق تو صرف ابوعاصم ذکر کررہے ہیں، تمام رواۃ ذکر نہیں کرتے ہیں، لہٰذا یہ معتبر نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِرَاءَةِ فِي الصُّبْحِ نماز صبح کی قرأت کے بیان میں

عَنْ زِيَادِ بْنِ عَلَاقَةَ عَنْ عَمِّهِ قُطْبَةَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى.

ترجمہ حضرت زیادہ بن علاقہ سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے چچا قطبہ بن مالک سے کہا قطبہ نے سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح کی نماز میں ''وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ'' یعنی سورۃ قاف پڑھتے تھے پہلی رکعت میں

تشریح قرآن کی سورتیں چھ قسم پر ہیں۔ اوّل طوال اور یہ پہلی سات سورتیں ہیں اور پہلی سورۃ بقرہ ہے۔ دوم ذوات المئین، اور یہ گیارہ سورتیں ہیں۔ سوم مثانی، جن کی آیات سو نہ ہوں اور یہ بیس سورتیں ہیں۔ چہارم مفصل اور یہ تین قسم پر ہیں طوال

اوساط، قصار، توکل، چھ قسمیں ہوئیں۔ آخری سورتیں اس لیے مفصل کہلاتی ہیں کہ ان میں فاصلہ بالتسمیۃ کثرت سے وارد ہے۔

طوال مفصل کا آغاز مشہور قول کے مطابق سورۃ حجرات سے بروج تک ہے اور اوساط مفصل سورۃ بروج سے سورۃ البینۃ تک اور قصار مفصل سورۃ بینہ سے آخر تک۔ اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ فجر اور ظہر میں طوال مفصل، عصر اور عشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل پڑھنا مسنون ہے۔

اس کی دلیل حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکتوب گرامی ہے جو انہوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو لکھا تھا۔ اس خط کے کئی حصے امام ترمذی رحمہ اللہ نے ان چار ابواب میں نقل کیے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِرَاءَةِ فِي الظُّهْرِ وَ الْعَصْرِ ظہر اور عصر میں قرأت کے متعلق

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَ الْعَصْرِ بِالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ وَ السَّمَاءِ وَ الطَّارِقِ وَ شِبْهِهِمَا.

ترجمہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے ظہر اور عصر میں "وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ" اور "وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ" اور مانند اس کے۔

تشریح فجر کے ماسوا پہلی دونوں رکعتوں میں قرأت معیاری ہونی چاہیے جب کہ دیگر نمازوں کی پہلی اور دوسری رکعت میں مساوات ہے تو یہاں پر یہ بیانِ جواز محمول ہے۔

بَابُ فِي الْقِرَاءَةِ فِي الْمَغْرِبِ مغرب کی قرأت کے بیان میں

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ أُمِّهِ أُمِّ الْفَضْلِ قَالَتْ خَرَجَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَاصِبٌ رَأْسَهُ فِي مَرَضِهِ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ فَقَرَأَ بِالْمُرْسَلَاتِ فَمَا صَلَّاهَا بَعْدُ حَتَّى لَقِيَ اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ،

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اُم فضل اپنی ماں سے۔ ان کی ماں نے کہا ہماری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور وہ سر پر پٹی باندھے ہوئے تھے بیماری میں سو پڑھی مغرب کی نماز اور پڑھی والمرسلات پھر نہ پڑھا اس کو یہاں تک کہ ملاقات کی پروردگار عز شانہ سے۔

تشریح مغرب کی نماز میں مرسلات پڑھی امتداء کو بتلانے کے لیے اور جواز کو بتلانے کے لیے۔

سوال: اس روایت میں ہے کہ آخری نماز مغرب کی پڑھی جبکہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہر کی آخری نماز پڑھی؟

جواب: مسجد میں ظہر کی آخری نماز پڑھی اور گھر میں مغرب کی آخری نماز پڑھی اور "خرج الینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کا مطلب یہ ہے کہ حجرہ کے اندر سے صحن میں آئے نہ کہ مسجد میں آئے۔ باقی مغرب کی نماز میں سورۃ طویلہ کی تین

توجیہات ہیں۔(۱)سورۃ طویلہ کی قرأت مغرب کی نماز میں ابتداءً تھی۔(۲)ذکر کیا سورۃ طویلہ کو اور مراد بعض حصہ ہے۔(۳) یا یہ منسوخ ہے۔امام شافعی اور مالک رحمہا اللہ فرماتے ہیں کہ مغرب میں سورۃ طویلہ کی قرأت مکروہ ہے۔

سوال:حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تو ثابت ہے،امام مالک کیسے مکروہ قرار دے رہے ہیں؟

جواب:امام مالک مغرب میں نفس سورۃ طویلہ کی قرأت کو مکروہ قرار نہیں دے رہے بلکہ مداومت مواظبت کو مکروہ قرار دے رہے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِرَاءَةِ فِي صَلَاةِ الْعِشَاءِ عشاء میں قرأت سے متعلق

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعِشَاءِ الآخِرَةِ بِالشَّمْسِ وَضُحَاهَا وَنَحْوِهَا مِنَ السُّوَرِ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن بریدہ سے روایت ہے،وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز میں والشمس والضحاھا اور مانند اس کی اور سورتیں پڑھتے تھے۔

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِي الْعِشَاءِ الآخِرَةِ بِالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ.

ترجمہ براء بن عازب سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء میں "والتین والزیتون" پڑھی۔یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے۔

تشریح عشاء کی نماز میں توسط ہے اگر چاہے تو لمبی قرأت کرے اور اگر چاہے مختصر قرأت کرے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ قصار مفصل کرے۔

فائدہ:......احادیث میں سور کی تفصیل موجود ہے تو حسب ضرورت وعندالعذر یا بیان جواز پر محمول ہے۔لہٰذا کوئی بھی سورت کسی نماز میں کافی ہے۔چنانچہ قرأۃ معوذتین فی الصبح ثابت ہے کما فی النسائی ابوداؤد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکعتوں میں سورۃ اذا زلزلت الارض پڑھی۔"قال لا ادری انسی رسول اللہ او قرء عمداً"عشاء میں سورۃ تین ثابت ہے۔

(کمافی الصحیحین بخاری ج:۱،ص:۱۰۵،ابوداؤد ج:۱،ص:۱۲۵،نسائی،ج:۲،ص:۳۱۲،فتح القدیر،ج:۱،ص:۲۳۶،بحرالرائق،ج:۱،ص:۳۴۰،عینی، ج:۳،ص:۷۹،فتح الباری،جلد:۲،ص:۱۴۵،نصب الرایہ،ج:۲،ص:۴،شرح مہذب،ج:۳،ص:۳۸۶)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الإِمَامِ امام کے پیچھے قرأت پڑھنے کے بیان میں

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ فَثَقُلَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ إِنِّي أَرَاكُمْ تَقْرَءُونَ وَرَاءَ إِمَامِكُمْ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ إِي وَاللهِ، قَالَ لَا تَفْعَلُوا إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا.

ترجمہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھی تو

مشکل ہوا ان کو قرآن پڑھنا پھر جب پڑھ چکے تو فرمایا شاید تم قرأت کرتے ہو امام کے پیچھے؟ کہا راوی نے ہاں یا رسول اللہ! قسم ہے اللہ کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کرو مگر پڑھو سورۂ فاتحہ جو نہ پڑھے اس کی نماز ہی نہ ہوئی۔

تشریح مسئلہ: قرأۃ الفاتحہ خلف الامام جائز ہے یا نہیں؟

قول اوّل: احناف فرماتے ہیں کہ قرأۃ الفاتحہ خلف الامام ممنوع ہے۔ مطلقاً عام ازیں سری نماز ہو یا جہری نماز ہو مقتدی کو آواز سن رہی ہو یا نہ، سوال یہ ہے بعض کتابوں میں امام محمد کا قول یہ ہے کہ سری نمازوں میں قرأۃ خلف الامام مستحسن ہے علی الاطلاق تو احناف کا یہ مذہب نہ ہوا؟...... جواب: یہ نقل معتمد علیہ نہیں۔ باقی یہ معتمد علیہ نہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ امام محمد نے مؤطا امام محمد اور کتاب ال آثار میں تصریح کی ہے کہ ہمارے ہاں مطلقاً خلف الامام قرأۃ الفاتحہ ممنوع ہے۔

قول ثانی: مالکیہ کے ہاں جہری نمازوں میں قرأۃ خلف الامام ممنوع ہے اور سری نمازوں میں مستحب ہے۔

قول ثالث: حنابلہ کا مذہب بھی مالکیہ کے قریب قریب ہے۔ فرق یہ ہے کہ جہری نمازوں میں اگر امام کی قرأت سنائی دے تو قرأۃ خلف الامام ممنوع ہے اور اگر سنائی نہ دے یا سری نماز ہو تو پھر قرأۃ خلف الامام مستحب ہے۔

قول رابع: امام شافعی کے ایک قول کے نقل میں اختلاف ہے اس کو سمجھنے سے پہلے ایک تمہید۔ تمہید یہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے اقوال دو قسم پر ہیں (۱) اقوال قدیمہ (۲) اقوال جدیدہ، مصر میں آنے سے پہلے کے اقوال بغداد کے قدیمہ کہلاتے ہیں اور مصر میں آنے کے بعد کے اقوال جدید ہیں۔ یہی محقق ہے اور نقل مشہور کے مطابق امام شافعی رحمہ اللہ کا قول یہ تھا کہ قرأۃ خلف الامام جہری نمازوں میں ممنوع ہے اور سری نمازوں میں واجب ہے اور قول جدید یہ ہے کہ مطلق قرأۃ خلف الامام واجب ہے سری نماز ہو یا جہری نماز ہو لیکن محققین کے ہاں معاملہ برعکس ہے۔ محققین کہتے ہیں کہ ان کا قول قدیم یہ تھا کہ مطلقاً قرأۃ خلف الامام واجب ہے اور قول جدید میں فرق کیا کہ جہری نمازوں میں ممنوع ہے اور سری نمازوں میں واجب ہے۔

باقی اس پر دلیل کیا ہے کہ تفصیل والا قول جدید ہے تو دلیل یہ ہے کہ یہ مسئلہ مذکور ہے امام شافعی کی طرف جو کتاب منسوب ہے کتاب الام میں۔ چنانچہ کتاب الام میں امام شافعی فرماتے ہیں "نحن نقول کُلّ صلوۃٍ صُلّیت خلف الامام و قرأ الامام قرأۃ لا یسمع قرأفیها" اس میں لا یسمع کی قید احترازی ہے کہ اگر جہراً قرأۃ ہو تو قرأۃ خلف الامام ممنوع ہے اور یہ کتاب الام کتب جدید میں سے ہے یعنی ان میں سے ہے جن کی تصنیف ہوئی مصر میں آنے کے بعد، باقی اس پر کیا دلیل ہے کہ یہ کتب جدیدہ میں سے ہے۔

دلیل اوّل: صاحب نسخہ وہ ربیع ابن سلیمان ہیں اور یہ مصری ہیں اور اب ظاہر ہے کہ یہ کتاب بھی مصر میں تصنیف ہوئی ہوگی۔

دلیل ثانی: حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں فرماتے ہیں "ثم انتقل منها (بغداد) الی مصر فاقام بها ان مات و صَنَّف فیها کتابه الام و هو من کتبه الجدیده و قد زعم امام الحرمین و غیره انه من کتبه القدیمه و هذا عجیب یعید من مثله"

دلیل ثالث: علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ اپنی کتاب حسن المعاصرت میں فرماتے ہیں "ثم خرج منها (بغداد) الی مصر فاقام بها و صنَّف فیها کتبه کالاُم" اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جمہور کے نزدیک قرأۃ خلف الامام کے وجوب کا علی الاطلاق

کوئی بھی قائل نہیں صرف امام شافعی سری نمازوں میں وجوب کے قائل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جمہور فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ قرأۃ خلف الامام کے بغیر نماز صحیح ہو جاتی ہے فاسد نہیں ہوتی۔ اسی بات پر امام احمد بن حنبل کا ایک ملفوظ وہ شاہد عدل کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ ایسا ملفوظ ہے جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے اور یاد کرنا واجب ہے۔ ''ما سمعنا احدًا من اهل الاسلام يقول ان الامام الا جهر بالقرأة لا تجزى صلٰوة من خلفه اذا لم يقرأ'' نیز امام احمد بن حنبل کا ہی ایک قول ہے ''هذا النبى صلى الله عليه وسلّم واصحابه والتابعون وهذا مالک فى اهل الحجاز وهذا الثورى فى اهل العراق وهذا الاوزاعى فى اهل الشام وهذا ليث بن سعد فى اهل مصر ما قالوا الرّجل صلّى وقرأ امامه ولم يقرأ هو صلوته باطلة'' پس معلوم ہوا کہ موجودہ زمانہ کے غیر مقلدین کا کہنا کہ بدون قرأۃ خلف الامام کے نماز فاسد ہوتی ہے یہ قول اجماع کے خلاف ہونے کی وجہ سے خود ہی باطل ہے۔

(حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی کتاب احسن الکلام میں دلائل وغیرہ دیکھ لیے جائیں)۔

اشکال: امام ترمذی رحمہ اللہ نے جو مذاہب نقل کیے ہیں اس سے معاملہ برعکس معلوم ہوتا ہے کہ جمہور امام شافعی کے ساتھ ہیں۔

جواب: امام ترمذی نے جو مذہب نقل کیے ہیں یہ اجمالاً نقل کیے ہیں اس سے صرف اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ امام مالک، امام احمد بھی قرأت خلف الامام کے قائل ہیں لیکن ان کا قائل ہونا بطور استحباب کے ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تو وجوب کے قائل ہیں۔ پس اس اجمال کو مذکورہ بالا تفصیل پر محمول کیا جائے۔

سوال: امام ترمذی رحمہ اللہ نے امام احمد بن حنبل کا مذہب بھی قرأت خلف الامام والا نقل کیا ہے۔ اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں؟

جواب: یہ بھی اجمال ہے ان کا عمل تھا لیکن سری نمازوں میں استحباباً تھا۔

احناف کے دلائل، پہلی دلیل:

آیت کریمہ ''واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا الخ'' یہاں اس آیت میں استماع اور انصات کو واجب قرار دیا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ مامور کی ضد منہی عنہ ہوتی ہے اس کی ضد قرأت ہے۔ لہٰذا وہ منہی عنہ ہے۔ باقی مخالفین کی جانب سے اشکال اس دلیل پر مخالفین کی جانب سے تقریباً بیس اعتراضات ہیں۔

اعتراض اوّل: یہ آیت کریمہ خطبہ جمعہ کے بارے میں نازل ہوئی، یعنی خطبہ کو غور سے سنو؟

جواب (۱): ''نحن لا نسلّم'' بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ محققین کا قول یہ ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی۔ چنانچہ ابن تیمیہ اور امام احمد کا قول مشہور اور ابن جریر طبری کا قول یہ ہے کہ ''هذه الاية نزلت فى الصّلوٰة'' اور مغنی ابن قدامہ میں ج:۱، ص:۶۳۷ امام احمد کا قول ہے ''اجمع النّاس على ان هذه الايه نزلت فى الصّلوٰة''۔

جواب (۲): خطبہ جمعہ کو قرآن میں ذکر اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے، اگر اس کا نزول اس کے بارے میں ہوتا تو الفاظ یوں ہوتے ''اذا ذكر الله فاستمعوا''

جواب (۳): اس میں تو اگرچہ اختلاف ہے کہ جمعہ کی فرضیت مکی ہے یا مدنی ہے لیکن اس پر تو اتفاق ہے کہ جمعہ کی عملی طور پر ادائیگی ہجرت کے بعد ہوئی اور سورۃ اعراف مکی ہے، اب مکہ مکرمہ میں جس چیز کو عمل میں لایا ہی نہیں گیا اس کے آداب بیان کرنا بے محل ہے اور اس کا معتد بہ فاصلہ نہیں۔

جواب (۴): اگر ''علی سبیل التنزل'' مان لیں تو پھر جہاں یہ ہے ''نزلت فی الخطبه'' اس کا معنی یہ ہے کہ اس کا حکم خطبہ کو بھی شامل ہے کیونکہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص مورد کا

اعتراض ثانی: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی کے لیے بھی قرأت خلف الامام ممنوع ہے اور سورۃ مزمل سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر کسی پر واجب ہے مقتدی ہو یا غیر مقتدی۔ باقی وہ آیت یہ ہے ''فاقرء وا ماتیسر من القرآن'' رفع تناقض کی صورت یہ ہے کہ اعراف والی آیت کے عموم سے مقتدی کی تخصیص کر لی جائے گی۔

جواب (۱): کوئی تعارض نہیں۔ سورۃ مزمل کی آیت میں رکنیت قرأت کو بتلانا ہے یہ نہیں بتلانا کہ کس نے قرأت کرنی ہے کس نے قرأت نہیں کرنی اور سورۃ اعراف والی آیت سے یہ بتلانا ہے کہ قرأت منفرد امام نے کرنی ہے مقتدی نے نہیں۔ تعارض تب ہوتا جب دونوں آیتوں کا مدلول ایک ہی ہوتا حالانکہ ایسا نہیں بلکہ دونوں آیتوں کا مدلول الگ الگ ہے۔

جواب (۲): سورۃ مزمل والی آیت کا مصداق نفلی نماز ہے اور ظاہر ہے کہ وہ منفرد ہوگی، اس شئے قرأت کا وجوب منفرداً ہے اور سورۃ اعراف میں نماز باجماعت کا حکم ہے۔

جواب (۳): سورۃ مزمل نزولاً مقدم ہے اور سورۃ اعراف متاخر ہے۔ چنانچہ سورۃ مزمل کا نزول نمبر ۳ ہے اور سورۃ اعراف کا نزول نمبر ۳۴ ہے۔ متاخر مقدم میں تعارض ہوا۔ یہاں متاخر مخصص بن جائے گی۔ سورۃ مزمل کی آیت کے لیے کہ اس آیت کے عموم سے مقتدی خارج ہے یہ تخصیص القرآن بالقرآن ہے جو کہ مسلمات میں سے ہے۔

اعتراض ثالث: تقریب تام نہیں ''اذا قرئ القرآن الخ'' میں جہری نمازوں میں قرأۃ کا ممنوع ہونا معلوم ہوتا ہے۔ استماع کا معنی ہے سننا اور سننا جہری نماز میں ہوگا نہ کہ سری نماز میں اور دعویٰ عام ہے کہ جہری اور سری نمازوں میں ممنوع ہے حالانکہ استماع جہری نمازوں میں ہوتا ہے جیسا کہ آیت سے معلوم ہوا؟

جواب: ہم نہیں مانتے کہ استماع کا معنی سننا ہے اس کا معنی یہ ہے کان لگانا خواہ بالفعل سنے یا نہ سنے۔ مشکوٰۃ میں ہے کہ احادیث متعلقہ بالاذان حدیث انس رضی اللہ عنہ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کافر بستی پر حملہ کرنا ہوتا تو فجر کا انتظار کرتے ''کان یستمع فان سمع الاذان امسک'' اب یہاں یستمع کا معنی سننا کریں تو سمع کیسے منطبق ہوگا، لامحالہ یہاں پر استماع کا معنی کان لگانا ہوگا اور کان لگانا جہری اور سری نمازوں میں ہو سکتا ہے۔

اعتراض رابع: آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی کے لیے قرأت ضروری نہیں جبکہ حدیث عبادہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ضروری ہے تعارض ہے اور تطبیق یوں دیں گے کہ آیت سے جو ممانعت معلوم ہوتی ہے یہ سورۃ فاتحہ کے ماسواء کے

اعتبار سے ہے اور حدیث میں سورۃ فاتحہ کا ذکر ہے جواز کے اعتبار سے؟

جواب: یہ تخصیص خبر واحد کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا یہ صحیح نہیں بخلاف ہماری تخصیص کہ وہ تخصیص القرآن بالقرآن ہے۔

دلیل ثانی: حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ مابعد والے باب میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ایک جہری نماز سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ تم سے میرے پیچھے قرأت کس نے کی ہے؟ ایک شخص نے کہا نعم تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں خیال کر رہا تھا کہ قرآن کے متعلق میرے ساتھ نزاع کیا جارہا ہے تو "فانتھی الناس" جب اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منازعت قرار دیا تو لوگ جہری نمازوں میں قرآن سے باز آگئے۔ باقی یہ حدیث مشہور و معروف ہے، حدیث منازعت کے نام سے اس سے ہمارا استدلال بوجوہِ اربعہ ہے۔

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ تم میں سے میرے ساتھ کس نے قرأت کی ہے لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال کرنا قرینہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ممانعت فرمادی تھی قرأۃ خلف الامام سے ورنہ تو پوچھنے کی کیا ضرورت تھی اور ظاہر اولیٰ ہے کیونکہ اس حدیث کے راوی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں جو اسلام ۷ ہجری میں اور وہ اس واقعہ میں شامل ہیں اور سورۃ اعراف مکی ہے یہ واقعہ تو پیش آیا مدینہ میں، ظاہر ہے کہ پہلے ممانعت ہو چکی تھی۔

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سوال کیا تو حاضرین میں سے صرف ایک ہی شخص نے اعتراف کیا، اب ایک ہی کا اعتراف کرنا یہ قرینہ ہے کہ عام صحابہ رضی اللہ عنہم کا معمول نہ تھا۔

(۳) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرأت خلف الامام کو منازعات قرار دیا، امام کے حق کو چھینا قرار دیا، بغاوت قرار دیا، یہ امام کا حق ہے یہ بھی دال ہے کہ قرأت صرف امام کا حق ہے۔

سوال: منازعت تو صرف جہری نمازوں میں ہوگی؟

جواب: منازعت کا حصر صرف جہری نمازوں میں مسلم نہیں بلکہ جس طرح جہری نمازوں میں ہے اس طرح سری نمازوں میں بھی ہے بلکہ سری نمازوں میں بطریق اولیٰ ہوگی کیونکہ جہری نمازوں میں امام اپنے عمل میں مشغول علی وجہ الکمال اور سری نمازوں میں بھی مشغول ہے لیکن اس درجہ کا نہیں جتنا جہری نمازوں میں ہے جس کی نظیر مشکوٰۃ میں ایک واقعہ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فجر میں سورۃ روم کو شروع کیا تو قرأت مشتبہ ہونے لگی، نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا کیا حال ہے ان لوگوں کا جو نماز کے لیے "کماینبغی" وضو نہیں کرتے ہم پر قرأت مشتبہ ہو جاتی ہے جب وضو نہ کرنے سے متاثر ہو سکتے ہیں تو قرأت خلف الامام سے تو بطریق اولیٰ متاثر ہو سکتا ہے۔

(۴): راوی کہتے ہیں کہ "فانتھی الناس" اور ظاہر ہے کہ الناس سے مراد صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم باز آگئے "حین سمعوا ذالک قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" اب صحابہ رضی اللہ عنہم کا رُک جانا بھی دلیل ہے کہ قرأۃ خلف الامام کی ممانعت ہو چکی تھی اور یہ احناف کی وزنی دلیل ہے، اس پر چند اعتراضات ہیں۔

اعتراض اوّل: تمہارا حدیث المنازعت سے استدلال کا مدار ''فانتھی النّاس'' والے جملے پر ہے اور اس جملہ سے استدلال تب ہوسکتا ہے جب یہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہو حالانکہ یہ مقولہ زہری کا چنانچہ اوزاعی کا مقولہ ہے یا کہتے ہیں ''قال قال الزھری'' یعنی زہری نے یہ الفاظ کہے ہیں، ''فانتھی النّاس'' زہری کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات کیسے معلوم ہیں۔

اعتراض ثانی: حدیث المنازعت قابل استدلال نہیں کیونکہ راوی کا اپنا فتویٰ روایت کے خلاف ہے اور ایسی صورت میں روایت قابل استدلال نہیں ہوتی۔

اعتراض ثالث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت جو کہ حدیث المناداۃ کے نام سے معروف ہے۔ اس پہلی روایت کے معارض موجود ہے اور وہ روایت یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''رواہ ابو عثمان النھدی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ امرنی النّبی صلی اللہ علیہ وسلّم ان انادی ان لا صلٰوۃ اِلاَّ بفاتحۃ الکتاب'' لہٰذا حدیث المنادات حدیث المنازعت کے معارض موجود ہے یہ حدیث سالم عن المعارض نہ ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں۔

اعتراض رابع: آیت کریمہ اور حدیث المنازعت اور ایسے ہی دیگر تمام وہ نصوص جو قرأت خلف الامام کی ممانعت پر دال ہیں یہ قرأت خلف الامام کے منافی نہیں کیوں کہ مقتدی قرأت کرے گا سکتات الامام میں تو ان نصوص پر بھی عمل ہوجائے گا کہ جب امام قرأت کررہا ہے اس وقت تو وہ خاموش ہے۔

اعتراض خامس: حدیث المنازعت سنداً ضعیف ہے کیونکہ اس میں ابن اکیمۃ لیثی موجود ہیں اور اس کے بارے میں امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''اتفقوا علٰی ضُعفہٖ فکیف الاستدلال''

اعتراض سادس: تقریب تام نہیں، حدیث المنازعت سے صرف جہری نمازوں میں ممانعت معلوم ہوتی ہے جبکہ دعویٰ عام ہے کہ سری اور جہری دونوں نمازوں میں قرأت خلف الامام ممنوع ہے اور روایت میں ہے ''فانتھی النّاس عن القرأۃ فیما یجھر فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم''

اعتراض سابع: اس حدیث المنازعت کے واقعہ میں قرأت خلف الامام جہراً ہوئی تھی اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرمایا اور ہم کہتے ہیں کہ سراً قرأۃ کرسکتا ہے۔

اعتراض ثامن: اس واقعہ میں فاتحہ کے ماسواء کی قرأت خلف الامام ہوئی تھی اس کا انکار کیا اور ہم کہتے ہیں کہ صرف فاتحہ کی قرأت کرے گا۔

اعتراض اوّل کا جواب اوّل:

''اقرب الی التحقیق'' یہ ہے کہ یہ مقولہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہی ہے۔ دلیل کہ مؤطین میں یہ روایت موجود ہے اس روایت میں ہے ''قال انی اقول مالی أنازع القرآن، فانتھی النّاس'' کے درمیان قال کا لفظ موجود نہیں ہے اب اس روایت کے مطابق دو احتمال ہیں کہ یا تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے یا حضرت ابوہریرہ

رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقولہ تو ہو نہیں سکتا، لہٰذا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔

جواب (۲): سنن ابوداوٗد میں تصریح ہے کہ "قال معمر قال ابو ھریرہ فانتھی الناس" اور امام اوزاعی کا مقولہ مؤوّل ہے کہ "قال الزھری رٰایۃً فانتھی الناس" اس پر قرینہ یہ ہے کہ سنن ابی داوٗد میں معمر کا مقولہ موجود ہے "قال معمر فانتھی الناس" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معمر کا مقولہ ہے اور اس کی تاویل پر اتفاق ہے تو ہم کہتے ہیں کہ قال الزہری میں بھی تاویل مان لی جائے۔

اعتراض ثانی کا جواب:

کوئی تعارض نہیں "اقرأبھافی نفسک" سے مراد قرأت لفظیہ مراد نہیں بلکہ قرأت نفسہ مراد ہے کہ دل میں غور و فکر کر لیا کرو۔

سوال: قرأۃ کا اطلاق آیا قرأۃ نفسہ پر ہوتا ہے؟

جواب (۱): فصحاء کی کلام میں ہوتا ہے اور حدیث منازعت بھی اس پر قرینہ ہے۔ "انی اقول مالی" یہ قول کرنا بھی دل میں ہے۔ لہٰذا حدیث میں ممانعت قرأت لفظیہ کی ہے جس قرأت کا حکم دیا جا رہا ہے وہ نفسہ ہے تدافع نہیں۔

جواب (۲): یہ مؤوّل اور تاویل یہ ہے کہ "اقرأبھافی نفسک حال کونہ منفرداً"

سوال: کیا "فی نفسک" کے معنی منفرداً کے بھی ہوتے ہیں؟

جواب (۱): حدیث قدسی میں ہوتا ہے "ذکرنی فی نفسی ذکرتہ فی نفسی" یہاں "فی نفسی" بمعنی منفرداً کے ہے کیونکہ تقابل جماعت کے ساتھ ہوتا ہے اور ایسے ہی قرآن میں ہے۔ "قل لھم فی انفسھم قولاً بلیغا" اس کا معنی یہ ہے کہ تنہائی میں قول "بلیغا" کی تبلیغ کرو اور ایسے ہی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے فتویٰ میں ہے۔

جواب (۲): ایک طرف حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، دوسری طرف فتویٰ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ استدلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے ہے۔

اعتراض ثالث کا جواب (۱):

کوئی تعارض نہیں کیونکہ حدیث المنادات مقتدی کے ماسواء پر محمول ہے اس کا قرینہ یہ ہے کہ ابوداوٗد میں ہے "أنادِی ان لا صلوٰۃ اِلاَّ بقرأۃ فاتحۃ الکتاب فما زاد" اس سے معلوم ہوتا ہے اس کا مصداق وہ شخص ہے جس کے ذمہ ضم سورت بھی ہے اور ظاہر ہے کہ ایسا آدمی مقتدی کے ماسواء ہی ہے۔

جواب (۲): حدیث منادات سنداً وزنی نہیں، اس میں ایک راوی جعفر بن میمون، امام نسائی اور امام احمد نے اس پر جرح کی ہے۔ لہٰذا حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سالم عن المعارض ہے۔

اعتراض رابع کا جواب: سکتات الامام سے مراد اگر سورۃ فاتحہ کے بعد والا سکتہ ہے تو پھر قرأت کے لیے سکتہ طویلہ ہے جبکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سکتہ خفیفہ تھا حضرت عمران بن حصین نے اس کا انکار کر دیا۔ نیز پھر تو اس حدیث میں

انقلاب موضوع لازم آئے گا، امام تابع بن جائے گا اور منتظر ہوگا اور اگر ان سکتات سے اس سکتہ کے ماسواء ہے تو پھر یہ دعویٰ بلادلیل ہے اور نہ ہی ان سکتات میں قرأت ہوسکتی ہے۔

اعتراض خامس کا جواب(۱): اس حدیث کا ضعیف ہونا مسلم نہیں، اس کو تو امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسن قرار دیا ہے، اگر ضعیف ہوتی تو حسن قرار نہ دیتے تحسین نہ کرتے۔

جواب(۲): امام ابوداؤد نے اس حدیث کو نقل کر کے سکوت اختیار کیا ہے۔

اعتراض سادس کا جواب: حدیث میں جہر کا تذکرہ صرف اس لیے ہے کہ یہ واقعہ جہری نمازوں میں پیش آیا، اس کا قرینہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کو منازعت مع الامام قرار دیا، یہ علت عام ہے اس کا تحقق سری اور جہری نمازوں دونوں میں ہوتا ہے۔

اعتراض سابع کا جواب:

یہ احتمال ناشی بلادلیل ہے، درایت کے بھی خلاف ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت سننے کے بجائے جہراً قرأت شروع کردیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا "ھل قرأمعی" یوں نہیں کہا کہ "ھل جھر معی"

اعتراض ثامن کا جواب(۱): یہ بھی احتمال ناشی من غیر دلیل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "ھل قرأمعی" فرمایا جو کہ عام ہے۔ سورۃ فاتحہ اور ماسواء دونوں کو۔

جواب(۲): جو آداب فاتحہ کے ماسواء کے ہیں، مثلاً سامع کا خاموش ہونا وہی آداب فاتحہ کے ہیں اُم القرآن ہونے کی وجہ سے۔

دلیل ثالث: حدیث ابوموسیٰ اشعری "اذاقرأفانصتوا" یہ اپنے اطلاق کی وجہ سے سری اور جہری دونوں نمازوں کو شامل ہے اور اس میں انصات کو واجب قرار دیا گیا ہے اور قاعدہ ہے کہ مامور بہ کی ضد منہی عنہ ہوتی ہے۔

اعتراض(۱): اس حدیث میں "اذاقرأفانصتوا" کو نقل کرنے والے سلیمان تیمی منفرد ہیں۔

اعتراض(۲): اس کی سند میں سلیمان کے شیخ قتادہ ہیں اور قتادہ مدلس ہیں بصیغہ عن روایت کر رہے ہیں اور مدلس کا عنعنہ معتبر نہیں ہوتا۔

اعتراض(۳): امام ابوداؤد نے "اذاقرأفانصتوا" کو غیر محفوظ قرار دیا ہے۔ اعتراض ۴: اگر تسلیم بھی کرلیں تو فاتحہ کے ماسواء پر محمول ہے۔

اعتراض اوّل کا جواب(۱): سلیمان تیمی ثقہ ہیں۔ امام مسلم نے خلاف عادت اس حدیث ابوموسیٰ اشعری کی تصحیح کی ہے اور امام مسلم کے شاگرد ابوبکر بن اخت نصر نے سوال کیا کہ اس حدیث میں سلیمان تیمی کے علاوہ دیگر حفاظ نقل نہیں کر رہے تو امام مسلم نے فرمایا "اترید احفظ من سلیمان التیمی" یعنی ثقہ ہیں اور زیادہ "ثقۃ مقبولۃ" یہ بھی امام اعظم کی کرامت ہے۔

جواب(۲): سلیمان تیمی منفرد بھی نہیں ہیں بلکہ دو متابع موجود ہیں۔(۱) عمرو بن عامر (۲) سعید بن ابی عروبہ۔ یہ دونوں بھی ایسے نقل کر رہے ہیں جیسے سلیمان تیمی نقل کر رہے ہیں۔

اعتراضِ ثانی کا جواب: قتادہ ان رواۃ میں سے ہیں جن کی تدلیس معتر نہیں اور خصوصاً جب مدلس کی روایات صحیحین میں بھی موجود ہوں شیخین کا اس کی روایات کو صحیحین میں لینا یہ وزنی قرینہ ہے کہ اس کی تدلیس معتر نہیں اتصال پر محمول ہے۔
چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ نے مسلم کی شرح میں دارقطنی کے اس قسم کے اعتراضات کا یہی جواب دیا ہے کہ شیخین نے اس کی روایات کے متعلق کہا تدلیس معتر نہیں۔

اعتراضِ ثالث کا جواب (۱): امام ابوداؤد کا غیر محفوظ قرار دینے کا مبنی علیہ سلیمان تیمی کا تفرد اور قتادہ کی تدلیس ہے۔
اس کا جواب ماقبل والے اعتراض کے جواب میں ہو چکا۔ چنانچہ غیر محفوظ ہونا بھی خود غیر محفوظ ہونا ہو گیا۔

جواب (۲): امام مسلم اس حدیث میں اس جملہ کی تصحیح کرتے ہوئے اس کو محفوظ قرار دے رہے ہیں اور امام ابوداؤد غیر محفوظ قرار دے رہے ہیں اور جو مقام امام مسلم کا ہے وہ امام ابوداؤد کا نہیں، امام مسلم کا محفوظ قرار دینا وزنی ہے بنسبت امام ابوداؤد کے غیر محفوظ قرار دینے سے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث ابوموسیٰ اشعری کی اجلاء محدثین نے تخریج کی خواہ وہ حنفی ہوں یا شافعی یا حنبلی۔

اعتراضِ رابع کا جواب: یہ تخصیص من غیر مخصص ہے جو آداب فاتحہ کے ماسواء کے ہیں وہی آداب فاتحہ کے ہوں گے بلکہ بطریق اولیٰ ہوں گے اُم القرآن ہونے کی وجہ سے۔

دلیلِ رابع: حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث مرفوع "الذی اخرجہ ابو داؤد، انما جعل الامام لیؤتم بہ اذا کبر فکبروا واذا قرأ فأنصتوا" یہ حدیث بھی اپنے اطلاق کی وجہ سے سری اور جہری دونوں نمازوں کو شامل ہے۔

اعتراض (۱): امام ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں "اذا قرأ فأنصتوا" والا جملہ غیر محفوظ ہے کیونکہ اس کی سند میں راوی ہیں ابوخالد احمر، یہ اس کا وہم ہے۔

اعتراض (۲): اگر یہ ثابت بھی ہو تو پھر یہ فاتحہ کے ماسواء پر محمول ہے۔

اعتراضِ اوّل کا جواب: ابوخالد احمر ثقہ راوی ہیں۔ صاحب الترغیب والترہیب علامہ منذری جلیل القدر نقادین میں سے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ راوی ہے اور صحیحین کے رواۃ میں سے ہے زیادہ ثقہ کے قبیل سے ہے اور زیادہ "ثقة مقبولة"

جواب (۲): ابوخالد احمر کا تفرد بھی مسلم نہیں بلکہ ان کے تین متابع موجود ہیں۔

(۱) ابوسعید محمد بن سعید نسائی کی روایت میں (۲) اسماعیل بن ابان (۳) حسان ابن ابراہیم دارقطنی کی روایت میں۔

جواب (۳): امام ابوداؤد اس کو غیر محفوظ قرار دے رہے ہیں اور امام مسلم اس حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھی صحیح قرار دے رہے ہیں، ص ۱۷۴ میں موجود ہے پہلا سوال امام مسلم کے شاگرد ابوبکر نے کیا تھا اس کے بعد ابوبکر نے اس حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق سوال کیا تھا تو امام مسلم نے فرمایا "وھو عندی صحیح" پھر فرمایا کہ اگر یہ صحیح ہے تو پھر صحیح مسلم میں اس کا اندراج کیوں نہیں کیا۔ امام مسلم نے فرمایا، میں نے اس کا التزام کیا ہے کہ جو ذکر کروں گا وہ صحیح ہوگی اس کا التزام نہیں کیا کہ ساری دُنیا کی صحیح احادیث جمع کروں گا اور اس کے مقابلے میں امام

ابوداؤد غیر محفوظ قرار دے رہے ہیں۔امام مسلم کا محفوظ قرار دینا زیادہ وزنی ہے امام ابوداؤد کے مقابلے میں۔

اعتراض ثانی کا جواب: یہ احتمال ناشی من غیر دلیل اور ماقبل والے صفحہ پر اس کا جواب گزر بھی چکا ہے۔

دلیل خامس: حدیث جابر رضی اللہ عنہ "الذی اخرجه امام احمد فی مؤطاہ، من صلّی خلف الامام فقراۃ الامام له قرأۃ" لہٰذا اب اگر مقتدی بھی قرأت کرے تو اس کے حق میں دو قرأتیں ہو جائیں گی اور یہ تو ثابت نہیں۔

اعتراض (۱): صحیح یہ ہے کہ یہ مرسل ہے یعنی درمیان میں صحابی جابر رضی اللہ عنہ کا واسطہ نہیں۔

اعتراض (۲): حضرت جابر بن عبداللہ کے نیچے عبداللہ بن شداد ہیں، اس کا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔

اعتراض (۳): عبداللہ بن شداد اور جابر بن عبداللہ کے درمیان واسطہ ہے ابوالولید کا اور وہ مجہول ہیں۔

اعتراض (۴): اس حدیث جابر رضی اللہ عنہ کو مسنداً بیان کرنے والے امام ابوحنیفہ اور حسن بن عمارہ ہیں اور بقول دارقطنی "هما ضعيفان"

اعتراض (۵): متن حدیث سے استدلال تب تام ہو جب لہ ضمیر کا مرجع من ہو حالانکہ اس کا مرجع امام ہے مدلول یہ ہے کہ امام کی قرأت سے دھوکہ نہ کھاؤ، اس کی قرأت اپنی قرأت ہے تمہیں اپنی مستقل قرأت کرنی چاہیے۔

اعتراض اوّل کا جواب (۱):

مرسل ہونا عیب نہیں بلکہ جمہور کے ہاں تو مرسل بھی حجت ہے۔

جواب (۲): یہ ایسی مرسل ہے جو شوافع کے اُصول کے مطابق بھی حجت ہے، وہ کہتے ہیں ایسی مرسل جو مؤید ہو احادیث مسندہ سے وہ قابل استدلال ہوتی ہے، یہاں صرف احادیث مسندہ سے ہی نہیں بلکہ آیات قرآنیہ سے بھی مؤید ہے۔

جواب (۳): یہ ایسی مرسل ہے جو شوافع کے اُصول کے مطابق قابل استدلال ہے اور وہ کہتے ہیں کہ کبار تابعین کی روایات قابل استدلال ہیں تو عبداللہ بن شداد بھی کبار میں سے ہیں۔

جواب (۴): عبداللہ بن شداد کے صحابی یا تابعی ہونے میں اختلاف ہے۔ایک قول یہ ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیدا ہو چکے تھے رؤیت بھی حاصل ہے لیکن روایات کا موقع نہیں۔لہٰذا اصغار صحابہ میں سے ہیں، قاعدہ کے مطابق ان کی روایت مرسل صحابی ہے اور یہ بالاجماع حجت ہوتی ہے۔

اعتراض ثانی کا جواب:

سماع کا ثابت نہ ہونا ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ اجلاء محدثین نے تصریح کی ہے کہ ان کی ملاقات حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ بن جبل، حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے، ان کی وفات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلی ہوئی اور آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت ۲۴ ہجری کو ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ۴۰ ہجری میں ہوئی، کیا وجہ ہے کہ ان سے تو ملاقات ثابت ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی امکان لقاء ہے اور اتصال کے لیے امکانِ لقاء کافی ہوتا ہے امام مسلم رحمہ اللہ کا قول مسلم ہونا چاہیے۔

اعتراض ثالث کا جواب (۱):

ایک یہ ہے کہ جو ماقبل میں گزرا کہ ان کا یعنی عبداللہ بن شداد کا براہِ راست سماع حاصل ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ سے۔
جواب (۲): یہ مستقل راوی نہیں بلکہ یہ کنیت ہے عبداللہ بن شداد کی البتہ امام صاحب روایت کرتے ہوئے علَم اور کنیت دونوں کو ذکر کردیتے ہیں، عن عبداللہ بن شداد ابی الولید عن جابر نچلے راوی ابی الولید سے پہلے عن زائد کردیا۔ چنانچہ شرح نخبۃ الفکر میں ملاعلی قاری نے تصریح کی ہے کہ یہ بعینہٖ عبداللہ بن شداد ہیں۔

اعتراض رابع کا جواب (۱):

علامہ عینی بدایہ شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں کہ امام صاحب کی جلیل القدر محدثین نے اور ہر طبقہ نے توثیق کی ہے اور دس جلیل القدر آئمہ کا صراحتاً نام لیا۔ (۱) آئمہ ثلاثہ امام شافعی، امام مالک، امام احمد (۲) ثوری (۳) سفیان بن عیینہ (۴) ابن مبارک (۵) سلیمان اعمش (۶) حماد بن زید (۷) عبدالرزاق (۸) وکیع ابن الجراح۔ ان دس حضرات کا نام لینے کے بعد اگلا جملہ فرماتے ہیں "واخرون کثیرون" اس میں سینکڑوں محدثین اور فقہاء داخل ہیں اور انہی میں سے یحییٰ بن معین، یحییٰ بن سعید القطان بھی ہیں، ان حضرات کی توثیق کے بعد امام دارقطنی کی تضعیف قابل التفات نہیں بلکہ وہ خود اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کی تضعیف کی جائے۔
جواب (۲): امام صاحب ان نفوس قدسیہ میں سے ہیں جن کے بارے میں جرح مبہم تو قابل اعتبار ہے ہی نہیں البتہ جرح مفسر کا بھی اعتبار نہیں۔ چنانچہ مولانا شبیر احمد عثمانی نے فتح الملہم میں تاج سبکی طبقات الکبریٰ کے حوالہ سے ایک ملفوظ نقل کیا ہے جو واجب الحفظ ہے۔ فرمایا: "قد عرّفناک ان الجارح لا یقبل منه الجرح وان فسّره فی حق من غلبت طاعاته علی معاصیة و ما دحه علی ذامیه و مذکوره علی جارحیه اذا کانت هناک قرینةً یشهد العقل بان مثلها حامل علی الوکیعة فی من تعصب مذهبۃٍ و منافسۃٍ دنیویۃٍ کما بین النظراء وغیر ذالک وحینئذٍ فلا یلتفت لکلام الثوری وغیره فی ابی حنیفه و ابن ابی ذئب فی مالک ابن معین فی الشافعی والنسائی فی احمد بن صالح و نحوه ولو اطلقنا تقدیم الجراح لما سلم احدٌ من الائمه اذا مامن امامٍ الاَّ وقد طعن فیه الطاعنون وهلک فیه الهالکون" اس ملفوظ کی روشنی میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر جرح مقبول نہیں۔

اعتراض خامس کا جواب: اس اعتراض کا مبنی علیہ قواعد نحویہ سے جہالت ہے اس لیے کہ جملہ خبریہ جب صلہ ہو تو عائد ضمیر کا مرجع ضروری ہے اگر اس کا مرجع امام کو بنائیں تو من بلا عائد ہوگا۔

سب اعتراض کا قدر مشترک جواب: بعینہٖ یہی مضمون مسند احمد، ابن منیع میں ایسی سند سے منقول ہے جس کے تمام راوی ثقات ہیں۔ مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی سند شرط الصحیحین ہے۔

دلیل سادس: حدیث عمران بن حصین "الذی اشار الیه الترمذی، تحت فی الباب" اور امام ابوداؤد نے اس کی تفصیل

سے تخریج کی ہے۔ مضمون: ایک شخص نے ظہر کی نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے مقتدی ہونے کی حالت میں قرأت کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مخالجت قرار دیا یعنی خالجنی کے لفظ ہیں، معنی اس کا بھی منازعت ہے امام کے حق کو چھیننا ہے۔ معلوم ہوا کہ سری نمازوں میں قرأت خلف الامام جائز نہیں اور امام مسلم نے بھی اس کی تخریج کی ہے ص ۱۷۲ اور ۱۷۲ پر۔

دلیل سابع: حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ "الذی اخرجه امام ترمذی فی الباب" اور امام احمد نے مسند احمد میں اس کی تخریج کی "کانوا یقرؤن خلف الامام فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم خلطتم القرآن علیّ"

دلیل ثامن: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما "المتعلق عرض الوفات الذی اخرجه ابن ماجه" کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض الوفات جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے تھے کچھ افاقہ محسوس ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے۔ "فقام الی جنب ابی بکر رضی اللہ عنہ" اور امام بن گئے "واخذ من السورۃ حیث بلغ ابو بکر" اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سورۃ فاتحہ پڑھ چکے تھے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاتحہ نہ پڑھی کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امام ہونے کی حیثیت سے پڑھ چکے تھے۔

دلیل تاسع: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما "الذی اخرجه دارقطنی" حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یکفیک قرأۃ الامام خفض او جهر" تم کو قرأت امام کافی ہے۔

دلیل عاشر: عمل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم علامہ عینی رحمہ اللہ بخاری کی شرح عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں: "روی منع القرأۃ خلف الامام عن ثمانین من الصحابۃ الکبار" یہ وزنی دلیل ہے۔

سوال: یہ روی مجہول کا صیغہ ہے جو کہ ضعف پر دال ہے؟

جواب: ہر جگہ مجہول کا صیغہ ضعف پر دال نہیں ہوتا کبھی محض حکایت علی وجہ الاختصار مقصود ہوتی ہے۔

دلیل الحادی عشر: مسئلہ اجماعی اس پر اجماع ہے کہ مدرک رکوع مدرک رکعت ہے باوجود یہ کہ فاتحہ کی قرأت نہیں کی، اس سے معلوم ہوا کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔

دلیل الثانی عشر: قیاس فاتحہ کی قرأت کے ماسواء کی قرأت خلف الامام نہیں، اس پر قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ فاتحہ کی قرأت بھی نہ ہونی چاہیے۔

دلیل الثالث عشر: نظائر کا مقتضی بھی یہی ہے کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے جیسا کہ امام کا سُترہ مقتدی کا سُترہ ہے، امام کا سہو مقتدی کا سہو ہے، کلام الوکیل کلام المؤکل، امام صاحب کے پاس چند لوگ آئے اور کہا کہ فاتحہ خلف الامام پر مناظرہ کرنا ہے تو امام صاحب نے فرمایا اس کی صورت کیا ہوگی؟ پھر خود ہی امام صاحب نے فرمایا کہ ایک آدمی کو تم وکیل بنالو، اگر وہ جیت گیا تو تم جیت گئے اور اگر وہ ہار گیا تو تم ہار گئے تو انہوں نے کہا ٹھیک ہے تو امام صاحب نے فرمایا: تم نے مان لیا کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت وہ بھی تو مقتدی کا وکیل ہوتا ہے۔

سوال: پھر رکوع الامام بھی رکوع المقتدی ہونا چاہیے اور ایسے ہی سارے ارکان مقتدی کے ہونے چاہئیں، اس تخصیص کی کیا وجہ کہ ایک رُکن امام کا مقتدی کے لیے ہو اور باقی نہ ہوں؟

جواب: نماز کی نوعیت مختلف ہے ابتداءً جو نماز ہے وہ آداب شاہی کو بجالانا ہے اور ظاہر ہے آداب کو بجالانا سب کے ذمہ ہے پھر سورۃ فاتحہ بارگاہِ الٰہی میں درخواست پیش کرنا ہے اور درخواست پیش کرنے کا اُصول یہ ہوتا ہے کہ قوم کا نمائندہ درخواست پیش کرے اس لیے کہا کہ امام اقراء اعلم اور اورع ہونا چاہیے اور درخواست پیش کرنے کے بعد تصدیق ضروری ہوتی ہے اور ضرورت یہ ہے کہ سب تصدیق کریں اور آمین چونکہ تصدیق ہے اس لیے امام بھی آمین کہتا ہے اور مقتدی بھی، پھر جب سورۃ کی قرأت شروع ہوتی ہے تو اب امام حق تعالیٰ کا نمائندہ ہے سورۃ فاتحہ میں جس ہدایت کی درخواست تھی گویا مقبول ہوگئی، اب امام نمائندہ بن کر صراطِ مستقیم کی تعلیم دے رہا ہے اور تعلیم میں اُصول یہ ہے کہ معلم بولے اور باقی سب خاموش رہیں، اب اس کے بعد مقام شکر ہے کہ تو نے ہماری درخواست کو قبول کیا اور یہ شکر سب کے ذمے ہے رکوع و سجود شکر کو بجالانا ہے یہ سب کے ذمے ہے، اس لیے رکوع و سجود سب کے ذمے ہیں۔

دلیل الرابع عشر: دلائل عقلیہ کو بھی مستحضر کرلیا جائے جو دلائل قاسم العلوم والخیرات مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے رسالہ الدلیل المحکم میں ذکر کیے ہیں۔ مقتدی کا انصات جو نماز میں ہے اس میں امام واسطہ فی الثبوت یا فی العروض یا فی الاثبات ہے، اگر واسطہ بالمعنیٰ الاوّل ہے یا ثانی ہے یہ قسمیں پہلے معلوم ہوں گی تو دلیل سمجھ میں آئے گی۔

شوافع کی دلیل: حدیث عبادہ بن صامت، تمہید: حدیث عبادہ بن صامت تین قسم پر ہے:

(۱): وہ حدیث عبادہ بن صامت جس میں واقعہ مذکور ہے کہ فجر کی نماز میں قرأت گراں ہوئی جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ تم قرأت کررہے ہو، عبادہ بن صامت نے کہا "ای واللہ " آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا تقرءِ الاَّ بفاتحۃ الکتاب، لاتفعلو اِلاَّ بام القرآن الکتاب فانہٗ لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب"

(۲) وہ حدیث عبادہ بن صامت جس میں صرف مرفوع حدیث مذکور ہے "لا صلوٰۃ لمن یقرء بفاتحۃ الکتاب" چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس دوسری حدیث کو اس باب میں تعلیقاً ذکر کیا۔ رکنیت فاتحہ والے مسئلہ میں سند کو ذکر کیا۔

(۳) وہ حدیث عبادہ بن صامت جس میں عبادہ کا اپنا واقعہ مذکورہ ہے امام ترمذی نے یہاں اجمالاً ذکر کیا، ابوداؤد میں تفصیلاً ہے۔ نافع ابن محمود کہتے ہیں کہ ایک موقع پر عبادہ ابن صامت فجر کی نماز کے لیے تاخیر سے تشریف لائے، ابونعیم موذن نے فجر کی نماز شروع کردی اور نافع کہتے ہیں مجھے بھی دیر ہوگئی، جب میں اور عبادہ آئے تو ایک رکعت نکل چکی تھی۔ دوسری رکعت میں مل گئے، عبادہ نے فاتحہ کی قرأت شروع کردی، بعد الفراغ میں نے پوچھا کہ امام جہراً قرأت کررہا ہے تم نے بھی قرأت شروع کردی، اس پر انہوں نے حدیث سنائی "لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب"

اس حدیث کا جواب دینے سے پہلے ان کا جواب ضروری ہے "اذ کان الامر کذلک" اب ہم کہتے ہیں کہ اے قائلین

فاتحہ خلف الامام تمہارا استدلال کس حدیث سے ہے۔ حدیث نمبر ا سے یا نمبر ۲ سے ہے یا نمبر ۳ سے متعین کریں۔ اگر تم کہتے ہو حدیث نمبر ا سے ہے تو پھر ہم کہتے ہیں یہ کئی وجوہ سے قابل استدلال نہیں۔

(۱) اس کی سند میں محمد بن اسحاق تشریف فرما ہیں حالت تفرد میں، اس کی روایت قابل استدلال نہیں ہوتی۔

(۲) یہ مدلس ہیں بصیغہ عن روایت کر رہے ہیں اور مدلس کا عنعنہ غیر معتبر ہے۔

(۳) اس کی سند میں مکحول ہیں، یہ اگرچہ ثقہ ہیں لیکن کثیر التدلیس ہیں اور بصیغہ عن روایت کر رہے ہیں۔

(۴) مکحول پر سند پہنچ کر سند میں بوجوہ خمسہ اضطراب پیدا ہو جاتا ہے۔

(۱) مکحول اور عبادہ بن صامت کے درمیان واسطہ ہے یا نہیں؟ (۲) واسطہ ہونے کی تقدیر پر ایک واسطہ ہے یا دو؟

(۳) ایک ہونے کی تقدیر نافع ہے یا ابن ربیع (۴) واسطوں کے دو ہونے کی تقدیر پر وہ دو واسطے کون سے ہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ نافع اور محمد بن ربیع کا ہے اور بعض کہتے ہیں ایک واسطہ ابو نعیم مؤذن کا ہے اور دوسرا واسطہ نافع کا۔

(۵) آیا یہ روایت مسندات عبادہ بن صامت میں سے ہے یا مسندات عبداللہ بن عمرو بن العاص میں سے بعض اس طرح اور بعض اُس طرح ذکر کرتے ہیں "فكيف الاستدلال يآيها القائلين بقرأة الفاتحه خلف الامام" ان وجوہ کی بناء پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے حدیث عبادہ بن صامت کو معلول کر دیا ہے اور معلول سے تو استدلال بھی علیل ہی ہوتا ہے۔

دوسرا مستقل جواب تقریب تام نہیں مدعی قرأۃ کا وجوب ہے اور دلیل دال ہے اباحت پر کیونکہ نہی کے بعد امر استحباب پر دال ہوتا ہے، قرآن مجید میں ہے "واذا حللتم فاصطادوا" پہلے نہی تھی پھر اباحت آئی کہ شکار مباح ہے، اسی طرح یہاں پر بھی "لاتفعلوا الا" کے بعد امر استحباب کیلئے ہے اور اگر تم کہتے ہو کہ ہمارا استدلال حدیث عبادہ بن صامت نمبر ۲ سے ہے تو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یہ حدیث بالکل ۱۰۰ فیصد صحیح ہے لیکن قرأۃ خلف الامام میں صریح نہیں، اس لیے کہ اس حدیث سے استدلال تب تام ہو جب من کا عموم مسلم ہو کہ کسی مقتدی کی نماز سورۃ فاتحہ کے بغیر نہیں ہوتی لیکن یہ عموم مسلم نہیں بلکہ یہ عام مخصوص منہ البعض ہے مقتدی اس کے عموم سے خارج ہے، باقی اس پر دلیل کہ مقتدی اس کے عموم سے خارج ہے، حدیث ونصوص "نهى عن القرأة خلف الامام"

دوسری دلیل: اس حدیث عبادہ بن صامت میں ثقہ راوی فصاعداً کے لفظ ذکر کر رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس کا مصداق فاتحہ کے ماسوا ہے اس کا مدلول وہ شخص ہے جس کے ذمہ فاتحہ اور ماسواء کی قرأت بھی ہو۔

سوال: فصاعداً کا اضافہ معمر نقل کر رہے ہیں اور یہ اس کو نقل کرنے میں منفرد ہیں؟

جواب (۱): اوّلاً یہ ثقہ ہیں، زیادہ ثقہ مقبولۃ کے قبیل سے ہے۔

جواب (۲): منفرد بھی نہیں ہیں، ابوداؤد میں سفیان بھی اس کو نقل کر رہے ہیں۔

جواب (۳): بعض اجلاء صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس کے عموم سے مقتدی کو خارج کرنا جیسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قول کو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اور امام احمد بن حنبل نے اس کا مصداق منفرد کو قرار دیا ہے۔ جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ اس قول

یعنی امام احمد کے قول کو نقل کیا "واما احمد بن حنبل، فقال معنی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب اذا کان وحدہٗ" نیز طحاوی شریف میں ہے کہ حضرت ابودرداء بھی اس کو مَن کے عموم سے خارج کر رہے ہیں۔

(۳) حدیث جابر رضی اللہ عنہ "سمع جابر بن عبداللہ یقول من صلّی رکعۃً لم یقرأ فیھا بامّ القرآن الخ" حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہ وہ مقتدی کو خارج کر رہے ہیں۔ (۴) سفیان بن عیینہ بھی اس کو منفرد پر محمول کر رہے ہیں جبکہ وہ حدیث عبادہ بن صامت کے ایک راوی ہیں۔ لہٰذا یہ "صاحب البیت بما ادریٰ فیہ" کے قبیل سے ہے۔

پس امام احمد سفیان منفرد کو قرار دے رہے ہیں ان کے قول کے مقابلے میں اعتبار نہیں۔

جواب (۲): ہم "مَنْ" کے عموم کو مانتے ہیں لیکن مطلقاً نہیں۔ بشرطیکہ ایک بات تم ہماری بھی مان لو کہ قرأۃ میں عموم ہے حقیقتاً ہو حکماً ہو۔ اب امام کی قرأت حقیقتاً ہے اور مقتدی کی قرأت حکماً ہے اور اگر آپ کا استدلال حدیث عبادہ بن صامت نمبر ۳ سے ہے۔ پھر وہ اجتہاد ہے عبادۃ بن صامت کا جس کا منشاء دوسری حدیث عبادہ بن صامت ہے جب عبادہ بن صامت کی دوسری حدیث کا جواب ہے تو اس حدیث کا جواب بھی خود بخود ہو گیا۔

مسلک احناف کی وجوہ ترجیح

پہلی وجہ ترجیح: جب اختلافی مسائل میں روایات متعارض ہوں تو احناف اس روایت کو لیتے ہیں جو اوفق بالقرآن ہو۔ قرآن کہتا ہے "واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون"

دوسری وجہ ترجیح: امام کا سُترہ مقتدیوں کے لیے بالاتفاق کافی ہے۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ امام کی قرأت مقتدیوں کے لیے کافی ہو جانی چاہیے۔

تیسری وجہ ترجیح: سورۃ فاتحہ کے بعد والا حصہ بالاتفاق آپ کے ہاں بھی مقتدی نہیں پڑھے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام کا پڑھنا مقتدی کے لیے کافی ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ فاتحہ بھی مقتدی کے لیے کافی ہو جائے گی، اگلی سورۃ کی کافی ہونے کی طرح۔

چوتھی وجہ ترجیح: مدرک رکوع بالاتفاق مدرک رکعت ہوتا ہے۔ (یہ ایک حدیث ابی بکرۃ سے مستنبط ہے) وہاں مقتدی فاتحہ نہیں پڑھتا تو اس کی نماز ہو جاتی ہے۔ اگر یہ فرض واجب والا مسئلہ ہوتا تو اس کی نماز نہیں ہونی چاہیے۔

پانچویں وجہ ترجیح: ہماری روایات محرم ہیں اور آپ کی روایات مبیح ہیں اور ایسے موقع پر محرم کو ترجیح ہوتی ہے مبیح کے مقابلے میں، احتیاط کا تقاضا یہی ہے۔

چھٹی وجہ ترجیح: بادشاہ کے دربار میں کوئی وفد جائے تو وہاں شرعی آداب کے ساتھ فعلی آداب سب بجالاتے ہیں سلام وغیرہ کرنے میں لیکن جب بات کرنے کا موقع آتا ہے تو سب نہیں بولتے بلکہ ان کا نمائندہ بات کرتا ہے تو اللہ کے دربار میں سب بولیں گے یا ایک بولے گا جو سب کا بادشاہ ہے۔ لہٰذا امام کا بولنا مقتدیوں کے بولنے کے لیے کافی ہو جائے گا۔

ساتویں وجہ ترجیح: الامام ضامن، امام کی نماز مقتدیوں کی نماز کو ضمن میں لینے والی ہوتی ہے قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ امام کی قرأت مقتدیوں کی قرأت کے لیے ضامن ہو۔

آٹھویں وجہ ترجیح: جب روایات میں تعارض آجائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری فعل کو دیکھا جاتا ہے۔ صحیح ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ مرض الوفات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے، انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا اندازہ ہوا تو ان پر حصر طاری ہوگیا اور وہ پیچھے ہٹ آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی امامت شروع کرادی اور وہیں سے قرأت شروع کی جہاں سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چھوڑی تھی تو اس طرح سورۃ فاتحہ کا بعض حصہ یا مکمل حصہ نہیں پڑھا۔ اگر سورۃ فاتحہ خلف الامام پڑھنا ضروری ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء سے شروع کرتے۔

نویں وجہ ترجیح: ہماری روایات کے ساتھ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کا تعامل ہے اور آئمہ اربعہ کے مذاہب سن کر اندازہ ہوتا ہے کہ جس وجوب کے امام شافعی قائل ہیں اس کا کوئی اور قائل نہیں۔ معلوم ہوا ہمارا مسلک قریب من الاجماع ہے اور آپ کا مسلک بعید من الاجماع ہے۔

دسویں وجہ ترجیح: علامہ شبلی رحمہ اللہ نے ایک مناظرہ لکھا۔ امام صاحب کا واقعہ یوں ہے کہ امام صاحب ایک جگہ مناظرہ کرنے گئے، اس مسئلہ پر بات چیت شروع ہوئی تو امام صاحب نے ان سے کہا کہ میں بیک وقت آپ سب سے بات کس طرح کروں تو تم سب مل کر ایک نمائندہ مقرر کرو جس کے ساتھ میں بات کروں۔ انہوں نے مجمع میں سے ایک آدمی کو متعین کیا۔ پھر امام صاحب نے ان سے کہا کہ اس آدمی کی فتح اور شکست تمہاری فتح وشکست ہوگی۔ ان سب لوگوں نے تسلیم کرلیا۔ پھر امام صاحب نے کہا کہ یہ مسئلہ ختم ہوگیا، اس میں میرا اور تمہارا اختلاف رہا ہی نہیں۔

بَاب مَا جَآءَ فِیْ تَرْکِ الْقِرَاْۃِ خَلْفَ الْاِمَامِ اِذَا جَھَرَ الْاِمَامُ بِالْقِرَاْۃِ

اگر امام زور سے پڑھے تو مقتدی قرأت نہ کرے

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ مِنْ صَلٰوۃٍ جَھَرَ فِیْھَا بِالْقِرَآءَۃِ فَقَالَ ھَلْ قَرَأَ مَعِیَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ اٰنِفًا فَقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّیْ اَقُوْلُ مَالِیْ اُنَازِعُ الْقُرْاٰنَ قَالَ فَانْتَھَی النَّاسُ عَنِ الْقِرَاْۃِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فیما یجھر فیہ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الصَّلٰوَاتِ بِالْقِرَاْۃِ حِیْنَ سَمِعُوْا ذٰلِکَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر کر بیٹھے ایسی نماز کے بعد کہ جس میں قرأت زور سے پڑھی جاتی تھی اور فرمایا کیا ابھی کسی نے تم میں سے میرے ساتھ قرأت کی؟ تو عرض

کیا ایک مرد نے ہاں! یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی کہتا تھا کیا ہوا مجھ کو چھنا جاتا ہے مجھ سے قرآن۔ کہا راوی نے پھر باز آگئے، لوگ قرأت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان نمازوں میں جن نمازوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زور سے پڑھتے تھے جب یہ بات سنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

بَابُ مَا يَقُولُ عِنْدَ دُخُولِهِ الْمَسْجِدِ مسجد میں داخل ہونے کی دُعا

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَسَنِ عَنْ أُمِّهِ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْحُسَيْنِ عَنْ جَدَّتِهَا فَاطِمَةَ الْكُبْرَى قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ صَلَّى عَلَى مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ وَقَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَإِذَا خَرَجَ صَلَّى عَلَى مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ وَقَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ فَضْلِكَ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن حسن سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنی ماں سے جو فاطمہ بنت حسین ہیں وہ روایت کرتے ہیں اپنی دادی سے جو فاطمہ کبریٰ ہیں کہا فاطمہ کبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں جاتے تو دُرود بھیجتے اوپر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اور سلام یعنی اپنے اوپر اور کہتے یارب! بخش گناہ میرے اور کھول دے میرے لیے دروازے رحمت کے اور جب باہر نکلتے تو رحمت مانگتے اپنے لیے اور سلامتی اور کہتے اے رب! بخش گناہ میرے اور کھول دے میرے لیے دروازے اپنے فضل کے۔

تشریح اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح اُمت مکلف ہے اس بات کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی خود اپنی رسالت کے اقرار کے مکلف ہیں۔ نیز اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے آپ پر دُرود بھیجنے کے مکلف ہیں۔ "تعلیماً للامت" باقی اس حدیث کو فاطمہ بنت حسین اپنی دادی یعنی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے نقل کر رہی ہیں حالانکہ ان کا سماع حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ثابت نہیں تو انقطاع کے باوجود امام ترمذی اس حدیث پر حسن کا حکم لگا رہے ہیں، اس لیے کہ کسی حدیث کی سند کا انقطاع اس حدیث کے ضعیف ہونے کو لازم نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ

جب کوئی مسجد میں جائے تو دو رکعت نماز پڑھے

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ.

ترجمہ حضرت ابوقتادہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آئے کوئی آدمی تم میں سے مسجد میں تو دو رکعت پڑھے بیٹھنے سے پہلے۔

تشریح مسئلہ اولیٰ: یہ صلوٰۃ صلوٰۃ تحیۃ المسجد ہے۔ کتب فقہ میں ہے کہ "ان صلی الفرائض و السنن بعد دخول فی المسجد سقطت عنه هذا الصلوة...... و ان لم ینوی" (کما فی البدایة عینی، ج:۲، ص:۳۸۵، فتح الباری، ج:۱، ص:۴۴۷، مجموع، جلد:۴، ص:۵۲) ملا علی قاری لکھتے ہیں "وانفقوا علی ان الامام لو کان یصلی المکتوبه او اخذ المؤذن فی الاقامة انه یترکها عند الاحناف جلوس بعد الدخول فی المسجد" سے یہ صلوٰۃ ساقط نہیں ہوتی۔ "لحدیث ابی ذر رضی اللہ عنه انه دخل المسجد فقال له النبی صلی اللہ علیه وسلّم ارکع رکعتین قال لا ثم قال قم فارکع، قم" سے معلوم ہوا کہ وہ بیٹھ گئے تھے اور ثابت ہوا کہ یہ نماز بیٹھنے سے ساقط نہیں ہوتی۔ خلاف للشافعی کہ جلوس سے یہ نماز فوت ہو جاتی ہے وہ استدلال کرتے ہیں بعض احادیث سے جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "صلی الرکعتین قبل ان تجلس" حدیث باب میں بھی ہے "فلیرکع رکعتین قبل ان یجلس" احناف یہ جواب دیتے ہیں کہ حدیث ہذا میں تقیید بعدم جلوس بیان اولویت کے لیے ہے تو اولیٰ صلوٰۃ قبل الجلوس ہے۔

شامی، جلد:۱، ص:۶۳۶ پر ہے "ان شاء صلت تحیة عند دخول و ان شاء صلی عند خروجه لحصول المقصود"

مسئلہ ثانیہ: اوقات مکروہ میں تحیۃ المسجد پڑھنے میں اختلاف ہے۔

مذہب اوّل: عند الاحناف اوقات مکروہ میں نہ پڑھے۔

مذہب ثانی: عند الشوافع اوقات مکروہہ میں بھی پڑھے، اگر دخول فی المسجد بوقت مکروہ ہو جائے دراصل یہاں پر دو عموم ہیں، اوّل عموم نہی عن صلوٰۃ فی الاوقات المکروہ۔ یہ نہی عام ہے تحیۃ المسجد کو بھی شامل ہے۔

دوم عموم امر لصلوٰۃ التحیۃ کہ جب بھی داخل فی المسجد ہو تحیۃ المسجد پڑھو۔ اس میں اوقات مکروہ بھی داخل ہیں، تو یہ تعارض ہے لہٰذا احد العمومین کی تخصیص ضروری ہے تو شوافع عموم ثانی کو برقرار رکھتے ہوئے عموم اوّل میں تخصیص کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ صلوٰۃ اس نہی سے مستثنیٰ ہے لہٰذا اوقات مکروہ میں بھی تحیۃ المسجد ادا کرنی چاہیے اور احناف و مالکیہ نے برعکس عمل کیا یعنی عموم نہی کو برقرار رکھا۔ لہٰذا یہ صلوٰۃ بھی ان اوقات میں مکروہ ہوگی اور عموم ثانی میں تخصیص کرتے ہیں یعنی یہ امر اوقات مکروہ کے علاوہ دیگر اوقات کو شامل ہے، احناف کا مسلک قوی ہے، اوّلاً تو اس لیے کہ محرم و مبیح کا تعارض آیا ہے تو محرم کو ترجیح ہوگی، دوم اس لیے کہ حدیث نہی عن الصلوٰۃ فی الاوقات المکروہ راجح ہے بتواترہ علامہ عزیزی نے شرح جامع صغیر میں اس حدیث کو متواتر کہا ہے۔ شیخ اکبر ابن عربی نے بھی مذہب حنفی کو ترجیح دی ہے۔

"قبل ان یجلس" کی قید احترازی نہیں بلکہ اولویت کے لیے ہے۔ جمہور کے نزدیک بیٹھنے سے پہلے پڑھے یا بیٹھنے کے بعد استحباب کا ثواب مل جائے گا۔ بعض حضرات نے کہا کہ جلوس دو حال سے خالی نہیں، ممتد ہوگا یا غیر ممتد، اگر غیر ممتد ہو مفوت استحباب نہیں اور اگر ممتد ہو تو مفوت استحباب ہوگا۔ باقی یہ حدیث دو طریق سے مروی ہے۔

(۱) بطریق انس بن مالک (۲) بطریق سہیل ابن ابی صالح۔فرق دونوں میں یہ ہے کہ بطریق انس بن مالک یہ مسندات قتادہ میں سے ہے اور سہیل والے طریق کے مطابق جابر بن عبداللہ کے مسندات سے ہے۔امام ترمذی نے پہلے طریق کے حق میں فیصلہ دیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الأَرْضَ كُلَّهَا مَسْجِدٌ إِلَّا المَقْبُرَةَ وَالحَمَّامَ

مقبرے اور حمام کے علاوہ پوری زمین مسجد ہے

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الأَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدٌ إِلَّا المَقْبَرَةَ وَالحَمَّامَ.

ترجمہ: حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمین ساری مسجد ہے مگر قبرستان اور حمام۔

تشریح: یہاں پر مسجد کا عرفی معنی مراد نہیں بلکہ مراد جائے نماز ہے۔بشرطیکہ اپنی اصلی حالت پر ہو پیشاب وغیرہ نہ کیا ہو یعنی عوارض سے خالی ہو، بجز مقبرہ اور حمام اور وہ جگہیں جو ان کے حکم میں ہیں، قبرستان میں نماز پڑھنے کی ایک صورت یہ ہے کہ قبر دائیں یا بائیں یا پیچھے ہو اگر آگے ہو تو نماز اور قبر کے درمیان حائل ہو، ان صورتوں میں بلا کراہت جائز ہے لیکن اگر قبر سامنے ہو اور حائل بھی نہ ہو تو پھر مکروہ ہے تشبہ بالاصنام کی وجہ سے۔باقی رہا حمام تو وہ جگہ باعظمت نہیں اور نماز کے لیے جگہ عظمت والی ہونی چاہیے نہ کہ "مواضع محتقرہ وفیہ اضطراب" اس حدیث میں مرکزی راوی عمرو بن یحییٰ ہیں۔باقی وہ اضطراب یہ ہے کہ عمرو بن یحییٰ کے شاگرد عبدالعزیز بن محمد اس کو جزماً موصولاً بیان کررہے ہیں اور سفیان ثوری اس کو مرسلاً بیان کررہے ہیں۔

(۲) حماد بن سلمہ بھی جزماً موصولاً بیان کررہے ہیں۔گویا ابوسعید خدری کا واسطہ ذکر کررہے ہیں۔

(۳) محمد بن اسحاق موصولاً ذکر کررہے ہیں لیکن جزماً نہیں، وہ کہتے ہیں کہ عمرو بن یحییٰ کی روایات ابوسعید کے واسطے سے ہیں، یہ اگرچہ موصول ہے لیکن جزماً نہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ نے سفیان ثوری کے حق میں فیصلہ دیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ بُنْيَانِ المَسْجِدِ مسجد بنانے کی فضیلت

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ بَنَى لِلّٰهِ مَسْجِدًا بَنَى اللهُ لَهُ مِثْلَهُ فِي الجَنَّةِ.

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے تھے جس نے بنائی اللہ کے واسطے ایک مسجد۔بنا چکا اللہ اس کے لیے برابر اس کے مکان جنت میں۔

تشریح "من بنی للہ الخ" مماثلت سے کیا مراد ہے؟ راجح یہ ہے کہ مماثلت فی الشرافۃ ہے کہ جس طرح عام گھروں کے مقابلے میں مساجد زیادہ عظمت والی ہوتی ہے اسی طرح باقی مسجد کا گھر بھی عظمت والا ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ يَتَّخِذَ عَلَى الْقَبْرِ مَسْجِدًا قبر کے پاس مسجد بنانے کی کراہت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُورِ وَالْمُتَّخِذِينَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ لعنت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور اس پر چراغ جلانے والوں پر اور اس پر مسجد بنانے والوں پر۔

تشریح مسجد قبر پر بنانا سے مراد یا تو مسجد فوق القبر ہے اور یہ مکروہ ہے کیونکہ مستلزم ہے اہانت قبر کو اور قبور واجب التعظیم ہیں یا مراد اتخاذ مسجد عند القبر ہے جبکہ قبلہ مسجد ہو اور یہ بھی مکروہ ہے کیونکہ سامنے قبر نہیں ہونی چاہیے بلا حائل یا مراد اتخاذ مسجد عند القبر ہے۔ "تقربًا الی صاحب القبر" یہ بھی مکروہ ہے اور اگر تقرب و تعظیم قبر مقصود نہ ہو بلکہ قصد تبرک بقرب المیت ہو تو پھر یہ جائز ہے بلا کراہت۔ بیضاوی لکھتے ہیں۔ "فاما من اتخذ مسجدا فی جوار صالح و قصدت تبرک بالقرب عنه لاتعظیم لا توجه الیه فلا یدخل هذا الوعید، عینی، ج: ۱، ص: ۱۵۱، نیل، ج: ۷، ص: ۷۸" روایت ہے کہ قبر اسماعیل علیہ السلام حطیم بیت اللہ میں ہے۔

مسئلہ ثانیہ: اس حدیث میں زائرات القبور پر لعنت کا ذکر ہے، زیارت قبور النساء میں ابوحنیفہ کے دو قول ہیں۔ اوّل تحریم دوم جواز بحر الرائق میں ہے "اصح انه رخصة ثابتة لهن" احادیث سے جواز زیارت لرجال ولنساء ثابت ہوتی ہے۔ بشرط تعدی عن حدود اللہ نہ ہو اور اگر تعدی ہو تو دونوں کے لیے مکروہ ہے۔

دلیل اوّلاً: مردوں کے لیے جواز احادیث سے ثابت ہے تو عورتوں کے لیے بھی ثابت ہوگا کیونکہ عورتیں احکام میں تابع رجال ہیں۔

ثانیاً: مستدرک حاکم میں روایت ہے "ان عائشة رضی الله عنها زارت قبر اخيها عبد الرحمن فقيل لها اليس قد نهى النبى صلى الله عليه وسلم عن هذا فقالت نعم نهى ثم امر" (فتح الباری، ج: ۳، ص ۶۵)

ثالثاً: روایت ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی "قالت قلت كيف اقول يا رسول الله تغنى الى زارت القبور قال قولى السلام على ابن الرياض المؤمنين"

رابعاً: مستدرک حاکم میں ہے "ان فاطمة بنت النبى صلى الله عليه وسلم كانت تزور قبر عمها حمزه كل جمعة فتصلى و تبكى عنده" (تلخیص، ص: ۱۶۷، مستدرک ج: ۱، ص ۳۷۷)

معلوم ہوا کہ زیارت قبور نساء جائز ہے۔ علماء لکھتے ہیں کہ دونوں کے لیے زیارت جائز ہے اور دونوں کے لیے تحریم ہے بسبب امور خارجیہ۔

سوال پھر حدیث ہذا میں تخصیص لعنت النساء کی وجہ کیا ہے؟ جواب: اس کی متعدد وجوہ ہیں۔

وجہ اوّل: چونکہ وہ امور خارجیہ جزع فزع اور قلت صبر اور آہ وبکار کرنا عورتوں کی طبیعت پر غالب ہے اس لیے انکار ذکر کیا۔

وجہ ثانی: زیارت قبور سے عورت کا کشف غالب یا لازم ہے اور عورت پر ستر لازم ہے اس لیے ان کی تخصیص کی گئی۔ لہٰذا اگر ستر کے اندر زیارت والدین یا قبور صالحہ کرے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔

وجہ ثالث: یہ حکم اولاً تھا بعدہ منسوخ ہوا۔ "کما ھو مصرح فی روایة العائشة رضی اللہ عنھا"

وجہ رابع: قرطبی لکھتے ہیں کہ یہ لعنت مطلق زائرات کے لیے نہیں ہے بلکہ کثرت سے زیارت کنندہ عورتوں کے لیے ہے اور بعض روایات میں زوارات القبور ہے اور یہ صیغہ کثرت پر دال ہے۔

وجہ خامس: رخصت مشروط ہے "باذن الزوج" اور بغیر اذن زوج نہی ہے۔

وجہ سادس: خیر رملی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "لا بأس للعاجز ویکرہ لشوائب کالجماعة فی المسجد" اگر فتنے اور ارتکاب بدعات سے امن ہو تو جائز ہے اور اگر امن نہ ہو تو ممنوع ہے۔ (شرح مہذب ج:۵،ص:۳۱۰)

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّوْمِ فِي الْمَسْجِدِ مسجد میں سونے کے بیان میں

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا نَنَامُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ وَنَحْنُ شَبَابٌ

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ کہا کہ ہم سوتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد کے اندر اور ہم جوان تھے۔

تشریح اس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ معتکف کے لیے تو سونا بالاجماع جائز ہے اور معتکف کے ماسواء کے بارے میں دونوں طرح کی احادیث ہیں، اباحت بھی اور احادیث نہی بھی۔

ان دونوں روایات میں تطبیق:

جواب (۱): احادیث اباحت بیان جواز پر محمول ہیں اور احادیث نہی نہی تنزیہی پر محمول ہیں۔

جواب (۲): احادیث اباحت حالت ضرورة پر محمول ہیں اور احادیث نہی عدم ضرورة پر محمول ہیں۔

جواب (۳): اگر عادت بنالے تو نہی ہے ورنہ جائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ وَإِنْشَادِ الضَّالَّةِ وَالشِّعْرِ فِي الْمَسْجِدِ

خرید وفروخت اور ڈھونڈنا کھوئی چیز کا اور شعر کہنا مسجد میں مکروہ ہے

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى عَنْ تَنَاشُدِ الْأَشْعَارِ فِي الْمَسْجِدِ وَعَنِ الْبَيْعِ وَالِاشْتِرَاءِ فِيهِ وَأَنْ يَتَحَلَّقَ النَّاسُ فِيهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ الصَّلَاةِ

ترجمہ حضرت عمرو بن شعیب سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا اشعار پڑھنے سے اور خرید وفروخت کرنے سے اور حلقہ باندھ کر بیٹھنے سے جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے۔

تشریح پہلی بات: بیع وشراء فی المسجد معتکف کے لیے تو بالاجماع جائز ہے بشرطیکہ ساز وسامان کا احضار فی المسجد نہ ہو اور اس کے ماسواء کے لیے نہی تنزیہی کا درجہ ہے یہ بھی جب ہے جب سامان کا احضار نہ ہو ورنہ نہی تحریمی ہے۔

دوسری بات: اختلافی مسئلہ، گمشدہ چیز کا اعلان مسجد میں کرنے کا کیا حکم ہے؟

"انشاد الضالة فی المسجد" اس کی دو صورتیں ہیں (۱) سامان خارج مسجد میں گم ہوا پھر تلاش کیا جائے یعنی اعلان کروایا جائے مسجد میں یہ جائز نہیں ہے۔ (۲) سامان گم ہی مسجد میں ہوا تو پھر اعلان کرنے کی گنجائش ہے۔

تیسری بات: "انشاد الاشعار فی المسجد" اس کے بارے میں دونوں قسم کی احادیث ہیں، احادیث اباحت بھی اور احادیث نہی بھی۔ احادیث اباحت محمول ہیں اشعار محمودہ پر اور احادیث نہی محمول ہیں اشعار مذمومہ پر۔

چوتھی بات: "تحلق الناس یوم الجمعة" تحلق ٹولیاں بنانا منع ہے کیونکہ یہ ہیئت مصلین کے خلاف ہے اور اس طرح ٹولیاں بنانا مقصد کی اہمیت کے خلاف ہے اور تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ یہ استماع خطبہ میں بھی مخل ہے اور بعض روایتوں میں حلق ہے حلقہ کی جمع۔

سند عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عاص:

خصوصیت اس کی یہ ہے کہ اس جیسی باقی سندوں میں ضمیر اوّل کا جو مرجع ہوتا ہے وہی ضمیر ثانی کا ہوتا ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اوّل ضمیر کا مرجع عمرو ہے، دوسری ضمیر کا مرجع شعیب ہے کہ عمرو روایت کر رہے ہیں شعیب سے اور شعیب اپنے دادا عبداللہ سے اور دونوں کا مرجع ایک بنائیں تو پھر معنی ہوگا کہ شعیب روایت کر رہے ہیں اپنے باپ سے اور یہ صحیح نہیں۔

باقی یہ سند قابل استدلال ہے یا نہیں تو امام بخاری اور محققین کی رائے یہ ہے کہ یہ سند قابل استدلال ہے چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقولہ نقل کر دیا "سمعت احمد و اسحٰق" مقولہ میں یہ ہے "وعلی بن المدینی و ابا عبیدہ و عامة کلّهم یحتجون بهذا الحدیث" امام بخاری نے فرمایا، ان کے بعد کون سے محدثین کامل ہوں گے اور یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ یہ سند قابل استدلال نہیں ضعیف ہے۔ شبہ یہ ہے کہ جدہ کے مصداق میں عقلاً دو احتمال ہیں۔

ایک یہ کہ عمرو کے دادا محمد ہوں، اس صورت میں روایت مرسل ہو جائے گی کیونکہ یہ تابعی ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست روایت کر رہے ہیں۔

دوسرا احتمال: جد کا مصداق عبداللہ ہوں، اس صورت میں یہ روایت منقطع ہو جائے گی اس لیے کہ شعیب کا اپنے دادا سے سماع ثابت نہیں۔

تیسرا احتمال: شعیب کو اپنے دادا سے سماع تو ثابت نہیں البتہ دادا کے بیاض سے روایت بیان کرتے تھے اور بدون سماع روایت کرنا یہ روایت بطریق وجادہ ہے اور اس کے حجت ہونے میں اختلاف ہے کہ قابل حجت ہے یا نہیں؟ ان وجہ ثلاثہ کی وجہ سے یہ سند قابل حجت نہیں۔

پہلے اور دوسرے شبہ کا جواب: یہ ہے کہ یہاں متعین ہے کہ جد کا مصداق عبد اللہ ہے۔ ''فاندفع الاعتراض الاوّل'' اور باقی رہا دوسرے کا جواب ''نحن لانسلم'' کہ سماع ثابت نہیں۔ حافظ شمس الدین ذہبی نے تصریح کی ہے کہ شعیب کا اپنے دادا عبد اللہ سے سماع ثابت ہے بلکہ شعیب کے والد محمد بچپن میں وفات پا گئے تھے پرورش ہی دادا نے کی تھی۔ چنانچہ دادا سے کسی نے احرام کے متعلق مسئلہ پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس جاؤ۔ شعیب کہتے ہیں کہ دادا نے مجھے بھی سائل کے ساتھ بھیجا کہ راستہ بتلاؤ، یہ سارا بیان دال ہے کہ سماع ثابت ہے۔ ''فاندفع الشبہ الثانیہ'' اور اس سے شبہ ثالث بھی رفع ہو گیا کہ جب سماع ثابت ہے تو روایت بطریق وجادہ بھی مضر نہیں لیکن اس کے باوجود شیخین اپنی صحیحین میں اس سند کو نقل نہیں کرتے، اس لیے کہ بعض روایات ایسی ہیں جن کا سماع ہے اور بعض کا سماع ثابت نہیں تو احتیاطاً صحیحین میں اندراج نہیں کیا اور امام احمد رحمہ اللہ کا قول یہ بھی ہے کہ محدثین اگر چاہیں تو استدلال لیتے ہیں اور اگر چاہیں تو نہیں کرتے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَى اس مسجد کے بیان میں جو تقویٰ پر بنائی گئی

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ امْتَرَى رَجُلٌ مِنْ بَنِي خُدْرَةَ وَرَجُلٌ مِنْ بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَى فَقَالَ الْخُدْرِيُّ هُوَ مَسْجِدُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ الْآخَرُ هُوَ مَسْجِدُ قُبَاءٍ فَأَتَيَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذَلِكَ فَقَالَ هُوَ هَذَا يَعْنِي مَسْجِدَهُ وَفِي ذَلِكَ خَيْرٌ كَثِيرٌ.

ترجمہ حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ تکرار کی ایک مرد نے بنی خدرہ سے دوسرے مرد سے جو بنی عمرو بن عوف کا تھا اس میں کہ وہ مسجد کون سی ہے جو بنی ہے تقویٰ پر سو کہا خدری نے وہ مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور کہا دوسرے نے وہ مسجد قبا ہے۔ پس دونوں آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ یہی مسجد ہے یعنی مسجد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اس میں بڑی خیر ہے۔

تشریح ''لمسجد أسس'' اس مسجد کے مصداق میں حضرت ابو سعید اور ایک عوفی کا اختلاف ہوا۔ ابو سعید نے فرمایا کہ مصداق مسجد نبوی ہے۔ عوفی نے کہا کہ مصداق مسجد قباء ہے تو فیصلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سعید کے حق میں فیصلہ دیا۔

سوال: سارے مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیت یعنی ''لمسجد أسس علی التقویٰ'' میں مسجد کا مصداق مسجد قباء ہے؟

جواب: اس بات پر تو دونوں کا اتفاق تھا کہ مسجد قباء اس کا مصداق ہے ہی لیکن اختلاف اس میں تھا کہ مسجد نبوی بھی اس کا مصداق ہے یا نہیں؟ عوفی نفی کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ مسجد قباء ہی اس کا مصداق ہے اور ابو سعید اثبات کرتے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سعید کے حق میں فیصلہ دیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ فِي مَسْجِدِ قُبَاءٍ مسجد قباء میں نماز پڑھنا

قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَبْرَدِ مَوْلَى بَنِي خَطْمَةَ أَنَّهُ سَمِعَ أُسَيْدَ بْنَ ظُهَيْرٍ الْأَنْصَارِيَّ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصَّلَاةُ فِي مَسْجِدِ قُبَاءٍ كَعُمْرَةٍ

ترجمہ حضرت ابو الابرد سے روایت ہے جو مولیٰ بنی خطمہ کے سنا انہوں نے اسید بن ظہیر انصاری کو اور وہ صحابی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ اُسید کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنا مسجد قبا میں ایسا ثواب رکھتا ہے جیسا عمرہ بجالانا۔

تشریح امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں مسجد قباء کے اندر نماز پڑھنے کی فضیلت کا بیان کیا ہے کہ اس کی فضیلت ایک عمرے کے برابر ہے اور مسجد قباء میں نماز پڑھنے کا ثواب مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کے ثواب کے برابر اتنا ہے جتنا حج کے مقابلے میں عمرے کا ثواب ہے۔ یعنی مسجد قباء میں عمرے کے برابر ثواب ملتا ہے اور مسجد نبوی میں ایک نماز کا ثواب حج کے برابر ملتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَيِّ الْمَسَاجِدِ أَفْضَلُ مساجد کے درمیان فضیلت کے بیان میں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هَذَا خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک نماز میری مسجد میں بہتر ہے ہزار نماز سے اور مسجدوں میں سوا مسجد حرام کے یعنی بیت اللہ کے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِي هَذَا وَمَسْجِدِ الْأَقْصَى.

ترجمہ حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کجاوے اور زین باندھے نہ جائیں یعنی سفر نہ کیا جائے مگر تین مسجدوں کے واسطے ایک مسجد حرام اور ایک میری مسجد اور ایک مسجد بیت المقدس۔

تشریح پہلی بات: احادیث سے مساجد ثلاثہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ روایات مختلف ہیں۔

اوّل مسجد الاقصیٰ، اس میں پانچ سو نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ رواہ البزاز عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ اور روایت ابن ماجہ میں

ہے "قال صلٰوۃ فیه کالف صلٰوۃ فی غیرہ رواہ میمونۃ قالت قلت یارسول اللہ افتنا فی بیت المقدس فقال ھو ارض المحشر والمنشر ایتوہ فصلوا فیه فان الصلٰوۃ فیه کالف صلٰوۃ فی غیرہ" ایک روایت میں ہے کہ اڑھائی سو نمازوں کا ثواب ملتا ہے جیسے روایت ابی ذر فی الطبرانی (اعلام الساجد ص ۲۸۷، ۲۴۷)

دوم مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور سوم مسجد حرام ایک حدیث ہے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی، "صلٰوۃ فی مسجد هذا افضل من الف فی غیرہ الا المسجد الحرام و صلٰوۃ فی مسجد الحرام افضل من الصلٰوۃ فی مسجد هذا بمائة صلٰوۃ اخرجه ابن عبدالبر" ایک اور حدیث ہے مرفوعاً "صلٰوۃ فی مسجد هذا افضل من الف صلٰوۃ فیما سواہ الا المسجد الحرام و صلٰوۃ فی المسجد الحرام من مائة الف صلٰوۃ فیما سواہ" مسجد حرام کی نماز پچپیس سال چھ ماہ اور بیس دن کی نمازوں کے برابر ہے اور صلٰوۃ یوم ولیلۃ فی المسجد الحرام برابر ہیں، اس شخص کی نمازوں سے جس کی عمر دو سو ستر سال نو ماہ اور دس دن ہو۔ ایک اور حدیث ہے مرفوع "صلٰوۃ فی مسجدی بعشرہ الاف الصلٰوۃ و صلٰوۃ فی المسجد والحرام بعشرۃ امثالها رواہ الطبرانی"

دوسری بات: مسئلہ اس میں اختلاف ہے کہ مسجد حرام افضل ہے یا مسجد نبوی افضل ہے؟...... "الا المسجد الحرام" استثناء کے اندر تین قول ہیں۔

قول اوّل: یہ استثناء مساوی ہے تو مسجد حرام مسجد نبوی کے مساوی ہے۔ "قاله ابن البطال والکرمانی"

قول ثانی: یہ استثناء افضل ہے عند الجمہور من العلماء تو مسجد حرام افضل ہے مسجد نبوی سے۔

قول ثالث: یہ استثناء مفضول ہے یعنی مسجد الحرام مسجد نبوی سے ادنیٰ ہے۔ وبہ قال مالک، لہٰذا امام مالک کے نزدیک مسجد مدینہ افضل ہے مسجد حرام سے بلکہ خود مدینہ بھی افضل ہے مکہ مکرمہ سے۔ لہٰذا یہ ایک دوسرا مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ مکہ مکرمہ افضل ہے یا مدینہ منورہ تو عند الجمہور مکہ مکرمہ افضل ہے اور عند مالک مدینہ منورہ افضل ہے اور اس پر قدیم زمانے سے بحثیں چلی آرہی ہیں۔ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ یہ اختلاف قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس خطہ کے علاوہ میں ہے جس میں قبر ہے باقی وہ بقعۂ مبارکہ جس میں جسد نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدفون ہے اور اس کے آس پاس خطہ یا بالاجماع ارض مکہ مکرمہ بلکہ خود کعبۃ اللہ سے بھی افضل ہے بلکہ عرش و کرسی سے بھی افضل ہے۔ "قال قاضی عیاض فی الشفاء" (وکذافی المرقاۃ، ج:۳، ص ۲۸۴، نسیم الریاض، ج:۳، ص:۵۳۱، فتح الملہم، ج:۲، ص:۴۱۹، وفاء الوفاء للسہودی، ص ۲۵)

مسئلہ ثالثہ: مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ فضیلت آیا مختص ہے مسجد کی اس مقدار سے جو عہد نبی میں تھی یا مازید علیہ بعدہ میں بھی یہ فضیلت ہے تو حافظ عینی نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ جتنی بھی زیارت ہوتی ہے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس سب میں یہ ثواب ہے اور یہی مختار ہے جمہور اور نووی وطبری نے قول اوّل کو ترجیح دی ہے۔ مختار عینی مختار امام مالک بھی ہے۔ عینی کا قول اعلیٰ واقویٰ ہے اولاً تو اس لیے کہ اس حدیث میں اسم واشارہ جمع ہیں اور ایسی صورت میں اسم کو ترجیح ہوتی ہے اشارے پر۔ "فقال افضل فی مسجدی هذا" اور یہ قول اوّل کا مؤید ہے اور مسجدی اسم ہے تو اسم کو ترجیح ہے کیونکہ ماز اد بھی

مسجد النبوی صلی اللہ علیہ وسلم کہلاتی ہے۔ ثانیاً روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ "قال قال ثو بنی ھذا المسجد الی صنعاء کان مسجدی"

مسئلہ رابعہ: حدیث میں ہے "لا تشد الرحال الا الی ثلاثہ مساجد" شد رحال کنایہ ہے سفر سے سفر الی زیارت القبور والمقامات المتبرکہ میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: یہ جائز ہے عند شیخ عبد الحق الدھلوی وامام الحرمین والجمہور۔

قول ثانی: یہ ممنوع ہے عند قاضی عیاض وابن تیمیہ وابن القیم وشاہ ولی اللہ محدث الدہلوی۔

قول ثانی والوں کی دلیل:

یہ حدیث باب ہے "لا تشد الرحال الا الی ثلاثہ مساجد" یعنی سفر صرف ان تین جگہوں کی طرف جائز ہے۔ روایت ہے "لا تعمل المطیئ الا الی ثلاثہ مساجد" تو ان تین کے علاوہ میں عموم نہی پر عمل ہوگا۔ لہٰذا سفر بجبل طور وغیرہ ممنوع ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ، ج:۱، ص:۱۹۲) پر ہے "الحق عندی ان القبر و . . . العبادۃ . . . کل ذلک سواء فی النھی" حدیث ہذا کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہاں پر مستثنیٰ منہ لفظ مسجد محذوف ہو۔ "ای لا یشد الرحال الی مسجد الا ثلاثہ مساجد" تو ان تین کے علاوہ مساجد کی طرف سفر کی ممنوعیت اس حدیث سے ثابت ہوئی اور مطلق اسفار کی نفی ثابت نہ ہوئی ورنہ پھر تو "سفر للعلم لزیارۃ الشیوخ والوالدین ولتجارۃ" بھی حرام ہوگا۔ "ولم یقل بہ احد بتحریمہ" چنانچہ حدیث ہے "عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ وذکر عندہ صلوٰۃ فی الطور قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم لا ینبغی ان یشد الرحال الی مسجد تبتغی فیہ الصلوٰۃ غیر مسجد الحرام ومسجدی ومسجد الاقصیٰ" اس میں تصریح ہے مسجد کی۔

مسئلہ خامسہ: سفر الی زیارت قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقبور الانبیاء علیہم السلام مستحب ہے عند الجمہور وبعض العلماء نقل الاجماع لیکن ابن تیمیہ کے نزدیک ممنوع ہے اور فرماتے ہیں یہ ناجائز ہے تو ان کے نزدیک زیارت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سفر حرام ہے۔ بدلیل قول علیہ السلام "لا تشد الرحال الا الی ثلاثہ مساجد" ابن تیمیہ فتاویٰ جلد ۲ پر لکھتے ہیں پھر جب مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر جائز ہوا تو جب مسجد میں پہنچ جائے پھر صلوٰۃ علی النبی وزیارت قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم جائز ہے "ولذا کرہ مالک ان یقال زرت قبر النبی" زیارت قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں جو احادیث وارد ہیں ان کو ابن تیمیہ نے بعض کو ضعیف اور بعض کو موضوع قرار دیا ہے اور اسی مسئلہ کی وجہ سے ابن تیمیہ پر بڑے مصائب آئے اور جیل میں ڈالے گئے اور جیل ہی میں انتقال کر گئے۔ اپنے معاصر شیخ احمد سبکی کے ساتھ ان کے مناظرے ہوتے تھے، سبکی قاضی القضاۃ تھا اور امام دُنیا تھا، سبکی نے ابن تیمیہ کی تردید میں شفاء السقام فی زیارت خیر الانام کتاب لکھی ہے۔ پھر سبکی کا رد میں محمد بن احمد حنبلی متوفی ۷۴۴ ہجری جس کا نام ہے "الصارم المنقی فی رد علی السبکی" پھر صارم منقی کی تردید لکھی احمد بن ابراہیم متوفی ۱۰۳۳ ہجری نے جس کا نام ہے المبرد المکی لصارم المنکی اور اس طرح آج تک رسالے لکھے جا رہے ہیں اور سعودی حکومت والے ان کا عقیدہ ابن تیمیہ کے

مطابق ہے۔ جمہور اور ابن تیمیہ کے اتباع میں یہ اختلاف قدیم سے چلا آ رہا ہے ابن تیمیہ کی دلیلیں متعدد ہیں۔

ابن تیمیہ کی دلیل: حدیث الباب ہے حدیث "نهی عن شد الرحال" استدلال یوں ہے کہ یہاں مستثنیٰ منہ مقدر عام ہے کہ امکنہ میں سے کسی مکان کی طرف سفر نہ کیا جائے بجز مساجد ثلاثہ کے۔

جواب (۱): ہم تسلیم نہیں کرتے کہ مستثنیٰ منہ مقدر عام ہے کیونکہ استثناء میں اصل اتصال ہے اور استثناء متصل میں ضروری ہے کہ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کی ایک جنس ہو۔ اب معنی ہوگا کہ کسی مسجد کی طرف سفر نہ کرو بجز مساجد ثلاثہ کے۔

جواب (۲): دوسری وجہ یہ ہے کہ مسند احمد کی روایت میں مستثنیٰ منہ کا لفظ متن میں ہی موجود ہے، الفاظ یوں ہیں:

"لا ينبغى للبطئ ان يشد رحاله الى مسجد تبتغى فيه الصلوٰة غير المسجد الحرام و مسجدى و مسجد الاقصى"

پس اس مذکور کے قرینے سے جہاں محذوف ہے وہی مستثنیٰ مقدر مانا جائے جو مذکور ہے یعنی وہاں بھی مسجد ہی نکالیں گے۔

جواب (۳): اگر اس کو اپنے عموم پر رکھا جائے تو پھر لازم آئے گا کہ اور کوئی سفر جائز ہی نہ ہو، یہ اجماع کے خلاف ہے۔

جواب (۴): شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں نے کچھ جگہیں مقرر کر رکھی تھیں ان کو شعائر اللہ سمجھتے تھے، ان کی تعظیم کے لیے سفر کرتے، اس حدیث میں زمانہ جاہلیت کی تردید ہے روضہ کی طرف سفر کرنے سے ممانعت مقصود نہیں۔

دلیل ثانی: امام مالکؒ سے منقول ہے "انه كره ان يقال زرت قبر النبى صلى الله عليه وسلم"

جواب اوّل: قاضی عیاضؒ لکھتے ہیں "اختلفوا فى معنى قول مالك هذا فقيل كراهية الاسم الى اسم الزيارة يقول عليه السلام لعن الله زوارت القبر" تو زیارت قبر نبی مکروہ نہیں ہے بلکہ فقط لفظ زیارت قبر کو مکروہ فرمایا۔

جواب ثانی: امام مالک نے صرف لفظ زرت کو مکروہ کہا "لان الزائرة عمر ما يكون افضل من المزور" حالانکہ یہاں پر مزور یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہیں زائر سے۔

جواب ثالث: بہتر جواب یہ ہے کہ کراہت کی وجہ نسبت الی قبر النبی ہے "فلو قال زرتا النبى لم يكره تقول عليه السلام اللهم لا تجعل قبرى وثنا يعبد فمنع هذا اللفظ سد اللباب"

دلیل ثالث: مرفوع حدیث ہے "لا تجعلوا قبرى عيداً رواه ابو داؤد" اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت نہ کی جائے کیونکہ زیارت مستلزم عید ہے یعنی مستلزم اجتماع مثل اجتماع عید ہے۔

جواب اوّل: اس کی سند میں عبداللہ بن نافع ضعیف ہے۔

جواب ثانی: امام منذری لکھتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ میری زیارت کثرت سے کرو اور صرف بعض اوقات میں زیارت کرنا مثل عید یہ منہی ہے۔

جواب ثالث: میری قبر کی زیارت کے لیے ایک وقت مخصوص مقرر نہ کرو "كالوقت المخصوص للعيد بل زوروا قبرى كل يوم و كل وقت شفاء السقام ص: ۸۰"

دلائل جمہور قائلین بجواز سفر زیارت النبی:

قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا استحباب ثابت ہے، کتاب اللہ وسنت واجماع وتعامل، اقوال آئمہ وعمل صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے۔

جمہور کی دلیل اوّل: ”ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاؤک فاستغفر اللہ واستغفر لہم الرّسول“ اس کا حکم جیسے آپ کی زندگی میں ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دُنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد بھی ہے کیونکہ نصوص صحیحہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ثابت ہے۔

دلیل ثانی: ”ومن یخرج من بیتہ مہاجرًا الی اللہ ورسولہ“ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر جانا بھی من وجہ ہجرت ہے۔

دلیل ثالث: حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے مرفوعا ”ما من احد لیسلم احد الا رد اللّٰہ علیھا روحی حتی ردّ علیہ السلام رواہ ابو داؤد“

دلیل رابع: حدیث مرفوع ہے ”زوروا القبور فانھاتذ کر کم الاخرۃ“ اور قبور کے عموم میں قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے جب عام قبور کے متعلق یہ حکم ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کے بارے میں بطریق اولیٰ یہ حکم ثابت ہوگا۔

دلیل خامس: حدیث مرفوع ہے ”ما من عبد لیسلم علیّ عند قبری الا وکل بھا ملک لیبلغنی ولو فی امر اخرت وکنت لہ شھید او شفیعًا یوم القیامۃ رواہ جامع الصغیر“

دلیل سادس: تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم بھی زیارت قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا ”کان عمر بن عبدالعزیز یبعث رسولاً من الشام الی المدینہ لیقرء السلام علی النبی ثم یرجع“ (شفاء السقام ص:۵۵)

دلیل سابع: اجماع ہے اُمت کا سنیت زیارت قبر نبی پر، قاضی ابو طیب لکھتے ہیں ”یستحب ان یزور النبی بعد ان یحج ویعتمر“ ابن الجوزی نے بھی اس کی تصریح کی ہے کتاب مصیر العزم الساکن الی اشرف الاماکن۔

دلیل ثامن: زیارت قبر کئی اقسام پر ہے۔

اوّلاً: مجرد تذکر الموت والاجرۃ اس میں محض رؤیت قبور کافی ہے، اگرچہ وہ انہیں نہ جانتا ہو اور اگرچہ وہ کفار کی قبریں ہوں۔

دوم: ”الدعاء لاھل القبور کدعاء النبی لاھل البقیع“

سوم: متبرک باہل القبور جب کہ وہ اہل صلاح ہوں۔

چہارم: ادائے حق اہل قبور مثل ”زیارت قبر والدین لاداء حقھما ومثل زیارت قبور احباب و اصدقاء لاداء حقوق الصداقت والمحبۃ ومنہ زیارت النبی صلی اللہ علیہ وسلّم بقبر امہ“ زیارت بھی ایک بر واحسان ہے زیارت میت بھی نیکی اور احسان ہے کیونکہ اس سے میت کو اُنس بالزائر حاصل ہوتا ہے۔ حدیث ہے ”انس مایکون المیت فی قبرہ اذازارہ من کان یحبہ فی دار الدنیا“ یہ چار مقاصد ہیں زیارت قبور میں اور یہ چاروں مقاصد بدرجہ اتم زیارت قبر نبی کے

داعی ہیں کیونکہ قبرنبی بطریقہ اتم ذکرآخرت سبب ہے اور وہاں پر درُود پڑھنا اور دُعا کرنا سب سے اہم ہے اور تمام قبور سے بڑھ کر متبرک کا ذریعہ ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق ہم پر بہت زیادہ ہیں تو ادائے حقوق کے لیے بطریق اکمل زیارت قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مستحب ہونی چاہیے۔(شفاء السقام،ص:۸۰)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَشْيِ إِلَى الْمَسْجِدِ مسجد کی طرف جانے سے متعلق

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَأْتُوهَا وَأَنْتُمْ تَسْعَوْنَ وَلٰكِنْ ائْتُوهَا وَأَنْتُمْ تَمْشُونَ وَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةَ فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تکبیر ہو جائے نماز کی تو نہ آؤ دوڑتے ہوئے بلکہ آؤ چلتے ہوئے اور تم پر تسکین ہو سو جو ملے پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے پوری کرلو۔

تشریح مسئلہ اولی: حدیث ہذا میں جماعت صلوٰۃ کی طرف دوڑ کر جانے کی نہی ہے اور سکینہ اور وقار سے جانے کا امر ہے۔ جلدی اور سعی سے منع کی متعدد وجوہ ہیں۔

وجہ اوّل: خوف سقوط ہے بسبب السراع۔

وجہ ثانی: یہ خلاف تعظیم ہے۔

وجہ ثالث: اسراع وسعی سے تنفس کی حالت اعتدال متغیر ہو جاتی ہے، سانس پھول جاتا ہے اور یہ تغیر نقصان دہ ہے "اذا لا یقدر علی تصحیح الفاظ القراءۃ او التکبیر و الثناء"

وجہ رابع: اسراع موجب تقلیل اقدام ہے اور عدم اسراع موجب کثرت اقدام ہے اور کثرت اقدام موجب کثرت اجر ہے۔

وجہ خامس: جو شخص مسجد کی طرف جارہا ہو وہ بحکم مصلی ہے۔

بحدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ "ان احدکم اذا کان یعمد الی الصلوٰۃ فھو فی صلوٰۃ فعلیہ ان یجتنب عن الاسراع وعما لاینبغی للمصلی" (فتح الباری ج:۲،ص:۸۰)

مسئلہ ثانیہ: صلوٰۃ مسبوق میں بحث ہے کہ اسے جو نماز مع الامام ملی، آیا یہ اس کی اوّل صلوٰۃ ہے یا آخر صلوٰۃ۔

قول اوّل: عندالجمہور مدرک مع الامام یہ اس کی اوّل صلوٰۃ ہے تو جمہور نے ترتیب حسی کو اختیار کیا ہے وبہ قال الشافعی والاسحاق والاوزاعی وروایۃ عن مالک واحمد، لہٰذا ان کے نزدیک مسبوق کی ساری نماز مرتب ہوگی مثل صلوٰۃ لاحق۔

قول ثانی: یہ اس کی اوّل نماز ہے بنسبت افعال کے "فیبنی الیھا" اور یہ آخر بنسبت اقوال کے "فیقضیھا وھو قول مالک" یعنی اس کی رکعتیں مرتب ہیں۔ البتہ وہ قرأۃ للفاتحہ وسورۃ پچھلی رکعتوں میں قضا لائے گا۔ "لما روی قتادہ ان علی

بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال ما ادرکت مع الامام فھو صلوتک واقض ما سبقک“

قول ثالث: امام مزنی واہل ظواہر کہتے ہیں یہ اس کی اوّل نماز ہے اور یہ مسبوق ان میں الحمد وسورت مع الامام پڑھے گا اور جب بعد الامام یہ قضاء کے لیے کھڑا ہوجائے تو صرف الحمد للہ پڑھے گا کیوں کہ یہ اس کی آخری نماز ہے۔

قول رابع: یہ صلوٰۃ مدرک مع الامام مسبوق کی آخر صلوٰۃ ہے جس طرح یہ امام کی یہ آخر صلوٰۃ ہے اور امام کے سلام کے بعد جب قضا کرے گا تو اقوال وافعال دونوں کی قضاء ہے۔ لہٰذا اس کی نماز مرتب نہ رہی۔ آخر مقدم ہوئی اور مقدم آخر ہوئی، ہذا عند ابی حنیفہ وسفیان واحمد فی روایۃ ومجاہد وابن سیرین وابراہیم النخعی وشعبی وروی عن ابن مسعود وابن عمر، فتح الملہم، ج:۲، ص: ۱۸۳

قول خامس: امام محمد فرماتے ہیں کہ میرا مذہب وہی ہے جو امام ابوحنیفہ کا ہے لیکن حق قرأت ورکعت میں نہ حق تشہد میں لہٰذا سلام امام کے بعد وہ جو نماز پڑھے گا وہ اس کی صلوٰۃ ابتداء ہے باعتبار قرأت کے اور آخر ہے باعتبار تشہد کے مبسوط میں یہ قول محمد بتایا ہے لیکن بعض کتب میں یہ قول صاحبین کا بتلایا ہے۔ ایک مثال سے فرق واضح ہوجائے گا۔ صلوٰۃ رباعی میں مسبوق فقط ایک رکعت مع الامام ملی تو بعد سلام الامام مقتدی پہلے اوّل نماز پڑھے گا۔ یعنی دو رکعتیں بھری ہوئی پڑھ کر پھر تشہد میں بیٹھے گا پھر کھڑا ہو کر آخر صلوٰۃ کی ایک باقی رکعت ادا کرے گا۔ ہذا عند ابی حنیفہ لیکن امام محمد کے نزدیک بعد الامام ایک رکعت پڑھ کر تشہد کرے کیونکہ وہ رکعت امام بھی باعتبار تشہد اوّل رکعت شمار فرماتے ہیں اور یہ دوسری رکعت ہوئی تو تشہد کرے گا۔ فتویٰ قول امام محمد پر ہے اگر کبھی بھول گیا تو قول ابی حنیفہ پر عمل کرنا چاہیے اور اگر اس پر بھی عمل نہ کیا تو سجدہ سہو سے نماز نہ ہوگی اور نماز واجب الاعادہ ہے لیکن عند البعض سجدہ سہو سے نماز ہوجائے گی۔ (مغنی، جلد:۲، صفحہ ۲۶۵، شرح تقریب، جلد:۲، ص:۳۶۱، عینی جلد:۲، ص:۶۷۳، بدائع جلد:۱، ص:۲۶۸، فتح الملہم، ج:۲، ص:۱۸۳)

ابوحنیفہ کا قول اقویٰ ہے من وجوہ

وجہ اوّل: ترتیب بین الرکعات شریعت نے مقرر کی ہے۔ لہٰذا ترتیب حسب طاقت باقی رہنی چاہیے۔

وجہ ثانی: مقتدی تمام افعال میں تابع امام ہے مثل سہو وغیرہ تو ترتیب میں بھی وہ تابع ترتیب امام ہونا چاہیے جو رکعت امام کی آخر صلوٰۃ ہوگی مقتدی کی بھی آخر ہونی چاہیے۔

وجہ ثالث: روایات میں ہے ”ما فاتکم فاتموا“ لفظ فوت سے معلوم ہوا کہ امام کی رکعت مقتدی کے لیے آخری رکعت ہے اور یہ کہ مقتدی کی اوّل صلوٰۃ فوت ہوگئی اور اگر یہ مقتدی کے لیے اوّل صلوٰۃ ہو تو مقتدی سے کچھ بھی فوت نہ ہوا۔

وجہ رابع: ابوداؤد میں ہے ”فاقضوا ما فاتکم“ اور ابوداؤد میں ”واقضوا ما سبقکم“ (جلد:۱، صفحہ ۸۴) معلوم ہوا کہ بعد سلام الامام مقتدی کا ماسبق یعنی ماضی صلوٰۃ کی قضا کررہا ہے اور ماضی تو اوّل صلوٰۃ امام تھی تو مقتدی اس اوّل کی قضا کررہا ہے۔ معلوم ہوا کہ مدرک مع الامام مسبوق کی آخر نماز تھی، یہ دلیل مبنی تھی لفظ سبق پر۔

وجہ خامس: لفظ ”فاقضوا“ مؤید مذہب حنفی ہے کیونکہ قضاء اداء شے فی غیر وقتہ کا نام ہے۔

وجہ سادس: غزوۂ تبوک کے سفر میں عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نماز فجر پڑھائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک رکعت رہ گئی تھی۔ "وفیہ فلما سلم عبدالرحمن قام النبی صلی اللہ علیہ وسلّم فصلی رکعة اللتی سبق بها" اس میں تصریح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد سلام الامام رکعت سابقہ یعنی متقدمہ کو ادا فرمایا۔ (نیل ج:۳،ص:۱۶۳)

وجہ سابع: فائدہ: دراصل یہاں پر الفاظ حدیث مختلف ہیں مسلم میں ہے "ما فاتکم فاتموا و عند ابی نعیم و ما فاتکم فاقضوا" ابوداؤد میں ہے "عن ابی هریرہ رضی اللہ عنه فما ادرکتم فصلوا و ما فاتکم فاتموا و کذا اکثر روایات المسلم و فی روایة المسلم فاقض ما سبقک" ابوداؤد میں ہے "فاقضوا ما سبقکم و ما فاتکم فاتموا" "مسند احمد" "و ما فاتکم فاقضوا" تو مخالفین روایت اتموا سے استدلال کرتے ہیں جیسا کہ آگے مستقل آرہی ہے اور اتمام کا معنی ہے تکمیل نماز مع بقاء الترتیب اور مقتدی کی نماز جب مرتب ہوسکتی ہے کہ مدرک مع الامام اس کی اوّل صلوٰۃ ہو اور احناف استدلال کرتے ہیں۔ روایت "فاقضوا" سے لفظ قضا تغیر ترتیب پر دال ہے۔ (مغنی ج:۲،ص:۲۶۵، عینی، جلد:۲،ص:۶۷۳)

شوافع کا استدلال: یہ ہے کہ اتمام کہتے ہیں کسی شئی کے بقیہ حصہ کو مکمل کرنا اور ظاہر ہے کہ باقی ماندہ آخری نماز پر صادق آتا ہے۔ لہٰذا امام کے ساتھ جو اداء کرے گا وہ آخری ہوگی۔

جواب: اتمام کا یہ معنی مسلم نہیں اتمام کا معنی ہے نفس شئی کی تکمیل، عام ازیں ابتداء کے اعتبار سے ہو یا درمیان کے اعتبار سے یا اخیر کے اعتبار سے جیسے "واتموا الحج والعمرة للہ" اس کی تفسیر میں مفسرین کہتے ہیں کہ اپنے گھر سے احرام باندھ کر نکلنا یہ اتمام ہے ابتداء کے اعتبار سے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقُعُودِ فِي الْمَسْجِدِ وَانْتِظَارِ الصَّلَاةِ مِنَ الْفَضْلِ

نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھنے کی فضیلت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاةٍ مَا دَامَ يَنْتَظِرُهَا وَلَا تَزَالُ الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّي عَلَى أَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِي الْمَسْجِدِ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ اللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ مَا لَمْ يُحْدِثْ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ حَضْرَمَوْتَ وَمَا الْحَدَثُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ فُسَاءٌ أَوْ ضُرَاطٌ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمیشہ ایک تم میں کا نماز میں ہے جب تک انتظار کرتا ہے اس نماز اور ہمیشہ فرشتے رحمت مانگتے ہیں اس کے لیے جب تک بیٹھا رہے مسجد میں اور کہتے ہیں یا اللہ! بخش اس کو یا اللہ! رحم کر اس پر جب تک وہ حدث نہ کرے، پھر کہا ایک مرد حضر موتی نے حدث کیا ہے اے ابا ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہوا کا اخراج ہے خواہ آواز سے ہو یا بغیر آواز سے۔

تشریح: انتظار الصلوٰۃ کی تین صورتیں ہیں۔ پہلی صورت نماز کے وقت سے پہلے مسجد میں آکر نماز کا انتظار کرے۔ دوسری صورت

نماز ادا کرنے کے بعد دوسری کا انتظار کرے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ نماز کے بعد کام میں مشغول ہو جائے لیکن قلب معلق فی المسجد ہو۔

سوال: ما الحدث سوال کی نوبت کیوں پیش آئی؟

جواب: حدث کا ایک معنی ہے بدعت اور ایک معنی ہے نئی چیز کو ایجاد کرنا۔ اب پہلی صورت ظاہر ہے کہ جب تک بدعت کا ارتکاب نہ کرے گا دُعا کا مستحق ہوگا۔ اگر بدعت کرے تو استحقاق ختم ہو جائے گا۔ اگر حدث بمعنی نئی چیز کو پیدا کرنا تو پھر معنی یہ ہے کہ جب تک نئی چیز کو پیدا نہ کرے۔ مثلاً ہیئت کو بدل دینا محض ہیئت کو تبدیل کرنے سے دُعا سے محرومی کی کوئی وجہ نہیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نہ اس کا یہ معنی ہے اور نہ وہ معنی ہے بلکہ اس کا معنی ہے فساء اور ضراط اور ظاہر ہے کہ یہ معنی ملائکہ کی دُعا سے محرومی کا سبب ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الخُمْرَةِ چھوٹی چٹائی پر نماز پڑھنا

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي عَلَى الخُمْرَةِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے چٹائی پر

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الحَصِيرِ بڑی چٹائی پر نماز پڑھنا

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى عَلَى حَصِيرٍ.

ترجمہ: حضرت ابی سعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی چٹائی پر نماز پڑھی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى البُسُطِ بچھونوں پر نماز پڑھنے سے متعلق

أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخَالِطُنَا حَتَّى كَانَ يَقُولُ لِأَخٍ لِي صَغِيرٍ يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ قَالَ وَنُضِحَ بِسَاطٌ لَنَا فَصَلَّى عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے خوش طبعی کرتے یہاں تک کہ فرماتے میرے بھائی سے اے ابا عمیر! کیا کیا نغیر نے؟ کہا اور دھویا گیا بچھونا ہمارا پھر اس پر نماز پڑھی۔

تشریح: یہاں تین باب ہیں: صلوٰۃ علی الخمرہ، صلوٰۃ علی الحصیر، صلوٰۃ علی البسط۔ ان تینوں بابوں سے مقصود یہ ہے کہ زمین پر کوئی چیز بچھا کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ سجدہ زمین پر ہونا ضروری ہے یا انسان اور زمین کے درمیان حائل ہو، پھر بھی جائز ہے اس میں اختلاف ہے۔

(۱) امام اعظم رحمہ اللہ، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ اور جمہور فقہاء اور محدثین کے ہاں زمین پر سجدہ بھی جائز ہے

اور انسان اور زمین کے درمیان حائل ہو تب بھی جائز ہے بغیر شک وشبے کے۔

(۲) امام مالک رحمہ اللہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور تابعین میں سے عطاء رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ سجدہ زمین پر ہو یا اس چیز پر ہو کہ زمین کی جنس سے ہو، اگر زمین یا زمین کی جنس پر سجدہ نہ کیا تو ان کا ایک قول یہ ہے کہ نماز جائز نہ ہوگی یعنی بالکل ادا نہ ہوگی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ نماز ہو جائے گی مگر کراہت کے ساتھ ادا ہوگی اور تیسرا قول یہ ہے کہ فرائض جائز نہیں نوافل جائز ہیں۔ مالکیہ کی دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض میں کبھی حائل کے ساتھ سجدہ نہیں کیا، حصیر، خمرہ وغیرہ کا استعمال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے مگر نوافل میں احناف اور جمہور کہتے ہیں کہ احکام صلوٰۃ جو ہیں یعنی نماز کی شرائط اور ارکان وغیرہ ان میں نوافل اور فرائض میں فرق نہیں، اب جب نوافل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جواز ثابت ہے تو فرائض میں بھی ثابت ہوگا۔ دوسری جمہور یہ کہتے ہیں کہ بعض احادیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوافل ان چیزوں پر ادا کیے مگر بعض روایات میں مطلقاً ذکر ہے۔ مثلاً "صلی علی الحصیر یا صلی علی الخمرۃ" اس لیے نوافل کی تخصیص بغیر دلیل کے ہے۔ معارف السنن میں ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ فرائض بغیر حائل کے ادا کرے اور نوافل پڑھ سکتا ہے۔ معارف السنن میں ہے کہ میں نے مولانا انور شاہ صاحب اور شبیر احمد عثمانی رحمہما اللہ سے سنا کہ شیخ الہند کا شاگرد تھا، وہ ہمیشہ فرائض بغیر حائل کے پڑھتا تھا۔

خمرہ، حصیر، بساط میں فرق

خمرہ لغت میں اس چٹائی کو کہتے ہیں جس پر سجدہ کر سکے، پھر توسع پیدا کر کے اس چٹائی کو کہنے لگ گئے جس پر ایک آدمی نماز پڑھ سکے۔ حصیر وہ چٹائی جس پر ایک سے زائد آدمی نماز پڑھ سکیں۔ بساط عام بچھونا دونوں کو شامل ہے۔ باقی عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ بغیر حائل کے نماز پڑھی جائے، یہ ان کا کہنا تواضعاً ہے کہ تواضع اسی میں ہے کہ بغیر حائل کے نماز پڑھی جائے اور اگر بطورِ جواز کے ہے تو پھر ان کا اپنا اجتہاد ہے یا اباعمیر، اس سے معلوم ہوا کہ بچہ کی کنیت رکھنا بھی جائز ہے۔ باقی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حرمِ مدینہ کا حکم مکہ والا نہیں، مکہ میں پرندوں سے کھیلنا جائز نہیں اور یہی احناف کا مسلک ہے۔ "طَنفَسَة" عمدہ قسم کے بچھونے کو کہتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ فِي الحِيطَانِ باغوں میں نماز پڑھنا

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْتَحِبُّ الصَّلَاةَ فِي الحِيطَانِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ يَعْنِي البَسَاتِينَ.

ترجمہ حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوست رکھتے نماز پڑھنے کو حطان میں۔

کہا ابوداؤد نے یعنی باغوں میں۔

تشریح الحیطان حائط کی جمع ہے چار دیواری والا باغ غیر مسقف۔

سوال: باغ میں تو گوبر ڈالا جاتا ہے، پھر اس میں نماز کیسے درست ہے؟

جواب: اختلاط کی وجہ سے اور پہلی ہیئت باقی نہ رہنے کی وجہ سے زمین کو طہارت ہی کا حکم دے دیا جاتا ہے، باقی باغ میں نماز یا تو اس لیے پڑھے تاکہ یکسوئی حاصل ہو یا پھر اس لیے کہ تاکہ پھلوں میں برکت ہو اور یہ نفلی نماز ہوتی ہے۔

قال ابوعیسیٰ: قوله والحسن بن ابی جعفر قد ضعف

اگرچہ یہ حدیث ضعیف ہے مگر اس سے اصل مسئلہ پر اثر نہیں پڑتا کیوں کہ دوسری روایت میں ہے "جعلت لی الارض مسجدًا و طهورًا" خطیب بغدادی کا قول ہے کہ اگر حدیث سے حرام وحلال کے متعلق بحث ہو تو اس میں جانچ پڑتال کی جاتی ہے اور اگر فضائل سے متعلق ہو تو پھر تساہل (آسانی) سے کام لیتے ہیں کیونکہ فضائل میں ضعیف حدیث چل جاتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي سُتْرَةِ الْمُصَلِّي نمازی کے سُترے سے متعلق

عَنْ مُوسَى بْنِ طَلْحَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَضَعَ أَحَدُكُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلَ مُؤَخَّرَةِ الرَّحْلِ فَلْيُصَلِّ وَلَا يُبَالِي مَنْ مَرَّ وَرَاءَ ذٰلِكَ.

ترجمہ حضرت موسیٰ بن طلحہ سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب رکھ لے ایک تم میں کا اپنے آگے کوئی چیز کجاوے کے پیچھے کی لکڑی کے برابر تو نماز پڑھتا رہے اور پرواہ نہیں جو گزر جائے اس کے آگے سے۔

تشریح پہلی بات: مصلی کے سامنے سترۃ مندوب ومسنون ہے جبکہ وہاں مرور بین یدی کا احتمال ہو، یہ جمہور کا مذہب ہے لیکن عند احمد واجب ہے۔ (مغنی جلد: ۲، ص: ۶۷، مدونہ، جلد: ۱، ص: ۱۰۹) عند الاحناف سترۃ کم از کم طولاً ذراع ہونا چاہیے اور بقدر مسبحہ موٹا ہونا چاہیے عند مالک مقتدیوں کے لیے سترہ امام ہے لیکن عندنا یہ درست نہیں ہے۔ مسئلہ اختلافی آگے تفصیل سے آرہا ہے۔

دوسری بات: اقسام سترہ کتب مالکیہ میں یہاں پر چار پانچ قسمیں ذکر کی ہیں۔ احناف لکھتے ہیں کہ یہی ہمارا مذہب بھی ہے کیونکہ یہ اقسام مذہب حنفی کے قواعد کے خلاف نہیں ہیں۔

قسم اوّل: نماز پڑھے بطرف سترۃ اور یہ شارع عام نہ ہو اور گزرنے والا مجبور نہ ہو سامنے سے گزرنے میں تو اب گزرنے والا بین مصلی وسترہ گزرے تو گزرنے والا گنہگار ہے۔

قسم ثانی: راستہ میں بغیر سترہ نماز پڑھے اور گزرنے والا مجبور ہو تو صرف مصلی گناہگار ہے نہ گزرنے والا۔

قسم ثالث: یہ مثل ثانیہ ہے لیکن گزرنے والا مجبور نہ ہو، تو اگر وہ سامنے سے گزرا تو دونوں گنہگار ہوں گے۔

قسم رابع: مثل اوّل ہے لیکن گزرنے والا مجبور ہو تو گزرنے سے دونوں گنہگار نہیں ہوں گے کتب فقہ میں ہے کہ چھوٹی

مسجد میں مصلی کے سامنے سے گزرنا گناہ ہے بغیر سترہ کے اور بڑی مسجد میں گناہ نہیں ہے۔ البتہ اس میں گزرنا بینہ وبین موضع السجدۃ گناہ ہے۔ وجہ ظاہر ہے یعنی دفع مشقت عن المسلمین اور جو مسجد چالیس گز ہو وہ بڑی ہے اور اس سے کم چھوٹی ہے اور مروج بیس گز بنتے ہیں اور صحرا میں مصلی کے سامنے چالیس گز سے آگے گزرنا جائز ہے۔ "تسهيلا على الامة"

تیسری بات: حدیث میں جو وضع کے الفاظ ہیں، یہ گاڑنے کے معنی میں ہیں، اس کا فائدہ گزرنے والے کو بھی ہوگا کہ گناہ گار نہ ہوگا اور نمازی کو فائدہ یہ ہوگا کہ یکسوئی حاصل ہو جائے گی۔

مسئلہ اختلافی: سترۃ الامام سترۃ القوم ہے یا نہیں؟

قول اوّل: جمہور کے ہاں سترۃ الامام سترۃ القوم ہے ایک امام مالک کا قول بھی یہی ہے۔

قول ثانی: امام مالک کے ہاں سترۃ امام صرف امام کے حق میں ہے پھر امام مقتدیوں کا سُترہ ہے۔

ثمرہ اختلاف یہ ہے کہ اگر کوئی امام کے سامنے سے گزرے تو امام کے سامنے سے گزرنے کا وبال بھی ہوگا اور مقتدیوں کے سامنے سے گزرنے کا وبال بھی ہوگا اور مالکیہ کے نزدیک صرف امام کے سامنے سے گزرنے کا وبال ہوگا مقتدیوں کے سامنے سے گزرنے کا وبال نہیں ہوگا۔ باقی نصوص سے جمہور کی تائید ہوتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْمُرُورِ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي نمازی کے سامنے سے گزرنے کی کراہت میں

عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ أَنَّ زَيْدَ بْنَ خَالِدِ الْجُهَنِيَّ أَرْسَلَ إِلَى أَبِي جُهَيْمٍ يَسْأَلُهُ مَاذَا سَمِعَ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَارِّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي فَقَالَ أَبُو جُهَيْمٍ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ أَنْ يَقِفَ أَرْبَعِينَ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ، قَالَ أَبُو النَّضْرِ لَا أَدْرِي قَالَ أَرْبَعِينَ يَوْمًا أَوْ أَرْبَعِينَ شَهْرًا أَوْ أَرْبَعِينَ سَنَةً۔

ترجمہ حضرت بسر بن سعید سے روایت ہے کہ زید بن خالد جہنی نے پوچھ بھیجا ابو جہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ کیا سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے حق میں جو چلا جائے نماز کے آگے سے سو کہا ابو جہیم نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر جائے چلا جانے والا نمازی کے آگے سے کہ کیا ہے اس پر یعنی گناہ یا عذاب تو کھڑا رہنا اس کو چالیس سال تک بہتر ہو جانے سے کہا ابو النضر نے نہیں جانتا میں کہ چالیس دن کہے یا چالیس مہینے یا چالیس برس۔

تشریح خلاصہ یہ ہے کہ نمازی کے آگے سے گزرنا باعث وعید تب ہے جب اس کے لیے مجبوری نہ ہو اور دوسری جگہ سے گزرنا بھی ممکن ہو، بالکل ایسے ہی اگر نمازی کے نماز پڑھنے کے لیے دوسری جگہ ہے پھر بھی جائے مرور میں نماز پڑھ رہا ہے تو گنہگار رہو گا اور اگر مجبوری ہے تو پھر گنہگار نہیں ہو گا اور اگر دونوں کے لیے مجبوری ہے تو پھر دونوں ہی گنہگار نہیں ہوں گے۔ ہاں اگر دونوں کے لیے گنجائش ہے تو پھر گنہگار رہوں گے اور اگر ایک کے لیے مجبوری ہو تو وہ گناہ گار نہیں ہو گا دوسرا ہو گا۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ شَيْءٌ نماز کسی چیز کے گزر جانے سے نہیں ٹوٹتی

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ رَدِيفَ الْفَضْلِ عَلَى أَتَانٍ فَجِئْنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِأَصْحَابِهِ بِمِنًى قَالَ فَنَزَلْنَا عَنْهَا فَوَصَلْنَا الصَّفَّ فَمَرَّتْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ فَلَمْ تَقْطَعْ صَلَاتَهُمْ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں ایک گدھے پر فضل رضی اللہ عنہ کے پیچھے بیٹھا تھا پھر آئے ہم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے اپنے اصحاب کے ساتھ منیٰ میں سو اُترے ہم اور صف میں مل گئے۔ سو پھرنے لگی گدھی ان کے آگے اور نہ توڑی اس نے نماز ان کی۔

تشریح اگلے باب کے ذیل میں ذکر کی گئی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ: أَنَّهُ لَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ إِلَّا الْكَلْبُ وَالْحِمَارُ وَالْمَرْأَةُ

نماز کتے گدھے اور عورت کے آگے سے گزرنے کے علاوہ کسی چیز سے نہیں ٹوٹتی

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا ذَرٍّ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى الرَّجُلُ وَلَيْسَ بَيْنَ يَدَيْهِ كَآخِرَةِ الرَّحْلِ أَوْ كَوَاسِطَةِ الرَّحْلِ قَطَعَ صَلَاتَهُ الْكَلْبُ الْأَسْوَدُ وَالْمَرْأَةُ وَالْحِمَارُ فَقُلْتُ لِأَبِي ذَرٍّ مَا بَالُ الْأَسْوَدِ مِنَ الْأَحْمَرِ مِنَ الْأَبْيَضِ فَقَالَ يَا ابْنَ أَخِي سَأَلْتَنِي كَمَا سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الْكَلْبُ الْأَسْوَدُ شَيْطَانٌ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن صامت سے روایت ہے کہ سنا میں نے ابوذر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز پڑھے آدمی اور نہ ہو اس کے آگے کجاوے کے پیچھے لکڑی کے برابر کوئی چیز یا فرمایا "کَوَاسِطَۃِ الرَّحْلِ" تو توڑ دیتا ہے اس کی نماز کالا کتا اور عورت اور گدھا کہا عبداللہ نے پوچھا میں نے ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کالے اور سفید کی کیا قید ہے؟ سو کہا ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا تم نے مجھ سے جو پوچھا تھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کالا کتا شیطان ہے۔

تشریح مسئلہ اولیٰ: مرور شے بین یدی المصلی کیا قاطع ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

مذہب اوّل: عند ابی حنیفہ مصلی کے سامنے کسی شے کا گزرنا مبطل صلوٰۃ نہیں ہے۔ "ولو کان کلب او حمار او مرأۃ وبہ قال مالک و شافعی و الجمہور" (عینی، جلد: ۲، ص: ۷۴۲، مغنی جلد: ۲، ص: ۸۱)

مذہب ثانی: اہل ظواہر کے نزدیک ان اشیاء ثلاثہ کا گزرنا قاطع صلوٰۃ ہے۔ کلب حمار عورت خواہ صغیر ہوں یا کبیر زندہ ہوں یا مردہ "الا ان تکون المرأۃ مصطجعۃ معترضۃ فلا حرج وبہ قال" اہل الظاہر وہ بعض احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔

مذہب ثالث: امام احمد کے نزدیک فقط کلب اسود قاطع صلوٰۃ ہے "وفی قلبی عن المرأۃ والحمار شیء" وہ فرماتے ہیں کہ کلب اسود میں صرف قطع کی حدیث وارد ہے اور حمار اور عورت میں عدم قطع کی حدیث بھی آتی ہے۔ "کحدیث نوم عائشۃ رضی اللہ عنہا بین یدی النبی صلی اللہ علیہ وسلّم واعتراضہا وھو فی الصلوٰۃ" نیز حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما المذکور فی الباب سے ثابت ہوا کہ حمار بھی قاطع نہیں ہے، فتح الباری وغیرہ۔

جواب: حدیثیں دونوں قسم کی ہیں۔(۱) دالہ علی عدم القطع (۲) دالہ علی القطع۔اب ہم کہتے ہیں احادیث دالہ علی القطع قطع خشوع پر محمول ہیں، قطع نفس صلوٰۃ پر محمول نہیں۔

دلائل اہل ظواہر: بعض احادیث میں تصریح ہے کہ کلب وعورت وحمار قاطع صلوٰۃ ہیں۔کما فی حدیث باب الاتی رواہ ابوذر رضی اللہ عنہ جمہور ان احادیث کے متعدد جواب دیتے ہیں۔

جواب اوّل: ہم ان کے مقابلے میں وہ احادیث پیش کرتے ہیں جن سے عدم قطع ثابت ہوتا ہے، لہٰذا احادیث قطع منسوخ ہیں۔

جواب ثانی: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ان اشیاء سے خوف قطع ہے یعنی یہ اسباب قطع ہیں کیونکہ عورت فتنہ میں ڈالتی ہے کلب حملہ کرتا ہے اور گدھا دفع کرنے سے دفع نہیں ہوتا توان پر اطلاق قطع مبالغہ ہوا۔

جواب ثالث: مراد قطع خشوع صلوٰۃ ہے نہ "قطع صلوۃ لشغل القلب بھا لان الشیطان لایفارق بھذہ الثلاثہ وفی الحدیث ان الکلب الاسود شیطان وفی حدیث آخر النساء حبائل الشیطان" کی روایت ابونعیم ہے حلیہ میں "مرفوعا ان الشباب شعبہ من الجنون والنساء حبائل الشیطان" اور گدھا بوقت نہیق شیطان دیکھتا ہے۔

حدیث میں ہے "اذا سمعتم نہیق الحمار فتعوذ باللہ الشیطان فانہ رأی شیطانا" (درمنثور ص: ۱۸۴) پر ہے "عن ابن عباس رضی اللہ عنہما کل شی یسبح بحمدالا الحمار والکلب"

جواب رابع: یہ اشیاء قاطع وصلہ بین العبد وبین الرب ہیں۔قالہ امام الشعرانی۔

وجہ خامس: حافظ سیوطی لکھتے ہیں کہ کلب اسود زیادہ ضرر دہندہ ہے تو جب مصلّی دیکھ لے تو اس کی طرف متوجہ ہوکر مشغول عن الصلوٰۃ ہوجائے گا۔ "ورب ما اداہ الی قطع الصلٰوۃ فسمی قاطعا یبداء الاعتبار واللہ اعلم"

جمہور کی دلیلیں، دلیل اوّل: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما ہے فی الباب جس میں گدھی کے بارے میں ہے "فمرت بین ایدیھم فلم تقطع صلوتھم"

دلیل ثانی: حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ہے "کان یصلی باللیل وانا معترضۃ بینہ وبین القبلۃ کاعتراض الجنازۃ رواہ مسلم وابو داؤد وغیرھما"

دلیل ثالث: "روی الفضل بن عباس قال اتانا رسول اللہ ونحن فی بادیۃ لنا ... ومعہ عباس فصلی فی صحرا ولیس بین یدیہ شیء بسترہ وحمارۃ لنا وکلبۃ تعبثان بین یدیہ فما بال ذلک رواہ ابو داؤد ونسائی قال النیموی اسنادہ صحیح"

دلیل رابع: روایت انس رضی اللہ عنہ ہے "انه عليه السلام ليصلى بالناس ممر بين ايديهم حمار قال عياش بن ابی ربيعة سبحان الله ثلاثا فلم سلم قال من المسبحان قال انا يارسول الله انی سمعت ان الحمار يقطع الصلٰوة قال عليه السلام لا يقطع الصلٰوة شیء رواه دارقطنی وفی الدراية اسناده حسن"

دلیل خامس: "روى ابو امامة مرفوعا لا يقطع الصلٰوة شیء رواه الطبرانی"

دلیل سادس: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "مرفوعا لا يقطع الصلٰوة شیء وادرء وا ما استطعتم"

دلیل سابع: طحاوی میں ہے باسناد صحیح ابن عمر "قال لا يقطع الصلٰوة شیء مما يمر بين يدی المصلی"

سوال: قاطع الخشوع ہونے کے اعتبار سے ان چیزوں کی تخصیص کیوں کی؟

جواب (۱): ان کے ساتھ شیطان کا تعلق زیادہ ہے ان کی مناسبت شیطان سے ظاہر ہے کہ کلب اسود کے بارے میں ،فرمایا "انہ شیطان" اور عورت کے بارے میں ہے "انہ حبائل الشیطان" اور گدھا کی مناسبت اس طرح ہے کہ جب شیطان کو دیکھتا ہے تو ہینکتا ہے۔

جواب (۲): اگر نفس صلوٰۃ کے قطع پر محمول ہے تو پھر "کلّها منسوخ" اور ناسخ حدیث ابوسعید رضی اللہ عنہ ہے اس پر قرینہ یہ ہے کہ احادیث قطع الصلوٰۃ کے رواۃ میں سے ایک راوی ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں اور ان کا اپنا فتویٰ روایت کے خلاف ہے اور یہ دلیل ہے کہ وہ روایت منسوخ ہے۔

جواب (۳): روایات میں تعارض ہے اب رجوع کرتے ہیں، آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف تو اکابر صحابہ کے آثار دال ہیں کہ کسی چیز کا مرور قاطع الصلوٰۃ نہیں ہے۔ لہٰذا ان آثار کی وجہ سے احادیث دالہ علی عدم القطع کو ترجیح ہوگی۔

سوال: عنوان میں تعمیم ہے "لا يقطع الصّلٰوة شيئ" معنون میں صرف حمار کا ذکر ہے؟

جواب (۱): باقی چیزیں مقایسۃً ثابت ہوں گی۔

جواب (۲): اصل مقصود اہل ظواہر پر رد کرنا ہے وہ ایجاب کلی کے قائل ہیں یعنی تینوں قاطع الصلوٰۃ ہیں، ان کے رد کے لیے صرف سلب جزئی ہی کافی ہے یعنی گدھے کا مرور قاطع صلوٰۃ نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الوَاحِدِ ایک کپڑے میں نماز پڑھنا

عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ مُشْتَمِلًا فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ.

ترجمہ: حضرت عمر بن ابی سلمہ کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُم سلمہ کے گھر ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

تشریح خلاصہ یہ ہے کہ بوقت ضرورت ایک کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے اور اگر متعدد کپڑے ہوں تو پھر افضل یہ ہے کہ تین کپڑوں (ازار، قمیص، پگڑی) میں نماز پڑھی جائے۔

پہلی بات: مسئلہ یہ ہے کہ احناف کہتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ آدمی تین کپڑوں میں نماز ادا کرے۔ یعنی شلوار قمیص اور عمامہ، عمامہ کے بغیر نماز ادا کرنا بغیر کراہت کے امام کے لیے بھی جائز ہے اور مقتدیوں کے لیے بھی جائز ہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ کا قول ہے کہ بعض علاقوں میں مشہور ہے کہ امام بغیر عمامے کے ہو تو مکروہ ہو جاتی ہے۔ بعض علاقوں میں مشہور ہے کہ مقتدی عمامہ استعمال نہ کریں تو ان کی نماز مکروہ ہے۔ یہ بات غلط ہے بلکہ کسی فقیہ کا قول نہیں کہ عمامہ کے بغیر نماز مکروہ ہے۔ صرف فتاویٰ امینیہ میں ایک قول ہے کہ بغیر عمامہ نماز مکروہ ہے۔

دوسری بات: دو کپڑے میسر ہوں اس کے باوجود کوئی ایک کپڑے میں نماز ادا کرے کہ کل ستر چھپا ہوا ہو تو یہ بھی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے ہاں بغیر کراہت کے جائز ہے۔ البتہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں جس کو دو کپڑے میسر ہوں، اس کی ثوب واحد میں نماز مکروہ ہے لیکن ایک ہی کپڑا ہو تو نماز جائز ہے۔ جب ایک کپڑے میں نماز ادا کرے تو فرماتے ہیں کہ چادر اس طرح لپیٹے کہ ہاتھ اُٹھا سکے ورنہ اشتمال الصماء مکروہ ہے کہ اس طرح کپڑا لپیٹ لے کہ ہاتھ باہر نہ نکال سکے۔ اسی طرح اگر ایک کپڑا ہو اس کو لپیٹا مگر کندھے دونوں کھلے ہوں تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں جائز نہیں، نماز فاسد ہو جائے گی۔ جمہور کے ہاں جائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي ابْتِدَاءِ الْقِبْلَةِ قبلے کی ابتداء کے متعلق

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ صَلَّى نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ أَنْ يُوَجَّهَ إِلَى الْكَعْبَةِ فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى {قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ} [البقرة: 144] فَوَجَّهَ نَحْوَ الْكَعْبَةِ وَكَانَ يُحِبُّ ذَلِكَ فَصَلَّى رَجُلٌ مَعَهُ الْعَصْرَ ثُمَّ مَرَّ عَلَى قَوْمٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَهُمْ رُكُوعٌ فِي صَلَاةِ الْعَصْرِ نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَقَالَ هُوَ يَشْهَدُ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَّهُ قَدْ وَجَّهَ إِلَى الْكَعْبَةِ قَالَ فَانْحَرَفُوا وَهُمْ رُكُوعٌ.

ترجمہ حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں آئے، نماز پڑھی بیت المقدس کی طرف سولہ یا سترہ مہینے اور دوست رکھتے تھے منہ کرنا کعبہ کی طرف سو اُترا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیکھتے ہیں ہم تیرا منہ پھیرنا آسمان کی طرف سو پھیر دیں گے ہم تجھ کو اس قبلے کی طرف جسے تو چاہتا ہے سو پھیر اپنا

منہ مسجد حرام کی طرف اور یہی چاہتے تھے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سو نماز پڑھی ایک شخص نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عصر کی پھر گزرا انصاری کی ایک قوم پر کہ رکوع میں تھے عصر کی نماز کے وقت بیت المقدس کی طرف سو کہا اس نے وہ شخص گواہی دیتا ہے کہ اس نے نماز پڑھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ کیا کعبہ کی طرف کہا راوی نے تبھی پھرے وہ رکوع ہی میں۔

تشریح **پہلی بات:** تحویل قبلہ ۲ ہجری نصف رجب میں ہوا "بعد الهجرة" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ پھر رجب ۲ ہجری میں تحویل ہوئی۔ اختلاف ہے کہ اس میں نسخ مرۃ ہوا یا مرتین۔

قول اوّل: "عند البعض قبل الهجرة مستقبل كعبة الله" نماز پڑھتے تھے۔ بعد الہجرت یہ حکم منسوخ ہوا اور امر استقبال بیت المقدس ہوا۔ پھر ۲ ہجری پندرہ رجب کو یہ حکم منسوخ ہو کر تحویل الی الکعبۃ ہوئی۔ بنا بریں نسخ مرتین ہوا۔

قول ثانی: عند البعض نسخ مرۃ ہوا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء نبوت سے صلوٰۃ الی بیت المقدس پڑھتے تھے اور ہجرت کے بعد بھی سترہ ماہ تک، پھر یہ حکم منسوخ ہوا لہٰذا نسخ مرۃ ہوا۔

قول ثالث: یہاں پر ایک قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی ہے کہ "انه عليه السلام كان يصلى بمكة الى بيت المقدس و الكعبة بين يديه" لیکن مدینہ منورہ میں یہ جمع بین القبلتین پر عمل نہ ہو سکا، اس لیے مدینہ منورہ فقط بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی۔ "واختار ابن الحجر و العينى هذا القول لان لا يقع النسخ مرتين" (فتح الباری، ص:۹۰، عینی، ص:۲۸۲، تفسیر ابن کثیر، جلد:۱، ص۳۲۹، تفسیر قرطبی جلد:۲، ص:۱۳۷، فیض الباری، ج:۱، ص:۳۳، زرقانی علی المواہب ص:۳۹۹، روح المعانی، ج:۲، ص:۱۰)

قول رابع: معارف السنن نے اس قول کو ترجیح دی ہے اور اعدل الاقوال نقل کیا ہے کہ یہ نسخ قبلہ مرتین ہوا ہے مکہ میں قریش کی آبادی تھی، ان کی رعایت کے لیے بیت اللہ کی طرف توجہ کا حکم ہوا۔ جب مدینہ آئے تو پہلا حکم منسوخ ہو گیا اور دوسرا حکم آ گیا کہ بیت المقدس کی طرف توجہ کرو تا کہ اہل کتاب کی رعایت ہو اور وہ اسلام کی طرف مائل ہوں کیونکہ اہل کتاب جانتے تھے کہ پہلے انبیاء کرام علیہم السلام بیت المقدس کی طرف رُخ کرتے تھے اور یہ ان کی مخالفت کر رہے ہیں، اس لیے سولہ یا سترہ ماہ کے بعد یہ حکم اُترا کہ بیت اللہ کی طرف توجہ کرو، یہ دوسرا نسخ ہے۔

دوسری بات: کسی نماز میں تحویل قبلہ کا حکم آیا۔ اس میں روایات بظاہر متعارض ہیں۔ بعض میں ظہر اور بعض میں عصر اور بعض میں فجر کا ذکر آیا۔ تطبیق یہ ہے کہ اصل تحویل قبلہ کا حکم نماز ظہر میں تیسری رکعت عند الرکوع میں آیا جو بنو سلمہ کی مسجد ہے۔ پھر مدینہ میں آ کر پوری نماز عصر کعبہ کی طرف پڑھی جو بنو حارثہ کی مسجد ہے، وہاں ان لوگوں کو عصر کے وقت اطلاع ملی اور مسجد قباء والوں کو صبح کی نماز میں اطلاع ملی تو ظہر والی روایت حقیقت پر مبنی ہے اور عصر والی روایت میں یا تو پوری نماز مراد ہے یا بنو حارثہ کی نماز مراد ہے اور فجر کی روایت میں اصل قباء والوں کی نماز مراد ہے۔

تیسری بات: ہجرت کے کتنے عرصے بعد تحویل قبلہ کا حکم آیا؟ سولہ (۱۶) ماہ یا سترہ (۱۷) ماہ بعد یا ۱۶، ۱۷ ماہ۔ تفصیل

اس کی یہ ہے کہ ربیع الاول میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور دوسرے سال رجب کے چوتھے دن قبلہ کا حکم آیا تو حقیقی ایام ۱۶ ماہ اور کچھ دن ہیں۔بعض نے کسور کا شمارہ نہیں کیا تو ۱۶ ذکر کیے اور جنہوں نے کسور کو شمار کیا انہوں نے سترہ (۱۷) کا ذکر کیا اور بعض اس میں سوچتے ہی رہے اور سولہ یا سترہ ذکر کیے دونوں ماہ۔

چوتھی بات: رجل کے نام میں اختلاف ہے۔(۱) قیل هو عباد بن بشر، (۲): عباد بن نہیک رضی اللہ عنہ، (۳): عباد بن وہب رضی اللہ عنہ، (۴): عباد بن نصیر رضی اللہ عنہ۔

سوال: قباء اور بنو عبد اشہل کے حق میں بیت المقدس کا قبلہ ہونا قطعی تھا تو پھر خبر واحد کی وجہ سے کیسے چھوڑ دیا؟

جواب (۱): جو خبر واحد مقرون بالقرائن ہو وہ قطعی حکم کے لیے ناسخ بن سکتی ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس میں تحویل قبلہ کا تذکرہ رہتا تھا۔

جواب (۲): اس وقت دیانت و امانت عام تھی تو خبر واحد کو قطعی سمجھا جاتا تھا۔

سوال: مسجد قباء والوں کی عصر و مغرب عشاء کی غیر قبلہ کی طرف ہوئی یہ تو جائز نہیں؟

جواب: جب تک مکلف کو نئے حکم کی اطلاع نہ ہو تو وہ پہلے ہی حکم کا مکلف ہوتا ہے۔لہٰذا جب تک ان کو نئے قبلہ کی اطلاع نہ تھی وہ منسوخ قبلہ کے مکلف تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ مشرق اور مغرب کے درمیان قبلہ ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشرق اور مغرب کے بیچ میں سب قبلہ ہے۔

تشریح ......پہلی بات:

سوال: ہمارا قبلہ تو مغرب کی جانب ہے نہ کہ مشرق اور مغرب کے درمیان؟

جواب (۱): ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ حکم عام نہیں صرف اہل مدینہ کے لیے ہے جو اس کی سمت یا جہت پر ہیں، اس لیے کہ مدینہ والوں کا قبلہ جنوب کی جہت میں ہے۔بایں طور کہ ما بین المشرق والمغرب قبلۃ کو قبلہ کی طرف منہ کرو تو دائیں جانب مغرب اور بائیں جانب مشرق ہے اور اب درمیان میں قبلہ ہو گیا۔

جواب (۲): ابن مبارک فرماتے ہیں کہ یہ حکم اہل مشرق کے لیے ہے جو بیت اللہ سے مشرق کی جانب ہے، اس کے رہنے والے ان کا قبلہ مشرق اور مغرب کے درمیان ہے یہ ٹھیک نہیں ہے کیونکہ ہمارا قبلہ تو جنوب میں ہے۔پھر یہ قول کیسے صحیح ہے؟

جواب: یہاں حدیث میں مشرق و مغرب سے عرفی مشرق و مغرب مراد نہیں بلکہ اہل مشرق سے وہ لوگ مراد ہیں جو کوفہ

عراق خراسان کے رہنے والے ہیں اور مغرب سے مراد مغرب صیفی ہے اور مشرق سے مراد مشرق شتائی ہے۔اب ان بلاد میں رہنے والے جب قبلہ رُخ ہوں گے تو ان کا قبلہ مغرب صیفی اور مشرق شتائی کے درمیان ہوگا۔البتہ اہل "مَرْو" وہ موضع غروب سے ذرا بائیں جانب جھکاؤ اختیار کرلیں تو ان کا قبلہ غروب صیفی اور مشرقِ شتائی کے درمیان ہوگا۔

جواب (۳): حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس طرح بین کا استعمال یمین وشمال کے لیے ہوتا ہے ایسے ہی قدام اور خلف کے درمیان کے لیے بھی ہوتا ہے۔پس ہم پاکستانی اور ہندوستانی جب قبلہ کی طرف رُخ کریں گے تو ہمارا قبلہ بھی مشرق اور مغرب کے درمیان ہوگا لیکن قدام وخلف کے اعتبار سے درمیان میں ہے باعتبار یمین وشمال کے۔

دوسری بات: قبلہ کا حکم جو لوگ بیت اللہ کے قریب ہوں ان کے لیے عین قبلہ کی طرف توجہ ضروری ہے۔امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ غائبین کے لیے بھی عین کعبہ کی طرف توجہ کرنا فرض قرار دیتے ہیں مگر معارف السنن میں اس قول کی تردید بایں الفاظ میں کی ہے کہ دور کے لوگوں کے لیے عین کعبہ کی طرف توجہ کرنا تکلیف مالایطاق کی قبیل سے ہے۔جہت کعبہ کے بارے میں احناف کے نزدیک اگر ۴۵ ڈگری سے کم ہو تو جائز ہے، اگر اس سے انحراف زائد ہو جائے تو نماز نہیں ہوگی بلکہ واجب الاعادہ ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُصَلِّي لِغَيْرِ الْقِبْلَةِ فِي الْغَيْمِ

جو اندھیرے میں قبلہ کی طرف منہ کیے بغیر نماز پڑھ لے

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فِي لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ فَلَمْ نَدْرِ أَيْنَ الْقِبْلَةُ فَصَلَّى كُلُّ رَجُلٍ مِنَّا عَلَى حِيَالِهِ فَلَمَّا أَصْبَحْنَا ذَكَرْنَا ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَزَلَ {فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللهِ} [البقرة: 115]

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہا ان کے باپ نے ہم تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں ایک اندھیری رات میں اور نہیں جانتے تھے ہم۔کدھر ہے قبلہ سو پڑھی، ہر ایک نے نماز اپنے منہ کے سامنے، پھر جب صبح ہوئی تو ذکر کیا ہم نے اس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تو اُتری یہ آیت جدھر منہ کرو تم ادھر منہ ہے اللہ کا۔

تشریح خلاصہ یہ ہے کہ جن علاقوں میں مساجد قدیمہ ہیں، ان علاقوں میں مساجد قدیمہ کے لحاظ سے قبلہ مقرر کیا جائے اور جہاں نہ ہوں وہاں تحری کی جائے، اگر تحری کے بعد معلوم ہوا کہ قبلہ کے ماسوا نماز پڑھ لی گئی تو نماز صحیح ہو جائے گی۔باقی گرمی کے موسم کا سب سے بڑا دن اور سردیوں کے موسم کا سب سے چھوٹا دن ان میں سورج کے غروب ہونے کا اندازہ لگالیا جائے تو ان کے مابین پاک وہند کا قبلہ ہوگا۔امام نووی نے شوافع کا اصح قول نقل کیا ہے کہ تحری کے بعد غلطی معلوم ہوئی تو نماز کا اعادہ ہونا

چاہیے یہ بطور استحباب کے ہے۔ اگر یہ اعادہ واجب ہو تو پھر یہ صرف شوافع کے ہاں ہے، جمہور کے ہاں اعادہ واجب نہیں ہے۔

جمہور کی دلیل: روایت الباب ہے۔

سوال: یہ حدیث تو ضعیف ہے؟

جواب: اس کو تلقی بالقبول حاصل ہے یا پھر دیگر نصوص کی وجہ سے مؤید ہے۔ لہٰذا قابل استدلال ہے۔

سوال: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آیت کا نزول اشتباہِ قبلہ کی وجہ سے ہوا اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر کے دوران سواری پر نفل نماز پڑھنے کے متعلق ہوا اور ایک قول یہ ہے کہ جب تحویل قبلہ ہوا تو یہودیوں نے طعن کیا، ان پر رَد کے لیے یہ آیت نازل ہوئی، اس کے علاوہ تین قول اور بھی ہیں؟

جواب: جب حکم عام ہو تو متعدد صورتوں کو شامل ہوتا ہے وہاں پر مفسرین یہ کہہ دیتے ہیں کہ اس صورت کے بارے میں بھی نزول ہوا حالانکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ حکم اس جیسی صورت کو بھی شامل ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ مَا يُصَلَّى إِلَيْهِ وَفِيهِ جس چیز میں یا جس کی طرف نماز پڑھنا مکروہ ہے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يُصَلَّى فِي سَبْعَةِ مَوَاطِنَ فِي الْمَزْبَلَةِ وَالْمَجْزَرَةِ وَالْمَقْبَرَةِ وَقَارِعَةِ الطَّرِيقِ وَفِي الْحَمَّامِ وَفِي مَعَاطِنِ الْإِبِلِ وَفَوْقَ ظَهْرِ بَيْتِ اللهِ.

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا نماز پڑھنے سے سات مقاموں میں (۱) پاخانے میں (۲) جہاں اونٹ ذبح ہوتے ہیں (۳) قبرستان میں (۴) راستے کے بیچ میں (۵) غسل خانے میں (۶) اونٹ باندھنے کی جگہ میں اور (۷) بیت اللہ کی چھت پر۔

تشریح پہلی بات: چار الفاظ کی وضاحت:

مزبلہ: کوڑا ڈالنے کی جگہ، مجزرہ: اونٹ ذبح کرنے کی جگہ، مقبرہ: قبرستان، معاطن: عطن سے ہے، اونٹوں کے پانی پی کر ٹھہرنے کی جگہ لیکن یہاں باڑہ مراد ہے ان میں سے بعض مواضع میں نماز سے نہی نہی تحریمی ہے، مثلاً ظہر بیت اللہ، مزبلہ، مجزرہ اور مقبرہ ان میں نہی تحریمی ہے اور مقبرہ میں تب جبکہ تشبہ بالاصنام ہو اور حمام، معاطن الابل، قارع الطریق میں نہی تنزیہی ہے، معاطن الابل میں اس لیے کہ اس میں یکسوئی باقی نہیں رہتی اور چھینٹیں بھی پڑیں گی۔

دوسری بات، مسئلہ: بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

مع الکراہیۃ عند ابی حنیفہ وشافعی اور وجہ کراہت ترک ادب ہے لیکن عند احمد فرض جائز نہیں اور نوافل جائز ہیں اور امام مالک فرماتے ہیں کہ اس پر فرض رکعتی الطواف وتر رکعتی الفجر جائز نہیں ہیں باقی نوافل جائز ہیں۔ ابن عربی نے چند

مواضع اور بھی ذکر کیے ہیں جن میں یا ان کی طرف نماز مکروہ ہے۔ سات مذکورہ "وزاد الصلوٰۃ ابی جدار مرحاض علیه النجاسة والکنیسه والبیع والی التماثیل وفی الدار المغصوبه وفی مسجد الضرار والی التنور والی النائم والمتحدث" (مدونۃ، جلد:۱، ص:۹۱، مغنی، جلد:۱، ص:۷۲۵)

قال ابوعیسیٰ حدیث ابن عمر اسناده لیس بذاک القوی

یہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما دو طریق سے مروی ہے اور دونوں طریق ضعیف ہیں۔ (۱) زید بن جبیرہ (۲) لیث۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے دونوں سندوں میں کوئی فرق نہیں، اس لیے کہ دونوں میں سند ابن عمر رضی اللہ عنہما تک پہنچتی ہے۔ یہاں نسخہ میں عبارت چھوٹی ہے۔ حدیث لیث میں "عن ابن عمر رضی اللہ عنهما عن النبی صلی اللہ علیه وسلم" پہلی سند کے مطابق مسندات ابن عمر رضی اللہ عنہما میں سے ہے اور لیث کی سند کے مطابق مسندات عمر رضی اللہ عنہما میں سے ہے، ہیں تو دونوں ضعیف لیکن حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سند اًاصح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ فِي مَرَابِضِ الغَنَمِ، وَأَعْطَانِ الإِبِلِ

بکریوں اور اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوا فِي مَرَابِضِ الغَنَمِ وَلَا تُصَلُّوا فِي أَعْطَانِ الإِبِلِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز پڑھو بکریوں کے بیٹھنے کی جگہ میں اور نہ پڑھو اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ میں۔

تشریح: مرابض بکریوں کے باڑے کو کہتے ہیں، بالاتفاق اس میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ اونٹوں کے باڑے میں جائز ہے یا نہیں؟ دو قول ہیں۔

قول اوّل: جمہور کے ہاں جائز ہے اگر پاک صاف جگہ ہو۔

قول ثانی: حنابلہ کے ہاں لایجوز۔

جمہور کی دلیل: "جُعِلَتْ لی الارض کلها مسجدًا و طهورًا" بشرطیکہ وہ اصلی حالت پر ہو۔

حنابلہ کی دلیل: حدیث الباب ہے۔

جواب: یہ نہی تنزیہی ہے کیونکہ یکسوئی باقی نہیں رہتی اور چھینٹیں لگنے کا خطرہ ہے، اندیشہ ہے۔

سوال: حدیث میں ہے کہ اونٹ کو سترہ بنا کر نماز پڑھی گئی؟

جواب: جو اونٹ سواری کا ہوتا ہے وہ باادب ہوتا ہے اور سکھلایا ہوا ہوتا ہے جبکہ باڑے میں ایسے اونٹ نہیں ہوتے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الدَّابَّةِ حَيْثُ مَا تَوَجَّهَتْ بِهِ

سواری پر نماز پڑھنا باوجودیکہ وہ قبلہ کی طرف نہ ہو، پھرتی رہے

عَنْ جَابِرٍ قَالَ بَعَثَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَاجَةٍ فَجِئْتُهُ وَهُوَ يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ وَالسُّجُودُ أَخْفَضُ مِنَ الرُّكُوعِ.

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بھیجا مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کام کو تو لوٹ کر آیا میں اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اپنی سواری پر مشرق کی طرف اور سجدہ میں زیادہ جھکنا تھا رکوع سے۔

تشریح اس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ سواری پر نماز پڑھنا جائز ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ بغیر عذر کے فرض نماز جائز نہیں، صرف ایک صورت میں جائز ہے کہ مسلمان مطلوب ہو اور کافر طالب ہو لیکن اگر کافر مطلوب ہو اور مسلمان طالب ہو تو پھر جائز نہیں اور نفل نماز سواری پر بالاجماع جائز ہے خواہ عذر ہو یا نہ ہو، سواری کا قبلہ کی جانب منہ ہو یا نہ ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ إِلَى الرَّاحِلَةِ سواری کی طرف نماز پڑھنا

عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى إِلَى بَعِيرِهِ أَوْ رَاحِلَتِهِ وَكَانَ يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ حَيْثُ مَا تَوَجَّهَتْ بِهِ.

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اپنے اونٹ کی طرف یا کہا راحلتہ اور معنی اس کے اپنی سواری کی طرف اور نماز پڑھتے تھے اپنی سواری کے اوپر بھی جدھر منہ پھیرتی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لیکر۔

تشریح مسئلہ: سواری کو سترہ بنا کر اس کی طرف نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں تو یہ بالاتفاق جائز ہے اور یہ تشبہ بالاصنام بھی نہیں، یہاں وہ ذی روح اشیاء جس کی لوگ عبادت کرتے ہیں، مثلاً گائے کی ہندو عبادت کرتے ہیں، اس کی طرف نماز جائز نہیں خارجی علت کی وجہ سے اور اگر انسان سترہ ہو اور نمازی کی طرف رُخ کر کے بیٹھا ہو باتیں کر رہا ہو یا تسبیح کر رہا ہو تو یہ بھی مکروہ ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا حَضَرَ الْعَشَاءُ وَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَابْدَءُوا بِالْعَشَاءِ

نماز کے لیے جماعت کھڑی ہو جائے اور کھانا حاضر ہو تو کھانا پہلے کھایا جائے

عَنْ أَنَسٍ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا حَضَرَ الْعَشَاءُ وَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَابْدَءُوا بِالْعَشَاءِ

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ پہنچاتے ہیں اس حدیث کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آگے آجائے کھانا اور تکبیر ہو نماز کی تو پہلے کھانا کھالو۔

تشریح جب کھانا تیار ہو تو تقدیم الصلوٰۃ علی الطعام ہو یا تقدیم الطعام علی الصلوٰۃ تو اس پر اتفاق ہے کہ تقدیم الطعام علی الصلوٰۃ جائز ہے لیکن اختلاف علت میں ہے۔ جمہور کے نزدیک اس کی علت شدت اشتہاء ہے اور نماز کے اندر خشوع کا ہونا ہے۔ وکیع وامام مالک کے نزدیک حلت فسادِ طعام ہے، اگر فسادِ طعام کا اندیشہ ہو تو تقدیم الطعام علی الصلوٰۃ جائز ہے اور اگر فسادِ طعام کا اندیشہ نہ ہو، پھر تقدیم الطعام علی الصلوٰۃ جائز نہیں۔ امام ترمذی نے جمہور کی علت کو ترجیح دی ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ زیادہ پسندیدہ ہے کھانا نماز بن جائے بنسبت اس کے نماز بھی کھانا بن جائے۔

سوال: اس حدیث کا تعارض ہے دوسری حدیث کے ساتھ جن میں ہے کہ نماز کو مؤخر نہ کیا جائے طعام کی وجہ سے اور نہ غیر طعام کی وجہ سے اس سے تقدیم الصلوٰۃ معلوم ہوتی ہے؟

جواب (۱): اگر شدت اشتہاء ہو تو پھر تقدیم الطعام پر عمل کرے ورنہ تقدیم الصلوٰۃ پر۔

جواب (۲): اگر وقت موسع ہو تو پھر طعام کو مقدم کرے ورنہ صلوٰۃ کو مقدم کرے۔

جواب (۳): رمضان میں طعام کو مقدم کرے غیر رمضان میں، نماز کو مقدم کرے۔

جواب (۴): تقدیم الطعام میں دنیوی ضرورت ہے تقدیم الصلوٰۃ میں دینی ضرورت ہے اور دینی ضرورت راجح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عِنْدَ النُّعَاسِ اونگھتے وقت نماز پڑھنے کے بیان میں

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ يُصَلِّي فَلْيَرْقُدْ حَتَّى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا صَلَّى وَهُوَ يَنْعَسُ فَلَعَلَّهُ يَذْهَبُ لِيَسْتَغْفِرَ فَيَسُبَّ نَفْسَهُ،

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اونگھنے لگے کوئی تم میں کا اور وہ نماز پڑھتا ہو تو سو رہے یہاں تک کہ جاتی رہے۔ نینداس لیے کہ ایک تم میں کا نماز پڑھنے لگے۔ درآنحالیکہ وہ اونگھتا ہے۔ پس گمان ہے کہ وہ قصد کرے استغفار کا اور اپنی جان کو گالیاں دینے لگے۔

تشریح غلبہ نوم کی وجہ سے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ اگر فرض نماز ہو تو کوشش کی جائے کہ نیند کے اثر کو زائل کرنے کی اور اگر نفل نماز ہو تو پھر غلبہ نوم کے وقت سو جائے کیونکہ اگر غلبہ نوم میں نماز پڑھے گا تو ممکن ہے کہ ارادہ استغفار کا ہو اور غلبہ نوم کی وجہ سے ایسے الفاظ جاری ہو جائیں جو بددعا پر دال ہوں اور وقت اجابت کا ہو تو پھر بجائے فائدہ کے نقصان اُٹھائے گا۔

"قوله فلعله يذهب ليستغفر فيسب نفسه" یہاں پر یذھب یرید کے معنی میں ہے۔ "فیسب نفسه" کے دو مطلب ہیں۔ (۱) ظاہری معنی کہ اس کیفیت سے انسان کو تھکاوٹ ہوتی ہے تو اس تھکاوٹ میں نماز پڑھے گا تو اُکتا جانے کی وجہ سے اپنے نفس کو برا بھلا کہے گا۔ (۲) بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ "یستغفر" کے مقابلے میں ہے اس لیے اس سے بددعا مراد ہے، ظاہری معنی مراد نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ زَارَ قَوْمًا فَلَا يُصَلِّ بِهِمْ جوملاقات کوجائے کسی قوم کی توان کی امامت نہ کرے

عَنْ بُدَيْلِ بْنِ مَيْسَرَةَ العُقَيْلِيِّ، عَنْ أَبِي عَطِيَّةَ رَجُلٍ مِنْهُمْ قَالَ كَانَ مَالِكُ بْنُ الحُوَيْرِثِ يَأْتِينَا فِي مُصَلَّانَا يَتَحَدَّثُ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ يَوْمًا فَقُلْنَا لَهُ: تَقَدَّمْ فَقَالَ لِيَتَقَدَّمْ بَعْضُكُمْ حَتَّى أُحَدِّثَكُمْ لِمَ لَا أَتَقَدَّمُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ زَارَ قَوْمًا فَلَا يَؤُمَّهُمْ وَلْيَؤُمَّهُمْ رَجُلٌ مِنْهُمْ

ترجمہ حضرت بدیل بن میسرہ عقیلی سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں عطیہ عقیلی سے کہا انہوں نے کہ تھے مالک بن حویرث آتے ہماری نماز کی جگہ میں حدیث بولنے کو پس آ گیا وقت نماز کا ایک دن سو کہا ہم نے ان کو امامت کرو چاہیے کہ امامت کرے کوئی تم میں کا تا کہ بیان کروں میں کیوں نہیں امامت کرتا، سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے تھے جو ملاقات کو جائے کسی قوم کی تو امامت نہ کرے ان کی بلکہ امامت کرے اس قوم کا کوئی آدمی۔

تشریح اگر گھر یا مسجد کے لوگ اس زائر کو اجازت دے دیں اور اس کو مجبور کریں۔

قول اوّل: جمہور کے نزدیک زائر کی امامت صاحب منزل کی اجازت سے جائز ہے۔

قول ثانی: اسحاق بن راہویہ کے نزدیک جائز نہیں، خواہ صاحب منزل کی اجازت بھی ہو۔

جمہور کی دلیل: اس مسئلہ میں پچھلی حدیث یعنی "باب ما جاء فی احق بالامامة" میں "اِلاَّ باذنہ" کے لفظ تھے۔

اسحاق بن راہویہ کی دلیل:

حدیث مالک بن حویرث، ابو عطیہ کہتے ہیں کہ مالک ہمارے پاس آتے جاتے اور حدیثیں سناتے، ایک دن نماز کے وقت آئے تو انہوں نے کہا کہ آج آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے (یعنی ابو عطیہ کے انہوں نے کہا) تو مالک بن حویرث نے فرمایا تمہارا اپنا آدمی نماز پڑھائے، اب باوجود اجازت کے نماز نہ پڑھائی اور اس پر حدیث سنائی "من زار قوما فلا یؤمهم ولیؤمهم امامهم"

جواب (۱): ممکن ہے کہ انہوں نے "اِلاَّ باذنہ" کے استثناء کو امامت والے مسئلہ کے ماسوا کے ساتھ خاص کیا ہو اور یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے۔

جواب (۲): ان کا امامت سے انکار کرنا ایک غلط فہمی سے بچانا تھا کہ شاید صحابی کے ہوتے ہوئے دوسرے کی امامت جائز ہی نہیں تو انکار کر دیا تا کہ مسئلہ معلوم ہو جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر دوسرا شخص اجازت نہ دے خود مصلے پر کھڑا ہو جائے تو اس میں دوسرے کی دل آزاری ہے۔ البتہ اجازت دینے کے بعد یہ علت ختم ہو جائے گی تو ممانعت بھی نہیں رہے گی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ يَخُصَّ الإِمَامُ نَفْسَهُ بِالدُّعَاءِ امام کا دعا کیلئے خود کو مخصوص کرنا مکروہ ہے

عَنْ ثَوْبَانَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ أَنْ يَنْظُرَ فِي جَوْفِ بَيْتِ امْرِئٍ حَتَّى يَسْتَأْذِنَ فَإِنْ نَظَرَ فَقَدْ دَخَلَ وَلَا يَؤُمَّ قَوْمًا فَيَخُصَّ نَفْسَهُ بِدَعْوَةٍ دُونَهُمْ فَإِنْ فَعَلَ

فَقَدْ خَانَهُمْ وَلَا يَقُومُ إِلَى الصَّلَاةِ وَهُوَ حَقِنٌ.

ترجمہ حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حلال نہیں کسی کو کہ جھانکے کسی گھر میں جب تک اذن نہ لے لے، پس اگر نظر کی اس نے تو داخل ہو چکا یعنی داخل ہونا بغیر اجازت حرام ہے اور نہ امامت کرے کوئی کسی قوم کی پھر خاص کرے اپنے ہی لیے دُعا کو انہیں چھوڑ کر جس نے ایسا کیا اس نے خیانت کی ان لوگوں کی اور نہ کھڑا ہو نماز میں پاخانے پیشاب کو روک کر۔

تشریح پہلا مطلب: امام دُعا کو اپنے ساتھ خاص نہ کرے بلکہ عموم ہو اسی بات کو بتلانے کے لیے حدیث ذکر کی۔

سوال: وہ دُعائیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بصیغہ واحد متکلم منقول ہیں ان کو عمل میں لانے سے تو تخصیص بنفسہ ہو جائے گی جیسے "رب اجعلنی" اور ادعیہ منقولہ مشتملہ بصیغہ واحد متکلم؟

جواب (۱): اس دُعا سے مطلق دُعا مراد نہیں بلکہ قنوت نازلہ ہے، اس میں عموم وشمول کا ارادہ کرے۔

جواب (۲): تخصیص کا معنی حصر اور قصر ہے یعنی اپنے ساتھ خاص کر کے غیر کی نفی کی جائے، اگر نصوص کی اتباع میں واحد متکلم کا تلفظ ہو تو پھر باعث اشکال نہیں۔

دوسرا مطلب: بعض نے یہ بیان کیا کہ ایسے وقت میں دُعا نہ مانگے جو دُعاؤں کا وقت یا مقام نہ ہو۔

تیسرا مطلب: یہ بیان کیا کہ اُپنے لیے دُعا کرے، دوسروں کے لیے یہ دُعا نہ کرے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

"حاقن" اس شخص کو کہتے ہیں جس کو پیشاب کا تقاضا ہو اور وہ اس کو روکے ہوئے ہو۔

حاقب: اس کو کہتے ہیں جو پاخانے کو روکے ہوئے ہو لیکن یہاں پر مطلق معنی مراد ہے کہ جو بول و براز کو روکے ہوئے ہو۔

باقی اس حدیث کو یزید بن شریح دو طرح سے روایت کر رہے ہیں۔ ایک میں مسندات ثوبان میں سے قرار دیا اور ایک طریق میں مسندات ابو امامہ سے اس کا مسندات ثوبان میں سے ہونا زیادہ راجح ہے۔ امام ترمذی نے بھی یہی کہا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ أَمَّ قَوْمًا وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ جو شخص مقتدیوں کے نہ چاہتے ہوئے بھی امامت کرے

عَنِ الْحَسَنِ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةً رَجُلٌ أَمَّ قَوْمًا وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ وَامْرَأَةٌ بَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَلَيْهَا سَاخِطٌ وَرَجُلٌ سَمِعَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ ثُمَّ لَمْ يُجِبْ

ترجمہ حضرت حسن سے روایت ہے کہ سنا میں نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ لعنت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین شخصوں پر ایک اس مرد پر کہ امامت کرے کسی قوم کی اور وہ اس سے بیزار ہوں، دوسری اس عورت پر کہ رات کاٹے اور خاوند اس کا اس پر غصہ ہو۔ تیسرے اس مرد پر جو سنے حی علی الفلاح اور جماعت میں حاضر نہ ہو۔

حَدَّثَنَا أَبُو غَالِبٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا تُجَاوِزُ صَلَاتُهُمْ آذَانَهُمُ الْعَبْدُ الْآبِقُ حَتَّى يَرْجِعَ وَامْرَأَةٌ بَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَلَيْهَا سَاخِطٌ وَإِمَامُ قَوْمٍ وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ.

ترجمہ حضرت ابو غالب سے روایت ہے کہ سنا میں نے ابا امامہ سے کہتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخصوں کی نماز ان کے کانوں کے اوپر نہیں جاتی۔ یعنی مقبول نہیں ہوتی ایک غلام بھاگا ہوا جب تک نہ لوٹے اور دوسری عورت کہ رات کاٹے اور خاوند اس کا اس پر غصے ہو، تیسرے امام کہ مقتدی اس سے بیزار ہوں۔

تشریح پہلی بات: خلاصہ یہ ہے کہ (۱) ایسے امام کی امامت جائز نہیں جس سے مقتدی ناراض ہوں۔ بشرطیکہ منشاء ناراضگی پایا جائے، یعنی ناراضگی کی بات معتبر بھی ہو، مثلاً امام بدعتی ہو، اگر امام متبع سنت ہو اور قوم بدعتی ہو، اب مقتدی جو ہے بدعت میں داخل نہ ہونے کی وجہ سے ناراض ہوں تو کوئی ضرر نہیں، پھر ناراضگی بھی تب معتبر ہوگی جب اکثر مقتدی ناراض ہوں کیوں کہ ایسا تو ہوتا ہی نہیں کہ کوئی بھی ناراض نہ ہو۔

(۲) دوسرے بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ اعتبار علماء اور صلحاء کا ہے کہ اگر علماء اور صلحاء اس کو پسند نہیں کرتے تو اس شخص کا امامت کرانا مکروہ ہے لیکن علماء صلحاء پسند کریں تو وہ مستحق لعنت نہیں، اگرچہ جاہل مقتدی اس کو ناپسند کریں۔

(۳) معارف السنن میں تیسرا قول منقول ہے اس کو فقہاء احناف نے اختیار کیا ہے۔ وہ یہ کہ لوگ جن باتوں کی وجہ سے اس کو ناپسند کریں، ان باتوں کو دیکھیں گے۔ اگر وہ اس کے دین کے نقصان کی وجہ سے ناپسند کریں۔ مثلاً جاہل ہے یا فاسق ہے یا دوسرے افعال بد کا مرتکب ہے تو ایسے شخص کی امامت مکروہ ہے لیکن ایک آدمی متبع سنت ہے، بدعت نہیں کرتا۔ اس وجہ سے اس کے بدعتی مقتدی اس کو ناپسند کرتے ہوں۔ یہ آدمی اس حدیث کا مصداق نہیں۔ (۴) چوتھا قول یہ ہے کہ وہ جو کراہت دینی ہو تو اس کا اعتبار ہوگا لیکن ناپسندیدگی کی وجوہ دنیوی ہوں۔ مثلاً ذاتی عداوت ہو تو ایسی وجوہ کا اعتبار نہیں، یہ وجوہ کراہت سارے اتفاقی ہیں۔

دوسری بات: "وامرأة باتت وزوجها عليها ساخط" اگر شوہر اس وجہ سے ناراض ہے کہ عورت ناجائز امور کا ارتکاب کرتی ہے یا اس کا حق زوجیت ادا نہیں کرتی، یہ عورت مستحق لعنت ہے لیکن شوہر کی ناراضگی کاموں کی وجہ سے ہو۔ مثلاً ایسے کہے کہ میرے ساتھ بے پردہ پھرو اور وہ ایسا نہ کرے تو وہ لعنت میں داخل نہیں بلکہ لعنت کی مستحق تب ہوگی جب معروف میں شوہر کی نافرمانی کرے۔

تیسری بات: "رجل سمع حیَّ علی الفلاح ثم لم يجب" اجابت سے اجابت فعلی مراد ہے کیونکہ اجابت قولی واجب نہیں۔ اس لیے اجابت فعلی مراد ہے کہ جو اجابت فعلی نہ کرے وہ مستحق لعنت ہے۔

چوتھی بات: "العبد الابق حتی یرجع" کیونکہ عبد ابق بھی گنہگار ہے اس میں شبہ نہیں ہے۔

پانچویں بات: آخر حدیث میں ہے "ثلاثۃ لا تجاوز صلاتھم اذانھم" یہ کنایہ ہے عدم قبولیت سے لیکن اب ان کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں ہوگی تو فرماتے ہیں کہ نماز صحیح ہوگی اور فرض ساقط ہوجائے گا لیکن نماز قبول نہیں ہوگی۔ یعنی اس پر جو درجات ملتے ہیں وہ نہ ملیں گے یعنی قبول حسن نہ ہوگا۔

"اشد الناس ای من العصاۃ" وعید کے تحت امام کبیر یعنی بادشاہ بھی داخل ہے بشرطیکہ ظالم کی وجہ سے ناراض ہوں۔

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا صَلَّى الإِمَامُ قَاعِدًا فَصَلُّوا قُعُودًا اگر امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ خَرَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ فَرَسٍ فَجُحِشَ فَصَلَّى بِنَا قَاعِدًا فَصَلَّيْنَا مَعَهُ قُعُودًا ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَالَ إِنَّمَا الإِمَامُ أَوْ إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا، وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا رَبَّنَا وَلَكَ الحَمْدُ وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا وَإِذَا صَلَّى قَاعِدًا فَصَلُّوا قُعُودًا أَجْمَعُونَ.

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ گرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھوڑے پر سے پس چوٹ آئی سو نماز پڑھائی ہم کو بیٹھ کر سو پڑھی ہم نے ساتھ ان کے بیٹھ کر پھر جب فراغت ہوئی تو فرمایا امام اسی لیے ہے یا فرمایا: "اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ" یعنی امام اسی لیے مقرر کیا گیا ہے کہ پیروی کریں اس کی سو جب اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب رکوع کرے تم بھی رکوع کرو اور جب اُٹھے تم بھی اُٹھو اور جب کہے سمع اللہ لمن حمدہ تم کہو ربنا و لک الحمد اور جب سجدہ کرے تم بھی سجدہ کرو اور جب بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی سب بیٹھ کر نماز پڑھو۔

تشریح اقتداء کی چند صورتیں ہیں۔

الاول: اقتداء القائم بالقائم۔

الثانی: اقتداء القاعد المعذور بالقاعد المعذور۔

الثالث: اقتداء القاعد المعذور بالقائم۔ یہ تینوں بالاتفاق جائز ہے۔

الرابع: اقتداء القادر علی القیام بالقاعد المعذور، یہ ثالث کی عکس ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ مقتدی بھی بیٹھے گا یا نہیں؟

پہلا مسلک: امام مالک کا ہے ان کے ہاں مطلقاً اقتداء جائز ہی نہیں۔

دوسرا مسلک: امام احمد رحمہ اللہ کے ہاں اقتداء تو جائز ہے لیکن بغیر عذر کے بیٹھ جانا چاہیے لیکن تین شرائط کے ساتھ۔

(۱) امام کا عذر ابتداء صلوٰۃ سے ہو۔ (۲) امام راتب ہو۔ (۳) عذر مرجو الزوال ہو۔ ان کی دلیل حدیث باب سے "عن انس بن مالک ... واذا صلی قاعدا فصلوا قعودا اجمعون"

تیسرا مسلک: امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں اور امام اعظم رحمہ اللہ کے ہاں اقتداء جائز ہے لیکن مقتدی قائماً ہوگا کیوں کہ یہ معذور نہیں۔

آئمہ مذاہب کے دلائل

امام مالک کی دلیل: مصنف عبدالرزاق میں امام شعبی کی مرفوع روایت سے استدلال کرتے ہیں جو مرفوع مرسلاً ہے۔
"لا یؤمن رجل بعدی جالسا" (ج:۲،ص:۴۶۳)

احناف کی دلیل: آیت قرآنی سے "وقوموا للہ قانتین" اس میں مطلقاً قیام کا حکم ہے اس سے معذور لوگ بحکم "لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا" سے مستثنیٰ ہوں گے۔

دوسری دلیل: عمران بن حصین کی روایت ترمذی صفحہ ۸۵ پر آرہی ہے "قال سالت رسول اللہ صلی عن صلوۃ المریض فقال صل قائما فان لم تستطع فقاعدا فان لم تستطع فعلی جنب" سنن ابی داؤد میں یہی روایت ہے۔ (ج:۱،ص:۱۳۷)

تیسری دلیل: آپ کا مرض الوفات والا واقعہ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر امامت فرمائی جبکہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے کھڑے ہو کر اقتداء کی۔ پھر چونکہ یہ مرض وفات کا واقعہ ہے اس لیے حدیث باب کے لیے ناسخ ہوگا جو اگلے باب منہ کی روایت ہے کہ مرفوع روایت کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

احمد کی دلیل کا جواب: یہ منسوخ ہو چکا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ مسلمان کفار والا کام نہ کریں اور کفار کا عمل یہ ہے کہ ان کا عجمی بادشاہ بیٹھا رہتا تھا اور اس کے حوارین کھڑے رہتے تو اب اگر مقتدی کھڑے ہوں تو یہ صورت بنے گی لیکن جب بعد میں عقائد اسلامیہ کا رسوخ اور غلبہ آگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی اور اس پر دلیل مرفوع الوفات والا واقعہ ہے۔

دوسرا جواب: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد میں نماز پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عیادت کرنے بالا خانہ میں گئے تو وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کی، تو اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم فرض پڑھ چکے تھے اور ان کی نفل نماز تھی اور نفل میں قیام معاف ہوتا ہے جبکہ ہمارا اور آپ کا اختلاف اقتداء المفترض علی المفترض کا ہے جبکہ یہاں اقتداء المفترض علی المتنفل ہے "فلا اختلاف بینھم" یہ شاہ صاحب کا پہلا جواب تھا۔

تیسرا جواب: انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا ہے کہ یہ حدیث مسبوق کے بارے میں ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل یہ تھا کہ مسبوق قیام وقعود میں امام کی اقتداء کے بجائے اپنی رکعات کی تعداد کا اعتبار کرتا تھا۔ یعنی اگر امام کی دوسری رکعت ہوتی اور مسبوق کی پہلی تو امام سجدہ کے بعد قعدہ کے لیے بیٹھ جاتا اور مقتدی کھڑا ہو جاتا اور اگر امام کی تیسری رکعت ہوتی اور مسبوق کی دوسری تو امام کھڑا ہو جاتا اور مقتدی بیٹھ جاتا۔ لیکن ایک مرتبہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس طریقے کے خلاف قیام وقعود میں امام ہی کی اقتداء کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ان ابن مسعود رضی اللہ عنہ سن لکم سنۃ فاستنوا بھا" حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ ہوسکتا ہے کہ حدیث باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد "واذا صلی قاعدا فصلوا قعودا اجمعون" مسبوق کی اسی صورت سے متعلق ہو۔

چوتھا جواب: یہ حکم صرف اسی صورت کے ساتھ خاص ہے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس امام ہوں تو امام کے پیچھے مقتدی بیٹھ جائیں۔

بَابٌ مِنْهُ أَيْضًا اسی سے متعلق

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلْفَ أَبِي بَكْرٍ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ قَاعِدًا

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نماز پڑھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹھ کر اس مرض میں کہ اس میں وفات ہوئی۔

تشریح: سوال (۱): ماقبل میں پہلی حدیث کی روشنی میں جمہور کا استدلال صحیح نہیں کیونکہ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقتدی تھے نہ کہ امام اور جمہور کا استدلال تو تب تام ہو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم امام ہوں۔

سوال (۲): ......اگلی حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امام بنے اور لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے افعال کو دیکھ کر افعال کرتے رہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کر رہے تھے؟

جواب (۱): مرض الوفات والا معاملہ کئی دن تک رہا۔ بعض دنوں میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو افاقہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم امام بنے اکثر دنوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امام رہے۔ مختلف واقعہ پر محمول ہے۔

جواب (۲): حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو افاقہ محسوس ہوا تو تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھوں لیکن آپ کی عظمت کی وجہ سے ابوبکر قرأت پر قادر نہ ہو سکے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو حصر لاحق ہو گیا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امام بنے، اب جنہوں نے ابتدائی حالت کا لحاظ کیا، انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقتدی تھے اور جنہوں نے انتہائی حالت کو دیکھا، انہوں نے کہا امام بنے۔ باقی حدیث انس میں بعض نے حمید اور انس کے درمیان ثابت کا واسطہ ذکر کرتے ہیں اور بعض ذکر نہیں کرتے۔ امام ترمذی نے واسطہ ہونے کے حق میں فیصلہ دیا ہے کثرتِ رواۃ کی وجہ سے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الإِمَامِ يَنْهَضُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ نَاسِيًا دو رکعت کے بعد امام کا بھول کر کھڑے ہو جانا

عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ صَلَّى بِنَا الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ فَنَهَضَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ فَسَبَّحَ بِهِ الْقَوْمُ وَسَبَّحَ بِهِمْ فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ سَلَّمَ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ وَهُوَ جَالِسٌ ثُمَّ حَدَّثَهُمْ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ بِهِمْ مِثْلَ الَّذِي فَعَلَ.

ترجمہ: حضرت شعبی سے روایت ہے کہ امامت کی ہماری مغیرہ بن شعبہ نے سو اٹھ کھڑے ہوئے دو رکعت کے بعد یعنی

قبل تشہد کے سو تسبیح کہی لوگوں نے ان سے اور انہوں نے تسبیح کہی ان سے پھر جب پوری کر چکے نماز سلام پھیرا اور دو سجدے کیے سہو کے بیٹھے ہوئے، پھر بیان کیا ان سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہی کیا تھا جیسا انہوں نے کہا۔

تشریح پہلی بات: خلاصہ یہ ہے کہ تین یا چار رکعت والی نماز میں دو رکعتوں کے بعد بجائے بیٹھنے کے اُٹھ جائے تو اب جمہور فقہاء اور محدثین کا اتفاق ہے کہ اگر امام قعدہ اولیٰ بھول گیا اور تیسری رکعت کی طرف اُٹھ گیا تو اگر اقرب الی القعود ہو تو بیٹھ جائے اور اگر اقرب الی القیام ہو تو کھڑا رہے واپس نہ آئے بلکہ سجدہ سہو کرے۔

دوسری بات، مسئلہ: قعدہ اولیٰ بھول کر کھڑا ہوا پھر اگر وہ بیٹھ جائے تو اس کا کیا حکم ہے، اس میں آئمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: عام فقہاء احناف نے اس صورت میں نماز کے فساد کا قول اختیار کیا ہے، اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ تیسری رکعت کا قیام فرض ہے اور قعدہ اولیٰ فرض نہیں ہے اور یہ فرض شروع کر چکا ہے اور فرض چھوڑ کر سنت یا واجب کی طرف لوٹنا فساد ہے۔

قول ثانی: احناف میں سے ابن ہمام اور ابن نجیم رحمہما اللہ نے اس کو ترجیح دی ہے کہ تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہونے کے بعد واپس قعدہ کے لیے نہیں آنا چاہیے لیکن اگر وہ قعدہ کے لیے آ گیا اور سجدہ سہو کر لیا تو اس کی نماز ہو جائے گی فاسد نہیں ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے فرض جو چھوڑا ہے یہ اصلاح صلوٰۃ کے لیے چھوڑا ہے اور جس فرض کو چھوڑا ہے اس کو دوبارہ ادا بھی کر لیا ہے۔ اس لیے وجہ فساد کوئی نہیں، معارف السنن نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ باقی سجدہ سہو قبل السلام ہے یا بعد السلام، اس بارے میں آگے مستقل باب آ رہا ہے وہاں ذکر کیا جائے گا۔

"فسبح به القوم وسبح بهم" اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ قوم نے سبحان اللہ کہا ان کو بتلانے کے لیے اور ان کا سبحان اللہ کہنا اس وجہ سے تھا کہ اب میں کھڑا ہو گیا ہوں، بیٹھنے کا وقت نکل گیا ہے۔ باقی سند میں شعبی سے روایت کرنے والے ابن ابی لیلیٰ ہیں، ان کی روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نہیں لیتے کیونکہ یہ اپنی حدیث صحیح اور سقم میں تمیز نہیں کر سکتے اور امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایسے شیخ کی روایت کو نہیں لیتا۔

فائدہ: ابن ابی لیلیٰ کے نام کے چار راوی ہیں۔ (۱) محمد بن ابی لیلیٰ (۲) عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ (۳) عیسیٰ بن ابی لیلیٰ (۴) عبداللہ بن ابی لیلیٰ۔ یہاں مصداق نمبر ۴ ہے یہ ضعیف ہیں۔ باقی تینوں قابل استدلال ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مِقْدَارِ الْقُعُودِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ قعدۂ اولیٰ کی مقدار

عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ كَأَنَّهُ عَلَى الرَّضْفِ قَالَ شُعْبَةُ ثُمَّ حَرَّكَ سَعْدٌ شَفَتَيْهِ بِشَيْءٍ فَأَقُولُ حَتَّى يَقُومَ فَيَقُولُ حَتَّى يَقُومَ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھتے تھے دو رکعتوں

کے بعد تو گویا وہ بیٹھے ہوں گرم پتھروں پر یعنی بہت جلد اُٹھتے کہا شعبہ نے پھر ہلائے سعد نے اپنے ہونٹ کچھ کہہ کر یعنی حضرت کچھ پڑھتے تھے۔ چنانچہ میں نے کہا یہاں تک کہ کھڑے ہوتے تو سعد نے بھی کہا یہاں تک کہ کھڑے ہوتے۔

تشریح "قولہ رکعتین الاولیین" اس کے مصداق میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: علامہ تورپشتی رحمہ اللہ کا ہے ان کے نزدیک "رکعتین الاولیین" سے مراد پہلی رکعت اور تیسری رکعت ہے، ان کی دلیل وہ حدیث جس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت اور تیسری رکعت کے بعد نہیں بیٹھتے بلکہ جلدی اُٹھتے تھے، گویا کہ گرم پتھر پر بیٹھے ہوں۔

قول ثانی: "رکعتین اولیین" سے مراد رکعت اولیٰ وثانیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشہد اوّل جلد ختم کر کے کھڑے ہوجاتے تھے لیکن بعض علماء کہتے ہیں کہ اس سے مراد رکعت اولیٰ وثالثہ ہے تو حدیث ہذا نفی جلسہ استراحت ہے کیوں کہ ان دو رکعتوں میں امام شافعی رحمہ اللہ جلسہ استراحت کے قائل ہیں، عندالاحناف تشہد اولیٰ عبدہ ورسولہ پر زیادتی موجد سجدہ سہو ہے۔

باقی سجدہ سہو کا لازم ہونا دُرودشریف پڑھنے کی وجہ سے نہیں بلکہ رُکن میں تاخیر کی وجہ سے ہے۔ اقول: حکایت حال ماضی بالمضارع: امام ترمذی رحمہ اللہ تحدیث سے روایت نقل کررہے ہیں جو دال ہے سماع پر لیکن اس کے باوجود کہتے ہیں کہ ابوعبیدہ کا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔ معلوم ہوا کہ کوئی خارجی دلائل انقطاع پر موجود ہیں، اس کی نظیر نسائی شریف میں کتاب الطہارت کے آخر میں ہے۔

دوسری بات تشہد کے بعد کتنی مقدار زیادتی میں سجدہ سہو لازم ہوگا اس میں مختلف اقوال ہیں:

قول اوّل: قاضی خاں میں ہے "لایجب سجدہ السھو مالم یقل وعلٰی اٰل محمّد قال وھو قول الاکثر"

قول ثانی: فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے "لایجب سجدہ السھو مالم یبلغ الٰی قولہ حمید مجید"

قول ثالث: "تجب بلفظ اللھم صل"

قول رابع: بلفظ "اللھم صل علی محمد و اختارہ الزیلعی فی شرح الکنز و صاحب البحر ایضاً بحر، جلد: ۱، ص: ۳۲۵، عینی، جلد: ۱، ص: ۷۳۴، مرقات، جلد: ۱، ص: ۵۶۰"

بَابُ مَا جَاءَ فِي الإِشَارَةِ فِي الصَّلَاةِ نماز میں اشارہ کرنا

عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ مَرَرْتُ بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّي فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ إِلَيَّ إِشَارَةً وَقَالَ لَا أَعْلَمُ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ إِشَارَةً بِإِصْبَعِهِ.

ترجمہ حضرت صہیب سے روایت ہے کہ گزرا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اور وہ نماز پڑھتے تھے سو سلام کیا میں نے ان کو اور جواب دیا مجھ کو اشارے سے کہا راوی نے نہیں جانتا میں مگر شاید

صہیب نے یہ بھی کہا کہ جواب دیا اُنگلی سے اشارہ کر کے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قُلْتُ لِبِلَالٍ كَيفَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرُدُّ عَلَيْهِمْ حِينَ كَانُوا يُسَلِّمُونَ عَلَيْهِ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ قَالَ كَانَ يُشِيرُ بِيَدِهِ.

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ پوچھا میں نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیوں کر جواب دیتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام کرتے تھے اصحاب ان کو اور وہ نماز میں ہوتے تھے کہا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اشارہ کرتے تھے اپنے ہاتھ سے۔

تشریح یہاں اشارہ سے مراد نماز کے دوران سلام کے جواب کا اشارہ بالید مراد ہے۔ باقی اس پر تو اتفاق ہے کہ اشارہ بالید نماز کے دوران مفسد صلوٰۃ نہیں۔ البتہ کراہت میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: احناف کے ہاں مکروہ ہے۔ قول ثانی: دیگر آئمہ کے ہاں مکروہ نہیں۔

احناف کی دلیل: حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ "المتعلق بر جوع عن الحبشہ" کہ حبشہ کی طرف ہجرت سے پہلے ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے دوران سلام کرتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیتے لیکن جب ہم حبشہ سے واپس ہوئے تو ہم نے سلام کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہ دیا، پھر بعد الفراغت سلام کا جواب دیا، یہ حدیث دال ہے اس بات پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ زبان کے ساتھ جواب دیا اور نہ ہی اشارہ کے ساتھ، اس سے معلوم ہوا کہ کلام کے منسوخ ہونے کے ساتھ اشارہ بھی منسوخ ہو گیا۔

دیگر آئمہ کی دلیل: حدیث الباب حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما، ابن عمر، صہیب اور بلال رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سلام ہوتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ کے ساتھ جواب دیتے۔

جواب (۱): یہ حدیث اُس زمانہ پر محمول ہے جب کلام کے ساتھ جواب دینا جائز تھا تو اس وقت اشارہ بھی جائز تھا۔

جواب (۲): یہ اشارہ سلام کے جواب کے لیے نہ تھا بلکہ روکنے کے لیے تھا۔ یہ امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" پہلی حدیث میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا اور دوسری میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ممکن ہے دونوں سے یہ روایت دونوں راویوں سے حاصل ہو، دونوں صحیح ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ التَّسْبِيحَ لِلرِّجَالِ، وَالتَّصْفِيقَ لِلنِّسَاءِ

مردوں کے لیے تسبیح اور عورتوں کے لیے تصفیق سے متعلق

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّسْبِيحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ.

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تسبیح

مردوں کے لیے ہے تصفیق عورتوں کے لیے ہے۔

تشریح اگر نماز کے دوران کوئی حادثہ پیش آ جائے تو رجال سبحان اللہ کہیں اور اگر عورتوں کو ضرورت پیش آئے، پھر تصفیق ہے یعنی دائیں ہاتھ کے بطن کو بائیں ہاتھ کی پشت پر ماریں جس سے آواز پیدا ہو جائے گی اور امام صاحب کو اطلاع ہو جائے گی کہ نماز میں کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے۔ مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ دونوں کا ایک حکم ہے، حدیث الباب مالکیہ کے خلاف ہے وہ اس کی توجیہ کرتے ہیں کہ اس میں بیان عادت ہے کہ تصفیق عورتوں کی عادت ہے۔...... جواب الجواب: شارع کا مقصود بیان احکام ہوتا ہے نہ کہ بیانِ عادت۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ التَّثَاؤُبِ فِي الصَّلَاةِ نماز میں جمائی لینا مکروہ ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ التَّثَاؤُبُ فِي الصَّلَاةِ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِذَا تَثَاءَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَكْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمائی آنا نماز میں شیطان کی طرف سے ہے سو جب کسی کو جمائی آئے تو روکے منہ بند کرے جہاں تک ہو سکے۔

تشریح نماز کے دوران اگر جمائی آ جائے تو حتی الامکان اس کو روکنے کی کوشش کی جائے، اس کی صورت یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی پشت سے اس کو روکا جائے۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ خیال کیا جائے کہ انبیاء کو جمائی نہیں آتی تو اللہ تعالیٰ اس سے حفاظت فرماتے ہیں۔ باقی جمائی پر شیطان خوش ہوتا ہے کیونکہ یہ سستی کی علامت ہے اور یہ کثرتِ اکل کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

کراہت کی وجہ: جمائی کا آنا سستی کی وجہ سے ہوتا ہے اور سستی اس لیے آتی ہے کہ انسان فضولیات میں مشغول ہوتا ہے جس کی وجہ سے یہ کیفیت طاری ہوتی ہے۔ گویا یہ خود تو غیر اختیاری ہے مگر اس کے اسباب اختیاری ہیں۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ صَلَاةَ الْقَاعِدِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ صَلَاةِ الْقَائِمِ

بیٹھ کر نماز پڑھنے کا کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے آدھا ثواب ہے

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَلَاةِ الرَّجُلِ وَهُوَ قَاعِدٌ فَقَالَ مَنْ صَلَّى قَائِمًا فَهُوَ أَفْضَلُ وَمَنْ صَلَّاهَا قَاعِدًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَائِمِ وَمَنْ صَلَّاهَا نَائِمًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَاعِدِ.

ترجمہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پوچھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرد کی نماز کا حال تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کھڑے ہو کر پڑھے تو افضل ہے اور جو بیٹھ کر پڑھے تو اس کو کھڑے ہو کر پڑھنے والے سے آدھا ثواب ہے اور جو لیٹ کر پڑھے تو اس کو بیٹھنے والے سے آدھا ثواب ہے۔

تشریح اس میں دو مسئلے ہیں۔

پہلا مسئلہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کھڑے ہوکر نماز پڑھے یہ افضل ہے باقی بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کا نصف ہے، لیٹ کر نماز پڑھنے والے کا بیٹھنے والے کے اعتبار سے نصف ہے یعنی اجر وثواب۔ باقی اس حدیث کا مصداق کیا ہے؟ مفترض ہے یا متنفل، اگر مفترض ہے تو پھر دو حال سے خالی نہیں، معذور ہوگا یا غیر معذور ہوگا، اگر غیر معذور ہو تو پھر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہی نہیں۔ چہ جائیکہ قائم کا نصف ثواب ملے اور اگر معذور ہے تو پھر اس کو پورا ثواب ملے گا اور اگر متنفل ہے تو یہ بھی دو حال سے خالی نہیں، معذور ہوگا یا غیر معذور ہوگا، اگر غیر معذور ہے تو پھر لیٹ کر سرے سے نماز پڑھنا جائز ہی نہیں۔ چہ جائیکہ بیٹھنے والے کے اجر وثواب کا نصف ثواب ملے اور اگر معذور ہے تو پھر پورا ثواب ملے گا۔

جواب (۱): ایک جواب تو امام ترمذی رحمہ اللہ نے دیا کہ اس کا مصداق متنفل ہے، باقی یہ کہنا کہ اس کے لیے لیٹ کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ یہ مسلم نہیں بلکہ جائز ہے، یہ رائے امام ترمذی رحمہ اللہ کی ہے، جمہور کا یہ مذہب نہیں۔

جواب (۲): حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے دیا کہ اس کا مصداق مفترض معذور ہے لیکن یہ دو قسم پر ہے۔

(۱) جو سرے سے قیام پر قدرت ہی نہ رکھتا ہو۔

(۲) جو بمشقت شدیدہ قیام پر قدرت رکھتا ہو۔ دوسری قسم کے حق میں عزیمت یہ ہے کہ کھڑا ہوکر نماز پڑھے اور رُخصت یہ ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھے۔ اب جب یہ رُخصت پر عمل کرے گا تو اس کو عزیمت پر عمل کرنے سے جو اجر وثواب ملتا اس کی تنصیف ہوگی۔ اگرچہ قائمین کے برابر ملے گا لیکن اس کے اپنے حق میں جو اجر وثواب ملنا تھا اس کا نصف ہو جائے گا۔

دوسرا مسئلہ: جو مریض بیٹھنے پر قادر نہ ہو لیٹ کر اشارہ کے ساتھ نماز پڑھنے پر قادر ہو، اس کو کیسے لیٹنا چاہیے؟

قول اوّل: احناف کہتے ہیں کہ استلقاءً لیٹ کر نماز پڑھے، پاؤں قبلہ کی طرف ہوں، اس صورت کا فائدہ یہ ہوگا کہ اشارہ جہت کی طرف ہوگا۔

قول ثانی: شوافع کہتے ہیں کہ مضطجعاً لیٹ کر نماز پڑھنا افضل ہے۔

شوافع کی دلیل: حدیث الباب، اس میں "فعلی جنب" عمران بن حصین کو کہا۔

جواب (۱): عمران بن حصین کی بیماری ایسی تھی کہ استلقاءً لیٹنے میں مشقت تھی اس وجہ سے مضطجعاً لیٹنے کا حکم دیا۔

جواب (۲): یہ محمول ہے بیانِ جواز پر۔

بَابُ فِيمَنْ يَتَطَوَّعُ جَالِسًا نفل نماز بیٹھ کر پڑھنا

عَنْ حَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى فِي سُبْحَتِهِ قَاعِدًا حَتَّى كَانَ قَبْلَ وَفَاتِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَامٍ فَإِنَّهُ كَانَ يُصَلِّي فِي سُبْحَتِهِ قَاعِدًا وَيَقْرَأُ بِالسُّورَةِ وَيُرَتِّلُهَا حَتَّى تَكُونَ أَطْوَلَ مِنْ أَطْوَلَ مِنْهَا.

ترجمہ حضرت اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے نہیں دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نفل پڑھتے بیٹھ کر یہاں تک کہ جب رہ گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات میں ایک سال پڑھنے لگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نفل بیٹھ کر اور پڑھتے تھے کوئی سورت تو اس قدر ترتیل کرتے یعنی ٹھہر ٹھہر کر مزہ لے لے کر پڑھتے کہ وہ لمبی سے لمبی ہو جاتی۔

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي جَالِسًا فَيَقْرَأُ وَهُوَ جَالِسٌ فَإِذَا بَقِيَ مِنْ قِرَاءَتِهِ قَدْرُ مَا يَكُونُ ثَلَاثِينَ أَوْ أَرْبَعِينَ آيَةً قَامَ فَقَرَأَ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ رَكَعَ وَسَجَدَ ثُمَّ صَنَعَ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذَلِكَ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھ کر نماز پڑھتے تو قرأت بھی بیٹھ کر پڑھتے، پھر جب باقی رہتیں تیس یا چالیس آیتیں تو کھڑے ہو کر پڑھتے، پھر رکوع اور سجدہ کرتے، پھر دوسری رکعت میں بھی ایسا ہی کرتے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَ سَأَلْتُهَا عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تَطَوُّعِهِ قَالَتْ كَانَ يُصَلِّي لَيْلًا طَوِيلًا قَائِمًا وَلَيْلًا طَوِيلًا قَاعِدًا فَإِذَا قَرَأَ وَهُوَ قَائِمٌ رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ قَائِمٌ وَإِذَا قَرَأَ وَهُوَ جَالِسٌ رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ جَالِسٌ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن شقیق سے روایت ہے کہ پوچھا میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نفل نماز کے متعلق تو فرمایا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نماز پڑھتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑی رات تک کھڑے کھڑے اور بڑی رات تک بیٹھے بیٹھے پھر جب قرأت کرتے کھڑے ہو کر تو رکوع اور سجدہ بھی کرتے اسی حالت میں اور جب قرأت کرتے بیٹھ کر تو رکوع اور سجدہ کرتے بیٹھ کر۔

تشریح نوافل پڑھنے کی چار صورتیں ہیں: (۱) ہر رکعت قائماً پڑھی جائے۔

(۲) ہر رکعت بیٹھ کر پڑھی جائے۔

(۳) آغاز بیٹھ کر ہو پھر قیام کو عمل میں لایا جائے۔

(۴) ابتداء کھڑے ہو کر آغاز کرے، پھر بیٹھ کر قرأت کو مکمل کرے، یہ چاروں صورتیں جائز ہیں۔ البتہ حدیث میں تین صورتوں کا ذکر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات سے ایک برس پہلے تک کھڑے ہو کر نماز پڑھتے اور وتروں کے بعد نوافل بیٹھ کر پڑھتے، پھر آخری برس میں بیٹھ کر نماز پڑھتے اور تیسری صورت یہ بھی ہے کہ بیٹھ کر شروع کی، پھر کھڑے ہو کر مکمل کی اور چوتھی صورت بھی جائز ہے لیکن حدیث میں مذکور نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر زندگی کا عمل قیاماً تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنِّي لَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فِي الصَّلَاةِ، فَأُخَفِّفُ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں جب بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز میں تخفیف کر دیتا ہوں

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ وَأَنَا فِي الصَّلَاةِ فَأُخَفِّفُ مَخَافَةَ أَنْ تُفْتَتَنَ أُمُّهُ.

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اللہ کی میں جب سنتا ہوں روتا لڑکے کا نماز میں تو ہلکی کرتا ہوں نماز اس خیال سے کہ پریشان نہ ہو جائے اس کی ماں۔

تشریح اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کی وجہ سے قرأت میں تخفیف بھی جائز ہے۔

سوال: فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر امام کسی شخص کی رعایت کی وجہ سے تخفیف یا تطویل کر دے تو کفر کا اندیشہ ہے اور حدیث سے جواز معلوم ہوتا ہے؟

جواب: حدیث سے جو جواز معلوم ہوتا ہے یہ "رجل من المسلمین" کی وجہ سے جبکہ فقہاء کا قول شخص معین کے بارے میں ہے۔

بَابُ: مَا جَاءَ لَا تُقْبَلُ صَلَاةُ الْحَائِضِ إِلَّا بِخِمَارٍ بغیر چادر جوان لڑکی کی نماز قبول نہیں ہوتی

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْبَلُ صَلَاةُ الْحَائِضِ إِلَّا بِخِمَارٍ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قبول نہیں ہوتی نماز جوان عورت کی مگر اوڑھنی اوڑھ کر۔

تشریح حدیث ہذا سے معلوم ہوا کہ ستر بدن یعنی ستر عورت شرط ہے صحت صلوٰۃ کے لیے اور یہی مذہب ہے جمہور کا لیکن امام مالک کے نزدیک یہ سنن صلوٰۃ میں سے ہے۔امام مالک کے نزدیک اس سلسلے میں حرۃ و باندی برابر ہیں۔ظاہریہ کا مذہب بھی یہی ہے کما قیل لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ جمہور کے ساتھ ہیں بدن کا وہ حصہ جس کا ستر نماز میں فرض ہو، عورت کہلاتا ہے۔مرد کی عورت ناف سے گھٹنے تک ہے۔ناف عورت نہیں ہے اور رکبہ عورت میں داخل ہے اور عورت اگر باندی ہو تو اس کی عورت مثل عورت رجل ہے۔"لحدیث المرفوع اذا زوج احدکم خادمه عبده و اجیره فلا ینظر الی مادون السترة و الرکبة رواه الدار قطنی و ابو داؤد" اور عورت رجل کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی ایوب مرفوعا "عورت الرجل مابین السرته و رکبة دار قطنی و بیهقی" امام شافعی کے نزدیک رکبة الرجل داخل عورت نہیں ہے۔بعض آئمہ کے نزدیک فخذ بھی داخل عورت نہیں ہے باقی عورت حرۃ میں اختلاف

ہے۔عند البعض اس کا جمیع بدن سوی وجہ وکفین عورت ہے ''وبہ قال مالک و شافعی و روایۃ عن احمد''اور عند البعض قدمین بھی عورت سے خارج ہیں،''وبہ قال احمد و روایۃ عن ابی حنیفہ وبہ قال فی روایۃ عن احمد و ابی حنیفۃ ایضا و عند البعض''صرف وجہ خارج من العورت ہے وبہ قال داؤد واحمد فی روایۃ درمختار میں ہے کہ حرۃ کی عورت بیان کرتے ہوئے ''للحرۃ جمیع بدنہا حتی شعرہا نازل فی الاصح خلل الوجہ و الکفین و ظاہر الکف عورت علی المذہب و القدمین ایضا عورت علی قول المعتمد علی الراجح شامی ج: ۱، ص: ۳۷۶'' پر ہے۔''لیس المراد من کون صوت المرأۃ کلامہا فان تحیر الکلام مع النساء للاجانب عند الحاجت و لا نجیز رفع اصواتہن و لا تلینہن''

فائدہ: یہ اس عورت کا بیان ہے جس کا تعلق نماز سے ہے اور جس کا ستر فرض ہے۔اگر چہ خلوت میں ہو، ورنہ نماز نہ ہوگی۔ البتہ چہرہ ہاتھ وغیرہ کھل سکتے ہیں البتہ معروف پردہ الگ چیز ہے اس میں رجال اجانب سے چہرے کا چھپانا بھی ضروری ہے نہ اس لیے کہ چہرہ عورت ہے بلکہ ''للفتنہ'' (عینی جلد: ۲،ص: ۷۸، بحر، جلد: ۳، شرح مہذب، جلد: ۳، ص: ۱۶۸، شامی، جلد: ۱، صفحہ ۳۷۶)

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ السَّدْلِ فِي الصَّلَاةِ نماز میں سدل مکروہ ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ السَّدْلِ فِي الصَّلَاةِ.

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ منع کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سدل سے نماز میں۔

تشریح: سدل کی متعدد صورتیں ہیں۔(۱) وسط ثوب کو سر پر رکھ کر دونوں جانبوں کو کھلا چھوڑ دیا جائے۔

(۲) کندھوں پر ڈال کر کپڑا کھلا چھوڑ دے۔(۳) اس طور پر اوڑھا جائے کہ ہاتھ بالکل بند ہو جائیں۔

(۴) شلوار کا ٹخنوں سے نیچے ہونا۔پہلی تینوں صورتیں ناجائز ہیں، اس کا عدم جواز نماز کے ساتھ مخصوص ہے اور چوتھی صورت مطلقاً ممنوع ہے۔پہلی تین صورتیں تشبہ بالیہود کی وجہ سے اور چوتھی صورت تشبہ بالمتکبرین کی وجہ سے ممنوع اور ناجائز ہے۔حنابلہ نے فرق کیا ہے اور کہا کہ سدل تب ممنوع ہوگا جب کپڑا مافوق القمیص ہو لیکن اگر ایک کپڑا ہو، کرتے کے اوپر ہو تو پھر سدل ممنوع نہیں ہے۔

بتعریف الثانی: نہ بتعریف اوّل اسی طرح قمیص کو بجائے شلوار اور بالعکس استعمال کرنا سدل ہے لیکن اگر قباء کے آستین میں عادت عدم ادخال یدین ہو تو پھر عدم ادخال الیدین مکروہ نہیں ہے مثل پوستین اس کے آستین زینت کے لیے ہوتے ہیں نہ ادخال یدین کے لیے تو عدم ادخال یدین پوستین میں خلاف طریقہ معروف نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ مَسْحِ الْحَصَى فِي الصَّلَاةِ نماز میں کنکریاں ہٹانا مکروہ ہے

عَنْ أَبِي ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَلَا يَمْسَحِ الْحَصَى، فَإِنَّ الرَّحْمَةَ تُوَاجِهُهُ.

ترجمہ حضرت ابی ذر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کھڑا ہو کوئی تم میں کا نماز کو تو نہ چھوئے کنکریاں نماز میں اس لیے کہ رحمت اُس کے سامنے ہے۔

عَنْ مُعَيْقِيبٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ مَسْحِ الحَصَى فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ إِنْ كُنْتَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَمَرَّةً وَاحِدَةً.

ترجمہ حضرت معیقیب سے روایت ہے کہ پوچھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کنکریاں ہٹانے کو تو فرمایا اگر ضرورت ہو تجھ کو تو ایک بار ہٹالو۔

تشریح خلاصہ یہ ہے کہ کنکریوں کو دورانِ نماز اُلٹانا جائز ہے۔ اگر اونچ نیچ کی وجہ سے سجدہ میں دُشواری ہو یا اتنی گرم ہوں کہ سجدہ نہیں ہوسکتا تو مرۃً مرتین کرنا جائز ہے، بلاضرورت لایجوز۔ اگر بار بار کرے گا تو یہ عمل کثیر بن جائے گا اور عمل کثیر مفسد صلوٰۃ ہے۔ فی الباب کی حدیثوں میں ایک معیقیب بھی ہیں، اس کو صراحتاً پیچھے بھی کردیا لیکن وفی الباب کے تحت بھی ذکر کردیا۔ بعض شراح نے کہا کہ کاتب کی غلطی ہے لیکن صحیح توجیہ یہ ہے کہ پہلی حدیث کا تعلق کراہیۃ حصٰی کے ساتھ ہے اور دوسری کا تعلق بیان جواز کے ساتھ۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ النَّفْخِ فِي الصَّلَاةِ نماز میں زمین پر پھونکنا مکروہ ہے

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ رَأَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامًا لَنَا يُقَالُ لَهُ أَفْلَحُ إِذَا سَجَدَ نَفَخَ فَقَالَ يَا أَفْلَحُ تَرِّبْ وَجْهَكَ.

ترجمہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکے کو کہ ہم اس کو افلح کہتے تھے جب سجدہ کرتا تو زمین کو پھونکتا سو فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاک آلودہ ہونے دے اپنے چہرے کو۔

تشریح مسئلہ اختلافی: نفخ فی الصلوٰۃ جائز ہے یا نہیں؟ اگر آواز پیدا ہوجائے تو مفسد للصلوٰۃ ہے اور اگر آواز پیدا نہ ہو تو پھر مکروہ ہے۔

سوال: ترجمۃ الباب میں کراہیت کا ذکر ہے اور حدیث میں کہیں بھی کراہیت کا ذکر نہیں؟

جواب: تتریب الوجہ ملزوم ہے اور پھونک نہ مارنا لازم ہے گویا کہ تتریب الوجہ کا حکم کرنا پھونک نہ مارنا ہے۔ اہل الکوفہ، اہل کوفہ امام صاحب کے ماسوا ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الِاخْتِصَارِ فِي الصَّلَاةِ نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھ کے کھڑا ہونا منع ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يُصَلِّيَ الرَّجُلُ مُخْتَصِرًا.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اس سے کہ نماز پڑھے آدمی کوکھ پر ہاتھ رکھ کر۔

تشریح پہلا معنی: اختصار فی الصلوٰۃ کا معنی مشہور "وضع الید علی الخاصرہ" اور علت نہی یہ ہے کہ ابلیس جب دُنیا میں اُتارا گیا تو اس کی ہیئت ایسی ہی تھی اور بعضوں نے کہا کہ جہنمی ایسا کرنے میں راحت سمجھیں گے، ان کے ساتھ مشابہت ہے۔

دوسرا معنی: لاٹھی پر سہارا لے کر نماز پڑھنا۔

تیسرا معنی: آیات سجدہ کو چھوڑ کر ماسوا کی تلاوت کرنا۔

چوتھا معنی: سورتوں کی صرف آخری آیات کو نماز میں پڑھنا یہ منہی عنہ ہے لیکن یہاں اوّل مراد ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ كَفِّ الشَّعْرِ فِي الصَّلَاةِ بال باندھ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے

عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي رَافِعٍ أَنَّهُ مَرَّ بِالْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ وَهُوَ يُصَلِّي وَقَدْ عَقَصَ ضَفِرَتَهُ فِي قَفَاهُ فَحَلَّهَا فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ الْحَسَنُ مُغْضَبًا فَقَالَ أَقْبِلْ عَلَى صَلَاتِكَ وَلَا تَغْضَبْ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ ذَلِكَ كِفْلُ الشَّيْطَانِ.

ترجمہ حضرت سعید بن ابی سعید المقبری سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے وہ ابی رافع سے کہ وہ گزرے حسن بن علی پر اور وہ نماز پڑھتے تھے اور باندھا انہوں نے جوڑا اپنا گدی پر سو کھول دیا اس کو ابی رافع نے تو دیکھا حضرت حسن نے ان کی طرف غصے سے سو کہا انہوں نے اپنی نماز پڑھتے رہو اور غصہ نہ کرو کہ میں نے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے تھے کہ وہ حصہ ہے شیطان کا۔

تشریح اگر کسی آدمی کے سر کے بال لمبے ہوں تو سجدے میں ان کو اپنی حالت پر چھوڑ دے اس لیے کہ جسم کا ہر عضو سجدہ کرتا ہے اور بال بھی سجدہ کرتے ہیں اور بالوں کے سجدہ کرنے کا اجر وثواب بھی ملتا ہے۔ لہٰذا بالوں کو گدی پر ڈال کر گرہ لگا دینا صحیح نہیں، اس کو کفل الشیطان کہا گیا ہے۔ اس لیے کہ اس کا سبب شیطان ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّخَشُّعِ فِي الصَّلَاةِ نماز میں عاجزی کرنے کے بیان میں

عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةُ مَثْنَى مَثْنَى تَشَهَّدُ فِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَتَخَشَّعُ وَتَضَرَّعُ وَتَمَسْكَنُ وَتُقْنِعُ يَدَيْكَ يَقُولُ تَرْفَعُهُمَا إِلَى رَبِّكَ مُسْتَقْبِلًا بِبُطُونِهِمَا وَجْهَكَ وَتَقُولُ يَا رَبِّ يَا رَبِّ وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَهُوَ كَذَا وَكَذَا.

ترجمہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز دو دو رکعت ہے اور التحیات ہے ہر دوگانہ کے بعد اور ڈرنا ہے اور عاجزی کرنا اور مسکینی یعنی درگاہِ الٰہی میں اور اُٹھائے تو اپنے دونوں ہاتھ کہتا ہے راوی کہ بلند کرے تو دونوں ہاتھوں کو پروردگار کے سامنے کہ ہتھیلیاں ہوں تیرے منہ کی

طرف اور کہے یارب! یارب! اور جو ایسا نہ کرے وہ ایسا ایسا ہے یعنی ناقص ہے۔

تشریح خشوع کا تعلق دل کے ساتھ ہے اور خضوع کا تعلق بدن کے ساتھ ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ خشوع کا تعلق آنکھ کے ساتھ ہے اور خضوع کا تعلق باقی بدن کے ساتھ۔ باقی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنا ثابت ہے۔ لہٰذا اس کو بدعت کہنا خود بدعت ہے۔ اس حدیث میں مستحب کے ترک پر خداج کا اطلاق ہوا۔ اب اس سے یہ استدلال کرنا کہ سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اگر نہ پڑھی گئی تو خداج ہے یہ صحیح نہیں۔ اس لیے کہ خداج کا اطلاق استحباب کے ترک پر بھی ہوتا ہے۔ "الصلوۃ مثنی مثنی" اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ہر دو رکعت التحیات ہے یا مطلب یہ ہے کہ کم از کم نفل دو رکعت ہے۔

مسئلہ: اس حدیث کی سند میں شعبہ سے کئی خطائیں ہوئی ہیں (۱) عمران بن ابی انس کے بجائے انس بن ابی انیس بنا دیا۔ (۲) عبداللہ بن نافع کو عبداللہ بن حارث بنا دیا۔ (۳) اصل تھا ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب یہاں عبدالمطلب کو مطلب قرار دیا۔ (۴) فضل ابن عباس کا واسطہ تھا اس کو چھوڑ دیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ التَّشْبِيكِ بَيْنَ الأَصَابِعِ فِي الصَّلَاةِ

نماز میں پنجہ میں پنجہ ڈالنا مکروہ ہے

عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَأَحْسَنَ وُضُوءَهُ ثُمَّ خَرَجَ عَامِدًا إِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يُشَبِّكَنَّ بَيْنَ أَصَابِعِهِ فَإِنَّهُ فِي صَلَاةٍ.

ترجمہ حضرت کعب بن عجرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب وضو کیا کسی نے اچھی طرح سے پھر نکلا مسجد کی طرف تو تشبیک نہ کرے اپنی اُنگلیوں میں اس لیے کہ وہ تو نماز میں ہے۔

تشریح پہلی بات: تشبیک کا مسئلہ بیان کیا جا رہا ہے۔ تشبیک کسے کہتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ تشبیک ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالنے کو کہتے ہیں۔

دوسری بات: تین مواقع میں تشبیک بین الاصابع جائز نہیں۔ (۱) ایک حدیث میں مذکور ہے کہ جب وضو کر کے مسجد کی طرف نماز کے ارادے سے چلے (۲) جب مسجد کے اندر نماز کی انتظار میں بیٹھا ہو، اس وقت بھی تشبیک جائز نہیں۔

(۳) نماز کے اندر تشبیک بین الاصابع جائز نہیں کیونکہ پہلی دو صورتوں میں یہ حکماً نماز میں ہے اور تیسری صورت میں حقیقتاً نماز میں ہے اور حقیقتاً نماز میں ہو یا حکماً نماز میں ہو تشبیک جائز نہیں لیکن نماز میں نہ حقیقتاً ہو نہ حکماً ہو بلکہ خارج صلوٰۃ ہو تو تشبیک جائز ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

تیسری بات: تین مواضع مذکورہ میں تشبیک کی کراہیت اتفاقی ہے۔

چوتھی بات: اس کراہت کی وجہ اور سبب کیا ہے؟ اس کے متعلق متعدد باتیں ہیں جو محدثین نے ذکر کی ہیں۔
(۱) تشبیک اختلاف کی علامت ہے۔ اس لیے تین مواضع میں منع کیا کیونکہ یہ مواضع عام طور پر پیش آتے رہتے ہیں۔
(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ تشبیک جالب نوم ہے اس لیے منع فرمایا۔
(۳) یہ عمل انگلیوں کو چٹخانے کے لیے کیا جاتا ہے اور نماز میں انگلیوں کو چٹخانا ممنوع ہے۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی حالت میں حقیقتاً ہو یا حکماً ہو تشبیک سے منع فرمایا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي طُولِ الْقِيَامِ فِي الصَّلَاةِ نماز میں دیر تک قیام کرنا

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قِيلَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الصَّلَاةِ أَفْضَلُ قَالَ طُولُ الْقُنُوتِ.

ترجمہ: حضرت جابر سے روایت ہے کہ پوچھا گیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کون سی نماز افضل ہے؟ فرمایا جس میں قیام دراز ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَثْرَةِ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ رکوع اور سجدے زیادہ کرنا

عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي الْوَلِيدُ بْنُ هِشَامٍ الْمُعَيْطِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي مَعْدَانُ بْنُ طَلْحَةَ الْيَعْمَرِيُّ قَالَ لَقِيتُ ثَوْبَانَ مَوْلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ لَهُ دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ يَنْفَعُنِي اللهُ بِهِ وَيُدْخِلُنِي اللهُ الْجَنَّةَ فَسَكَتَ عَنِّي مَلِيًّا ثُمَّ الْتَفَتَ إِلَيَّ فَقَالَ عَلَيْكَ بِالسُّجُودِ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْجُدُ لِلّٰهِ سَجْدَةً إِلَّا رَفَعَهُ اللهُ بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةً قَالَ مَعْدَانُ فَلَقِيتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ فَسَأَلْتُهُ عَمَّا سَأَلْتُ عَنْهُ ثَوْبَانَ فَقَالَ عَلَيْكَ بِالسُّجُودِ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْجُدُ لِلّٰهِ سَجْدَةً إِلَّا رَفَعَهُ اللهُ بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةً.

ترجمہ: حضرت اوزاعی سے روایت ہے کہ روایت کی مجھ سے ولید بن ہشام معیطی نے کہا روایت کی مجھ سے معدان بن طلحہ یعمری نے کہا ملاقات کی میں نے ثوبان سے جو مولیٰ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھا میں نے ان سے خبر دو مجھے ایسے کام کی کہ نفع دے اللہ مجھ کو اس سے اور داخل کرے جنت میں پس چپ رہے وہ دیر تک پھر التفات کیا میری طرف اور کہا تو اختیار کرے سجدے کو یعنی سجدے بہت کیا کر یا نماز بہت پڑھا کر اس لیے کہ سنا ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے تھے جو بندہ ایک سجدہ کرے اللہ کے واسطے بلند کرتا ہے اللہ اس کا ایک درجہ اور گھٹاتا ہے ایک گناہ کہا معدان نے پھر ملا میں ابو الدرداء سے سو پوچھا میں نے ان سے جو پوچھا تھا ثوبان سے تو انہوں نے بھی کہا کہ میں نے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے تھے جو بندہ ایک

سجدہ کرے اللہ کے واسطے بلند کرتا ہے اللہ اس کا ایک درجہ اور گھٹاتا ہے ایک گناہ۔

تشریح مسئلہ اختلافی: نفلی نماز میں طول قیام افضل ہے یا کثرت رکوع سجود افضل ہے؟

قول اوّل: احناف وشوافع کے ہاں طول قیام افضل ہے۔

قول ثانی: صاحبین کے ہاں کثرت رکوع وسجود افضل ہے۔

قول ثالث: امام احمد کے ہاں توقف ہے کسی کو ترجیح نہیں دی جاسکتی کیونکہ حدیثیں دونوں قسم کی ہیں۔

قول رابع: اسحاق بن راہویہ کے ہاں اگر دن کے نوافل ہوں تو کثرت رکوع وسجود افضل ہے اور اگر رات کے ہوں، پھر طول قیام افضل ہے لیکن ایک صورت مستثنیٰ ہے وہ یہ کہ کسی شخص کی عادت ہے رات کو خاص منزل کی ایسے شخص کے لیے رات کو نوافل میں اسی منزل کو پڑھنے لینے کے بعد کثرت رکوع وسجود افضل ہے۔

احناف کی دلیل اوّل: حدیث جابر رضی اللہ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا "ایُ صلٰوۃ افضل" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طول القیام، "ایُ" کا کلمہ کہ جب اس کا مضاف الیہ نکرہ ہو تو افراد مراد ہوتے ہیں اور جب مضاف الیہ معرفہ ہو تو اجزاء مراد ہوتے ہیں اور یہاں پر معرفہ ہے اب معنی ہوگا کہ نماز کے اجزاء میں سے کون سا جز افضل ہے تو فرمایا طول قیام یہ مطلق لیل ونہار کو شامل ہے۔

دلیل ثانی: قیام کی حالت میں تلبس ہوتا ہے قرآن سے اور یہ مناجات مع اللہ ہے اور رکوع وسجود میں تسبیحات ہیں لیکن مناجات مع اللہ نہیں اور اب ظاہر ہے کہ وہ حالت جس میں مناجات مع اللہ ہو وہ افضل ہے۔

صاحبین کی دلیل: احادیث الباب، حدیث ثوبان "علیکم کثرۃ السجود" یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا؟

جواب: اس سے کثرت سجود کی فضیلت معلوم ہوتی ہے افضلیت معلوم نہیں ہوتی اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قرب زیادہ سجدے کی حالت میں ہے تو قرب اور چیز ہے اور زیادتی اجزاء اور چیز ہے۔

حنابلہ کی دلیل: دونوں قسم کی احادیث میں توقف کیا جائے؟

جواب: یہاں مساوات نہیں بلکہ طول قیام کو ترجیح حاصل ہے، اس لیے کہ قیام میں قرآن سے تلبس ہوتا ہے۔ اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں دونوں قسم کی احادیث ہیں۔ لہٰذا ان میں تطبیق دی جائے اور وہ تطبیق یہ ہے کہ جن احادیث سے کثرت سجود معلوم ہوتا ہے وہ محمول نوافل نہاری پر اور جن سے طولِ قیام معلوم ہوتا ہے وہ محمول نوافل لیلی پر۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَتْلِ الْأَسْوَدَيْنِ فِي الصَّلَاةِ نماز میں سانپ اور بچھو کا مارنا درست ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلِ الْأَسْوَدَيْنِ فِي الصَّلَاةِ الْحَيَّةُ وَ الْعَقْرَبُ

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حکم فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کالی

چیزوں کے مارنے کا نماز میں ایک سانپ دوسرے بچھوکا۔

تشریح اسودین تثنیہ ہے اسود کا اصل لغت میں کالے سانپ کو کہتے ہیں، پھر تغلیباً بچھو پر بھی اطلاق کیا گیا، پھر اور توسع کر کے مطلق سانپ اور بچھو کو کہا جانے لگا خواہ کالا ہو یا نہ ہو۔ باقی نماز میں قتل کرنا بالاجماع جائز ہے لیکن مفسد صلوٰۃ ہے یا نہیں، اگر عمل قلیل ہو تو یہ عمل بھی جائز ہے اور نماز بھی صحیح ہے اور اگر عمل کثیر ہو تو پھر جمہور کے نزدیک نماز تو فاسد ہو جائے گی لیکن گنہگار نہ ہوگا۔ شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ شریعت نے اجازت دی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي سَجْدَتَيِ السَّهْوِ قَبْلَ السَّلَامِ سلام سے پہلے سجدہ سہو کرنا

عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ بُحَيْنَةَ الأَسَدِيِّ حَلِيفِ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فِي صَلَاةِ الظُّهْرِ وَعَلَيْهِ جُلُوسٌ فَلَمَّا أَتَمَّ صَلَاتَهُ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ سَجْدَةٍ وَهُوَ جَالِسٌ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ وَسَجَدَهُمَا النَّاسُ مَعَهُ مَكَانَ مَا نَسِيَ مِنَ الْجُلُوسِ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن بحینہ اسدی سے روایت ہے جو ہم قسم ہیں بنی عبدالمطلب کے کہ نبی کھڑے ہو گئے نماز ظہر میں اور ان کو بیٹھنا تھا یعنی قعدۂ اولیٰ میں پھر جب پوری کر چکے نماز دو سجدے کیے بیٹھے ہوئے تکبیر کہتے ہر سجدے میں قبل سلام کے لوگوں نے بھی سجدے کیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدلے میں قعدۂ اولیٰ کے جو بھول گئے تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي سَجْدَتَيِ السَّهْوِ بَعْدَ السَّلَامِ وَالْكَلَامِ سلام اور کلام کے بعد سجدۂ سہو کرنا

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ خَمْسًا فَقِيلَ لَهُ أَزِيدَ فِي الصَّلَاةِ أَمْ نَسِيتَ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ مَا سَلَّمَ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر پڑھی پانچ رکعتیں، سو عرض کیا گیا بڑھائی گئی نماز یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھول گئے۔ پس دو سجدے کیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد سلام کے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ بَعْدَ الْكَلَامِ.

ترجمہ حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سہو کے دو سجدے کیے بعد کلام کے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجَدَهُمَا بَعْدَ السَّلَامِ.

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سجدے کیے سہو کے سلام کے بعد

تشریح پہلی بات: مسئلہ اولیٰ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو وقائع سجدہ سہو پیش ہوتے تھے وہ چھ ہیں۔ "کما فی فیض الباری، جلد: ۲، ص: ۳۴" یا پانچ ہیں۔ (کمافی زاد المعاد، جلد: ۱، ص: ۷۴)

اوّل: "صلی الظھر خمسًا بخاری ص:۶۳"

دوم: "عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ صلی بنا رسول اللّٰہ الظھر او العصر فصلی رکعتین فقط و سلم بخاری، ص:۶۴"

سوم: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد اوّل کو ترک کیا تھا، روایت ہے (ترمذی و ابوداؤد، ج:۱، ص:۱۴۸) "صلی بنا رکعتین ثم قام فلم یجلس"

چہارم: نسائی ص:۱۱۰ پر ہے "صلی صلٰوۃ الصبح و قرء الروم فلتبس علیہ الخ"

پنجم: عن معاویہ بن خدیج "قال صلیت مع رسول اللّٰہ المغرب فسھی فسلم فی الرکعتین"

چھٹا: "وھو انہ ترک القعدہ الاولٰی فی المغرب کمافی فیض الباری، ج:۲، ص ۳۶" معلوم ہوا کہ انبیاء پر بھی سہو جائز ہے۔

دوسری بات: سوال: مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ سے یہ سوال ہوا کہ سہو غفلت کی علامت ہے اور نتیجہ ہے اور غفلت عن الصلوٰۃ انبیاء کے بارے میں متصور نہیں ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو کس طرح ہوا؟

جواب: یہ سوال کسی کتاب میں نظر سے نہیں گزرا اور جواب یہ ہے کہ غفلت دو قسم پر ہے۔

اوّل: "غفلت عن الصلوٰۃ لاجل الشغل فی الاولٰی من الصلوٰۃ" اس قسم کا سہو نقصان ہے اور انبیاء علیہم السلام اس سے منزہ ہیں۔

دوم: "غفلت عن الصلوٰۃ والسھو عنھما لاجل الشغل فی ما اعلٰی من الصلوٰۃ کتوجہ الی ذات اللّٰہ و صفات اللّٰہ و الاخرۃ" اور یہ سہو کمال کی علامت ہے اور یہ انبیاء علیہم السلام سے صادر ہو سکتا ہے مگر مجھے یہی سوال و جواب طحاوی میں ملے ہیں اور وہاں دو شعر بھی لکھے ہیں۔

یا سائلی عن رسول اللّٰہ کیف سھی	والسھو عن کل قلب غافل ساھی
قد غاب عن کل شی سرہ فسھی	عما سوی اللّٰہ فی التعظیم للھی

تیسری بات:

مسئلہ ثانیہ، سجدہ سہو قبل السلام ہے یا بعد السلام اختلاف ہے۔

مذہب اوّل: یہ مطلقاً بعد السلام ہے۔ عند ابی حنیفہ و ثوری و ابراہیم النخعی والحسن البصری۔ اور یہ ایک قول امام شافعی کا "والیہ ذھب علی و سعد بن ابی وقاص و ابن مسعود و انس و ابو ھریرہ و عمر بن عبدالعزیز (رضی اللّٰہ عنھم)"

مذہب ثانی: یہ مطلقاً قبل السلام ہے "عند الشافعی و روایۃ عن مالک و بہ قال الاوزاعی و روی عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنھما و معاویہ و اکثر فقھاء المدینہ کمافی الترمذی"

مذہب الثالث: "عن مالک القاف للقاف والدال لدال یعنی لاجل الزیادۃ صل بعدالسلام ولاجل النقصان قبل السلام" ہے "وبہ قال امام المزنی و ابو ثور"

مذہب رابع: امام احمد فرماتے ہیں کہ جوسنت میں واقع ہوں ان واقعات میں سنت پر عمل کیا جائے، اگر قبل السلام ہو تو قبل السلام اور بعد السلام ہو تو بعد السلام اور وقائع کے علاوہ مسنون نہیں ہے۔

مذہب خامس: مثل مذہب رابع ہے مگر وہ کہتے ہیں کہ وقائع سنت کے علاوہ میں مثل مذہب مالک وبہ قال اسحاق۔

مذہب سادس: ساہی کو اختیار ہے بعد السلام وقبل السلام کا کیونکہ دونوں طریقے احادیث میں وارد ہیں۔ "وبہ قال الطبری" (نیل الاوطار، جلد: ۳، ص: ۱۱۹، عینی، جلد: ۳، ص: ۷۳۶)

احناف کی دلیل: حدیث مغیرہ ابن شعبہ جس کو امام ترمذی نے پیچھے "باب ماجاء فی امام ینهض فی الرکعتین ناسیا" جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مغیرہ بن شعبہ تیسری رکعت میں کھڑے ہوئے یعنی حدیث میں مسلم "ثم سجد" کے الفاظ ہیں۔ پھر حدیث بیان کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہی کیا۔ امام ترمذی نے اس حدیث کی تحسین بھی کی ہے اور تصحیح بھی کی ہے۔

دلیل ثانی: حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ "الذی اخرجه فی الباب" کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ رکعت نماز ظہر پڑھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا "ازید فی الصلوٰۃ ام نسیت" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجد بعد السلام اس کی بھی امام ترمذی نے تصحیح بھی کی ہے اور تحسین بھی۔

دلیل ثالث: حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ سجدها بعد السلام"

دلیل رابع: حدیث عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ "الذی اخرجه الشیخان، بخاری، ص: ۱۵۸ ... ولیسجد سجدتین بعد ما سلم" یہ قولی حدیث ہے۔

دلیل خامس: حدیث ثوبان "الذی اخرجه ابوداؤد ص: ۱۴۸، مرفوعًا، لکل سهو سجدتان بعد السلام یا بعد ما سلم" یہ بھی قولی ہے جو کہ قاعدہ کلیہ ہے۔

دلیل سادس: عمل اکابر صحابہ چنانچہ حضرت عمر فاروق، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت ابن مسعود، حضرت مغیرہ، حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہم کا عمل بھی سجدہ سہو بعد السلام کا منقول ہے اور اکابر تابعین عمر بن عبدالعزیز۔

دلیل سابع: مسلم، ج: ۱، ص: ۲۱۴، ابوداؤد طیالسی، ج: ۱، ص: ۱۱۴، مشکوٰۃ، ص: ۹۳، نسائی، موارد الظمآن، ج: ۱، ص: ۱۴۲، "عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ مرفوعا وفیه ثم سلم ثم سجد سجدتین ثم سلم"

دلیل ثامن: طحاوی میں ہے ج: ۱، ص: ۲۵۲ "عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ بسند قوی اذا صلی احدکم فلم یدری ام ثلاثه صلی أم اربعًا فلینظر اخریٰ ذلک الی الصواب فلیتم ثم یسلم ثم یسجد سجدتی السهو ویتشهد ولیسلم، بخاری، ج: ۱، رواہ مسلم"

شوافع کی دلیل اوّل: احادیث الباب خصوصاً عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ۔

دلیل ثانی: حدیث عبدالرحمن بن عوف دونوں حدیثوں کا قدر مشترک یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ سہو قبل السلام کیا۔

جواب (۱): دونوں حدیثوں کا مدلول یہ ہے کہ سجدہ قبل السلام کیا اور ہم بھی اس کے قائل ہیں کہ بیان جواز کے لیے ہے لیکن مسئلہ جواز کا نہیں بلکہ افضلیت کا ہے۔

جواب (۲): سلام دو قسم پر ہے (۱) سلام اعلام (۲) سلام فراغت عن الصلوٰۃ۔ احادیث سجدہ سہو قبل السلام یہ سب محمول ہیں سلام فراغت یعنی فراغت عن الصلوٰۃ والے سلام سے پہلے سجدہ سہو کیا اور سلام اعلام کے بعد ہے۔

جواب (۳): احادیث سجدہ سہو بعد السلام میں سے حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ قولی حدیث ہے اور یہ راجح ہے، صحیحین کی حدیث ہونے کی وجہ سے اور احادیث سجدہ سہو قبل السلام کے متعلق بھی اگرچہ قولی حدیث موجود ہے لیکن مسلم میں ہے بخاری میں نہیں۔ لہٰذا ترجیح اس حدیث کو ہوئی جو دونوں میں موجود ہے۔

جواب (۴): احادیث سجدہ سہو بعد السلام کو ترجیح حاصل ہے۔ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے تعامل کے توافق کی وجہ سے۔

جواب (۵): احادیث سجدہ سہو بعد السلام میں سے حدیث ثوبان قولی ہے اور قولی ہونے کے ساتھ ساتھ قاعدہ کلیہ بھی ہے جبکہ احادیث قبل السلام میں کوئی ایسی حدیث نہیں جو قاعدہ کلیہ ہو۔ لہٰذا قاعدہ کلیہ والی حدیث کو ترجیح ہوگی۔

سوال: امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں احادیث سجدہ سہو قبل السلام کلہا ناسخہ اور احادیث سجدہ سہو بعد السلام منسوخ ہیں۔ چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی امام شافعی کا یہی قول نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری فعل قبل السلام ہے۔

جواب (۱): یہ دعویٰ نسخ ہے لیکن اس پر دلیل موجود نہیں۔ شوافع فرماتے ہیں دلیل ہے اور وہ روایت زہری کہ زہری فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ سہو کیا "قبل السلام و کان آخر الفعلین"

جواب (۱): یہ مراسیل زہری کے قبیل سے ہے اور اس کا وہ مرتبہ نہیں جو سعید ابن مسیب کا ہے یا مراسیل ابراہیم نخعی کا ہے۔

مالکیہ کی دلیل: فرماتے ہیں کہ دونوں قسم کی حدیثیں ہیں لہٰذا تطبیق کی یہی صورت ہے کہ اگر سہو کا منشاء نقصان ہو تو پھر قبل السلام اور اگر زیادتی ہے تو پھر بعد السلام ہے لیکن حدیث مغیرہ بن شعبہ سے یہ تطبیق ختم ہو جاتی ہے کیونکہ اس میں سبب نقصان ہے لیکن اس کے باوجود سجدہ سہو بعد السلام کیا۔

چوتھی بات: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ احناف فرماتے ہیں کہ اگر چوتھی رکعت کا قعدہ کیا ہے پھر پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے یاد آجائے تو لوٹ آئے اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر چکا تو پھر ایک رکعت اور ملالے، فرض بھی صحیح ہو جائیں گے اور نفل ہو جائیں گے اور اگر آخری قعدہ نہ کیا لیکن پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے لوٹ آیا تو سجدہ سہو کرنے سے نماز صحیح ہو جائے گی اور اگر سجدہ کر لیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ شوافع حضرات کے ہاں آخری قعدہ کیا یا نہ کیا دونوں صورتوں میں نماز صحیح ہو جائے گی۔ ان کا مستدل یہی حدیث ہے یعنی حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ سہو کیا، اس میں تعمیم ہے۔

جواب: احناف کے ہاں یہ مقید ہے اس صورت کے ساتھ کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری قعدہ کیا ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّشَهُّدِ فِي سَجْدَتَيِ السَّهْوِ سجدۂ سہو میں تشہد پڑھنا

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِهِمْ فَسَهَا فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ تَشَهَّدَ ثُمَّ سَلَّمَ.

ترجمہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اور سہو کیا اور دو سجدے کیے اور پھر تشہد پڑھا پھر سلام پھیرا۔

تشریح **قول اوّل:** احناف کے ہاں مطلقاً سجدہ سہو کے بعد تشہد ہے۔

قول ثانی: شوافع کے ہاں مطلقاً سجدہ سہو کے بعد تشہد نہیں ہے۔

قول ثالث: امام احمد اسحاق بن راہویہ کے ہاں اگر سجدہ سہو قبل السلام ہو تو تشہد نہیں ورنہ تشہد ہے۔

احناف کی دلیل: حدیث عمران بن حصین رضی اللہ عنہ "الذی اخرجه الترمذی فی الباب، ان النبی صلی اللہ علیه وسلم صلی بهم سفها فسجد سجدتین ثم تشهد ثم سلم"

شوافع کی دلیل: وہ احادیث متعلقہ بسجدۃ السہو جن میں تشہد کا ذکر نہیں۔

جواب (۱): وہ احادیث جن میں تشہد کا ذکر ہے یہ تشہد کے حق میں ناطق ہیں اور جن میں تشہد کا ذکر نہیں وہ ساکت ہیں۔ لہٰذا ناطق کو ساکت پر ترجیح ہوگی۔

جواب (۲): عدم ذکر سے عدم وجود لازم نہیں آتا۔ حنابلہ، اسحاق بن راہویہ نے تطبیق دی ہے کہ اگر قبل السلام سجدہ سہو ہے تو پھر تشہد نہیں، اور اگر سجدہ سہو بعد السلام ہے تو پھر تشہد ہے۔

بَابُ فِيمَنْ يَشُكُّ فِي الزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ جسے کمی یا زیادتی میں شک ہو اس کے متعلق

عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عِيَاضِ بْنِ هِلَالٍ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي سَعِيدٍ أَحَدُنَا يُصَلِّي فَلَا يَدْرِي كَيْفَ صَلَّى فَقَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلَمْ يَدْرِ كَيْفَ صَلَّى فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ.

ترجمہ حضرت یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں عیاض بن ہلال سے کہا عیاض نے کہا میں نے ابی سعید سے کہ ہم میں کوئی نماز پڑھتا ہے اور نہیں جانتا کہ کتنی پڑھی تو کہا ابی سعید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب پڑھے کوئی تم میں کا نماز اور نہ جانے کہ کتنی پڑھی تو دو سجدے کرے بیٹھ کر۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْتِي أَحَدَكُمْ فِي صَلَاتِهِ

فَيَلْبِسُ عَلَيْهِ حَتَّى لَا يَدْرِيَ كَمْ صَلَّى فَإِذَا وَجَدَ ذَلِكَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک شیطان آتا ہے تم میں سے ایک کے پاس نماز میں اور شبہ ڈالتا ہے اس پر یہاں تک کہ وہ جانتا نہیں کہ کتنی پڑھی سو جب پائے تم میں سے تو چاہیے دو سجدے کرے بیٹھے ہوئے۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا سَهَا أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلَمْ يَدْرِ وَاحِدَةً صَلَّى أَوْ ثِنْتَيْنِ فَلْيَبْنِ عَلَى وَاحِدَةٍ فَإِنْ لَمْ يَدْرِ ثِنْتَيْنِ صَلَّى أَوْ ثَلَاثًا فَلْيَبْنِ عَلَى ثِنْتَيْنِ فَإِنْ لَمْ يَدْرِ ثَلَاثًا صَلَّى أَوْ أَرْبَعًا فَلْيَبْنِ عَلَى ثَلَاثٍ وَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ.

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن عوف سے روایت ہے کہ سنا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرماتے تھے جب بھول جائے کوئی شخص نماز میں اور نہ جانے کہ دو پڑھیں یا ایک یعنی رکعتیں تو ایک قرار دے اور اگر نہ جانے کہ دو پڑھیں یا تین تو دو قرار دے اور اگر نہ جانے کہ تین پڑھیں یا چار تو تین قرار دے اور جو باقی ہو سو پڑھ کر آخر میں دو سجدے کرے قبل سلام کے۔

تشریح: مسئلہ، نمازی کو نماز کے اندر شک ہو جائے کہ دو رکعتیں پڑھی ہیں یا تین رکعتیں تو پھر کیا کرے۔ احناف کے نزدیک اس میں تفصیل ہے۔ اگر پہلی مرتبہ شک لاحق ہوا ہے تو پھر از سر نو نماز پڑھے اور اگر عادت ہو تو پھر اصل حکم یہ ہے کہ تحری کرے، پھر جس حالت پر غلبہ ظن ہو جائے اس پر عمل کرے، اور اگر کسی حالت پر تحری نہ ہو تو پھر بناء علی الاقل کرے، اگر دو اور تین میں تردد ہو تو پھر دو اور اگر تین اور چار میں تردد ہو تو پھر تین پر عمل کرے، دیگر آئمہ "علی الاطلاق بناء علی الاقل" کے قائل ہیں۔

احناف کی دلیل اوّل: احادیث تین قسم پر ہیں: (۱) احادیث استیناف ان میں سے من جملہ اثر ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی ہے اور فتویٰ ابن عمر کہ جب کسی شخص کو شک ہو جائے تو فلیعد صلوتہ، اور عمل ابن عمر یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل بھی یہی ہے کہ جب تردد ہو جائے تو میں اعادہ کرتا ہوں۔ چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں اثر بھی اور عمل بھی منقول ہے اور غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے مرفوع کے حکم میں ہے۔

دلیل ثانی: احادیث تحری حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ امام ترمذی نے وفی الباب کے تحت اشارہ کیا ہے اور امام ابوداؤد نے تخریج کی، "فلیحرّ الصواب"

دلیل ثالث: احادیث بناء علی الاقل کہ جن میں سے حدیث عبدالرحمن بن عوف "الذی اخرجه الترمذی" کہ جب ایک یا دو رکعت میں تردد ہو تو ایک پر بناء کرے اور اگر ایک دو تین میں ہو تو پھر دو پر بناء کرے اور اگر تین چار میں ہو تو تین پر بناء کرے۔ پس بہت مناسب ہے کہ تینوں قسم کی احادیث پر مختلف احوال کے اعتبار سے عمل ہو، اگر پہلی مرتبہ شک ہو تو پھر اعادہ کرے الیٰ آخرہ۔

دیگر آئمہ کا مستدل: احادیث بناء علی الاقل۔

جواب: صرف ان پر عمل کرنے سے باقی احادیث متروک ہوجائے گی۔ ''حدثنا قتیبه'' اس حدیث میں نہ استیناف کا ذکر ہے اور نہ ہی بناء علی الاقل، اس لیے عام آئمہ کے نزدیک یہ مجمل ہے اور محمول ہے مفصل پر چنانچہ مسلم میں تفصیل ہے کہ بناء علی الاقل کرے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُسَلِّمُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَالعَصْرِ

جو شخص ظہر یا عصر کی نماز میں دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ مِنَ اثْنَتَيْنِ فَقَالَ لَهُ ذُو الْيَدَيْنِ أَقُصِرَتِ الصَّلَاةُ أَمْ نَسِيتَ يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَدَقَ ذُو الْيَدَيْنِ فَقَالَ النَّاسُ نَعَمْ فَقَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى اثْنَتَيْنِ أُخْرَيَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ كَبَّرَ فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ ثُمَّ كَبَّرَ فَرَفَعَ ثُمَّ سَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ.

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے دو رکعت پڑھ کر سو کہا ان سے ذوالیدین نے کیا کم کی گئی نماز یعنی بحکم خدا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھول گئے یارسول اللہ!؟ سو پوچھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا سچ کہا ہے ذوالیدین نے؟ سو عرض کیا لوگوں نے ہاں! یعنی نماز کم ہوئی سو کھڑے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پڑھیں دو رکعتیں پچھلی اور پھر سلام پھیرا، تکبیر کہی اور پھر سجدہ کیا مانند پہلے سجدوں کے یا اس سے لمبا پھر تکبیر کہی اور سر اُٹھایا پھر سجدہ کیا پہلے سجدوں کے برابر یا اس سے لمبا۔

تشریح پہلی بات: معرکۃ الاراء اختلافی مسئلہ

اس میں حدیث ذوالیدین ہے اور یہ مسئلہ کلام فی الصلوٰۃ ہے اس میں اختلاف ہے۔

مذہب اوّل: عند ابی حنیفہ کلام مطلقاً مبطل صلوٰۃ ہے ناسیاً ہو یا عمداً قلیل ہو یا کثیر، ''ابراھیم وھی و روایه عن احمد شرح مهذب، ج:۴، ص:۸۵، مغنی، ج:۱، ص:۷۰۶''

مذہب ثانی: عند الشافعی کلام ناسیاً مبطل صلوٰۃ نہیں ہے نووی نے یہ قید لگائی ہے کہ کلام طویل نہ ہو ''وقال ھو مذھب مالک و اوزاعی و احمد فی روایة''

مذہب ثالث: عند الاوزاعی کلام قلیل لاصلاح الصلوٰۃ غیر مفسد ہے اور اس کے علاوہ کلام مفسد صلوٰۃ ہے۔ عینی، ج:۲، ص:۴۶۰ پر ہے وھو قول مالک۔

احناف کی دلیل اوّل: حدیث زید بن ارقم مابعد میں لائیں گے (باب فی نسخ الکلام فی الصلوٰۃ) کہ زید بن ارقم فرماتے

ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کلام کرتے تھے نماز کے اندر، پھر "قوموا للہ قانتین" آیت نازل ہوئی اس کے بعد ہم کو منع کر دیا گیا۔ "فامرنا بالسکوت ونھینا عن الکلام" اب یہاں پر کلام سے مطلق کلام ہے جو تمام صورتوں کو شامل ہے۔ مثلاً عامداً ہو یا ناسیاً قلیل ہو کثیر ہو۔ الخ

دلیل ثانی: حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ وفی الباب حدیث "رجوع عن الحبشہ" کہ ہم حبشہ کی طرف ہجرت سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیتے لیکن ہجرت حبشہ کے بعد ہم نے سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہ دیا، ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ ہم میں اگلے پچھلے خیالات پیدا ہوئے کہ کیا ناراضگی ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہونے بعد فرمایا "ان اللّٰہ یحدث من امرہ من یشاء وان مما احدث الا ان لاتکلموا فی الصلوٰۃ ان فی الصلوٰۃ لشغلا" یہ بھی عام ہے کہ مطلقاً کلام ممنوع ہے یعنی ہر قسم کے کلام کو شامل ہے۔

دلیل ثالث: حدیث معاویہ بن حکم سلمی "الذی اخرجہ ابو داؤد مفصلا" حضرت معاویہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، ایک آدمی کو چھینک آئی، میں نے کہا یرحمک اللہ لوگ میری طرف گھورنے لگے۔ بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "ان ھذہ الصّلوٰۃ لا یصلح فیھا شیء من الکلام النّاس" اور بعض روایتوں میں "لایحلّ" ہے اور نکرہ تحت النفی عموم کا فائدہ دیتا ہے۔

دلیل رابع: احادیث "تسبیح للرّجال و تصفیق للنّسآء" یہ ضابطہ مقرر کرنے کی اس لیے ضرورت پیش آئی کہ کلام الناس کی اجازت نہیں، اگر کلام الناس مباح ہوتی تو پھر یہ ضابطہ مقرر کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

دلیل خامس: بدائع ج:۱ ص ۲۳۳ میں ہے کہ نماز کے اندر اگر حدث درپیش ہو جائے تو حدیث میں ہے کہ وضو کر کے بناء علی الصلوٰۃ کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ کلام نہ کیا ہو۔ الفاظ حدیث یہ ہیں "و الیبنی علی صلوتہ مالم یتکلم" معلوم ہوا کہ کلام مطلقاً مبطل صلوٰۃ ہے مخالفین نے چند اعتراضات کیے ہیں۔

اعتراض اوّل: احناف کے نزدیک نسیاناً اکل وشرب مفسد صوم نہیں ہے تو وہاں پر نسیان معاف ہے صلوٰۃ میں معاف کیوں نہیں؟

جواب اوّل: وہاں پر حدیث صریح موجود ہے کہ نسیاناً اکل وشرب مفسد صوم نہیں ہے "قال انما ھو الطعام اطعمہ اللّٰہ" اور نماز میں حدیث صریح موجود نہیں ہے۔

جواب ثانی: حالت صوم مذکر صوم نہیں ہے۔ نیز وہ عبارت طویلہ ہے۔ لہٰذا اس میں نسیان صاف ہونا چاہیے اور حالت اس لیے مذکر نہیں کہ حالت صوم وغیر صوم میں بظاہر کوئی فرق نہیں ہے بخلاف الصلوٰۃ کہ یہ عبارت مختصرہ ہے، نیز اس کی حالت بھی مذکر صلوٰۃ ہے "من وجود الطھارۃ واستقبال القبلہ والطھارۃ للمکان ووضع الیمین علی الشمال والقرأۃ وغیر ذلک" اور ان کے ہوتے ہوئے نسیان بعید ہے لہٰذا نسیان معاف نہیں ہے۔

اعتراض ثانی: نسیان معاف ہونا چاہیے اس لیے کہ "رفع عن أمتی الخطا والنسیان" یہ رفع احکام آخرت میں ہے نہ دُنیا میں۔

اعتراض ثالث: پھر الحمد للہ کہنا کیوں مفسد نہیں ہے؟

جواب: یہ من وجہ کلام اللہ اور من وجہ کلام الناس، لہٰذا اگر مقصود ذکر اللہ ہو تو یہ مفسد و مبطل نہیں ہے اور اگر جواب عاطس مقصود ہو تو مبطل ہے۔

دیگر آئمہ کی دلیل: حدیث ذوالیدین، حدیث میں موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ذوالیدین نے بھی اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی کلام کی لیکن پھر بھی اسی نماز پر بناء ہوئی۔ شوافع کہتے ہیں کہ کلام نسیاناً ہوئی خارج عن الصلوٰۃ ہوئی۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اصلاح صلوٰۃ کی غرض سے ہوئی۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ امام کے حق میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام کرنا دلیل ہے کہ یہ مفسد صلوٰۃ نہیں اور باقی مقتدیوں کو ذوالیدین پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ ذوالیدین کی خصوصیت ہے اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو کمی بیشی کا احتمال تھا اب تو نہیں ہے۔

جواب اوّل: حدیث ذوالیدین اس زمانہ کا واقعہ ہے جب تک کلام فی الصلوٰۃ مباح تھی، بعد میں منسوخ ہوگئی اور مطلقاً منسوخ ہوگئی۔

سوال: اس پر کیا دلیل ہے کہ یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے جب کلام فی الصلوٰۃ مباح تھی۔ جواب: اس میں چند قرائن ہیں۔

قرینہ (۱): اس واقعہ میں حضرت عمر بھی موجود ہیں، مشکوٰۃ میں اس کی تصریح ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں اس قسم کا واقعہ پیش آیا تو انہوں نے ازسرنو نماز پڑھائی، اُسی پر بناء نہیں کی جبکہ خود ذوالیدین والے واقعہ میں شریک ہیں تو ان کا ازسرنو نماز پڑھنا دلیل ہے کہ یہ واقعہ قبل النسخ تھا۔

قرینہ (۲): حدیث زید بن ارقم کہ پہلے کلام مباح تھی تو آیت "قوموا للہ قانتین" سے نسخ ہوا اور یہ انصار صحابہ میں سے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کلام مدینہ میں بھی مباح تھی تو نسخ مدینہ میں ہوا تو اس سے معلوم ہوا کہ نسخ الکلام مدینہ میں ہوا۔ لہٰذا یہ کہنا صحیح ہے کہ واقع ذوالیدین پہلے کا ہے اور نسخ بعد کا ہے۔

سوال: شوافع کہتے ہیں کہ معاملہ برعکس ہے کلام فی الصلوٰۃ کا نسخ پہلے ہوا اور واقعہ ذوالیدین بعد کا ہے۔ لہٰذا جتنی مقدار کلام ہوئی اتنی مقدار نسخ کے تحت داخل نہیں اور مالکیہ کہتے ہیں کہ جتنی مقدار اصلاح صلوٰۃ کے لیے ہوئی تھی اتنی مقدار منسوخ ہونے سے مستثنیٰ ہوگی اور اسی طرح حنابلہ رحمہ اللہ کہیں گے امام کی کلام منسوخ سے مستثنیٰ ہے۔

شوافع وغیرہ کہتے ہیں کہ حدیث ذوالیدین نسخ کلام سے متاخر ہے۔ لہٰذا کلام ناسیاً یا اصلاح صلوٰۃ منسوخ نہیں ہے۔ عندالاحناف یہ حدیث نسخ کلام سے مقدم ہے۔ لہٰذا یہ منسوخ ہے اس لیے اس سے استدلال درست نہیں ہے یہ مستقل بحث ہے کہ نسخ کلام کب ہوا ہے۔

دوسری بات: نسخ کلام میں دو تین قول ہیں:

قول اوّل: عندالاحناف نسخ کلام مدینہ منورہ میں ہوا ہے قبل واقعہ حدیث ذوالیدین کیونکہ زید بن ارقم کی روایت ہے کہ ہم کلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز میں کرتے تھے "حتی نزلت قوموا اللہ قانتین فامرنا بالسکوت و نهینا عن الکلام" عندالجمہور یہ آیت مدنی ہے اور اسی سے کلام فی الصلوٰۃ منسوخ ہوا اور حضرت زید انصاری رضی اللہ عنہ ہیں اور وہ خود کہتے ہیں "کنا نتکلم خلف رسول اللہ ﷺ" معلوم ہوا کہ کلام مدینہ میں منسوخ ہوا ہے اور اس آیت کا نزول واقعہ ذوالیدین سے مؤخر ہے۔

قول ثانی: امام شافعی اور ابن حبان لکھتے ہیں کہ نسخ کلام مکہ مکرمہ میں ہوا تھا اور یہی رائے ہے امام طبری کی ابن حبان لکھتے ہیں کہ ہجرت سے تین سال قبل کلام فی الصلوٰۃ منسوخ ہوئی۔ وہ استدلال کرتے ہیں حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم حبشہ سے ہجرت سے جب واپس ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہیں دیا، پھر بعد السلام فرمایا کہ کلام منسوخ ہو گیا ہے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا "وقوع من الحبشة" مکہ میں ہوا تھا لیکن احناف کہتے ہیں کہ اس پر وارد ہوتا ہے "قوله تعالیٰ قوموا اللہ قانتین" کیونکہ یہ آیت ناسخ کلام ہے اور یہ مدنی ہے بالاتفاق ابن حجر نے بھی یہی اعتراض کیا ہے اور فرمایا کہ یہ آیت بالاتفاق مدنی ہے۔ خطابی وغیرہ نے بھی اعتراض کیا ہے اور حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد "رجوع ثانی من الحبشه" ہے اور وہ مدینہ میں ہوا نہ کہ مکہ میں اور یہ رجوع ثانی بدر سے پہلے تھا اور اس کے بعد واقعہ ذوالیدین ہوا اور اس کے بعد آیت "قوموا اللہ قانتین" نازل ہوئی۔

روایات میں ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب اولاً ہجرت الی الحبشہ کی تو کچھ مدت کے بعد پتہ چلا کہ اہل مکہ تمام مسلمان ہو گئے ہیں۔ چنانچہ یہ مکہ واپس آئے اور وہ بات غلط تھی اور یہ دوبارہ مکہ سے واپس حبشہ چلے گئے اور بعض کو اہل مکہ نے گرفتار کر لیا۔ پھر جب دوبارہ واپس ہوئے تو مدینہ آئے بعد الہجرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے پہلے۔ مستدرک حاکم میں ہے "وفیه معجل ابن مسعود رضی اللہ عنه فشهد بدراً" بلکہ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ صرف ہجرت ثانیہ الی الحبشہ میں شریک تھے وہ ہجرت اولیٰ میں شریک نہ تھے واختارہ الخطابی روایت ہے۔ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ جب میرے سلام کا جواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ دیا تو سلام پھیرنے کے بعد فرمایا "ان اللہ قد احدث ان لا تکلم فی الصلوٰۃ الا بذکر اللہ" کلام منع ہے "فینبغی لکم قوموا اللہ قانتین" اس حدیث میں آیت "قوموا" کا ذکر ہمارے دعوے کی صریح مؤید ہے کہ نسخ مدینہ میں ہوا۔

سوال: بیہقی میں ہے "کتاب المعرفة عن الشافعی فی حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنه انه مر علی النبی صلی اللہ علیه وسلّم فی المکة وفیه فوجدته یصلی فی فناء الکعبة" کہ لفظ اس بات میں صریح ہے کہ نسخ بیت اللہ میں ہوا اور یہ رجوع بھی مکہ میں تھا۔ معلوم ہوا رجوع اوّل مراد ہے۔

جواب: یہ زیادتی فی فناء کعبۃ غیر شافعی کسی کی درایت میں نہیں ہے اور امام شافعی نے اس کی سند ذکر نہیں فرمائی، لہٰذا اس کا اعتبار نہیں۔ (فتح الملہم ص: ۱۲۸، امام الکلام ص: ۱۳۰)

قول ثالث: محققین شوافع وغیرہ کہتے ہیں کہ نسخ کلام مکہ میں ہوا لیکن واقعہ ذوالیدین سے قبل اور وہ کہتے ہیں کہ واقعہ ذوالیدین بدر کے بعد کا واقعہ ہے اور نسخ کلام بدر سے قبل ہوا لیکن احناف کہتے ہیں کہ واقعہ ذوالیدین بدر سے مقدم ہے۔

تیسری بات: یہ دوسرا اختلاف ہے کہ عندنا واقعہ ذوالیدین بدر سے مقدم ہے وعندہم مؤخر ہے۔ مخالفین کہتے ہیں کہ نسخ کلام بدر سے قبل ہوا۔ لحدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ فی رجوع الثانی اور وہ بدر کے وقت آئے اور واقعہ ذوالیدین بدر کے بعد ہے اور بعد نسخ کلام ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ کلام ناسیا کما قال الشافعی یا لاصلاح الصلوٰۃ کما قال مالک واوزاعی منسوخ نہیں ہے اور نہ وہ مبطل صلوٰۃ ہے۔

مخالفین کی دلیل کے بقیہ جوابات

جواب ثانی: یہ متضاد ہے آیت "قوموا اللہ قانتین" سے اور آیت سے مطلق کلام کی مسنونیت ثابت ہوتی اور آیت کو ترجیح ہے اور یہ حدیث خبر واحد ہے اور خبر واحد سے تقیید آیت فی حکم نسخ عندنا اور نسخ قرآن بخبر واحد جائز نہیں ہے۔

جواب ثالث: ہماری دلیلیں کثیر ہیں ان کو ترجیح ہے۔

جواب رابع: احتیاط بھی ہماری مؤید ہے۔

جواب خامس: ہماری احادیث محرم اور آپ کی مبیح اور عند التعارض محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔

جواب سادس: یہ حدیث تمہارے نزدیک بھی من کل الوجوہ قابل استدلال نہیں ہے کیونکہ اس میں حرکات ومشی کثیر فی الصلوٰۃ ہے جو بالاتفاق ممنوع ہے کیونکہ بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرے میں چلے گئے تھے ذوالیدین پیچھے گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس آئے اور نماز پڑھائی۔

جواب سابع: یہ حدیث قابل استدلال نہیں ہے ہماری دلیلوں کے مقابلے میں کیونکہ یہ حدیث اگرچہ صحیحین میں موجود ہے لیکن اس میں اضطراب ہے۔

اضطراب اوّل: مثلاً بعض اختلافات (۱) صیغ تعبیر میں اختلاف یعنی بعض روایتوں میں "صلّی لنا" بعض میں "صلّی بنا" بعض "بینما انا اصلّی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم" ہے۔

اضطراب ثانی: یہ کون سی نماز میں واقعہ پیش آیا۔ بعض روایتوں میں جزماً ظہر کا ذکر ہے اور بعض میں جزماً عصر کا ذکر ہے اور بعض میں تردد ہے کہ ایک ہی نماز میں واقعہ پیش آیا۔

اضطراب ثالث: اس واقعہ میں کتنی رکعتوں کے بعد سلام پھیرا، اکثر روایتوں میں ہے دو رکعت کے بعد اور بعض میں ہے تین کے بعد۔

اضطراب رابع: کہ سلام پھیرنے کے بعد محل وقوف میں بھی اختلاف ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ خشبہ معروفہ کے ساتھ ٹیک

لگا کر کھڑے ہو گئے اور بعض روایتوں میں ہے کہ حجرہ شریفہ میں تشریف لے گئے۔ خصوصاً حجرہ والی روایتوں کے مطابق انحراف عن القبلہ پایا گیا کیونکہ حجرہ شریف مشرقی جانب ہے اور قبلہ جنوب کی جانب ہے، انحرافِ قبلہ کے ہوتے ہوئے پہلی نماز پر بناء کیسے ہوئی؟

اضطراب خامس: بعض روایتوں میں سجدہ سہو کا ذکر ہے اور بعض میں سکوت ہے اور بعض میں نفی ہے۔

جواب ثامن: حدیث ذوالیدین فعلی روایت ہے اور نہی عن الکلام فی الصلوٰۃ قولی ہے اور ایسے ہی حدیث زید بن ارقم وغیرہ۔

جواب تاسع: حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حدیث ذوالیدین میں کلام کرنا اور اس کلام کا مفسد صلوٰۃ نہ ہونا یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے، اپنے آپ کو اس پر قیاس نہ کیا جائے۔

دلیل ثانی: حدیث ذوالیدین کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس واقعہ میں شریک ہیں، باقی اس پر دلیل ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس واقعہ میں شریک ہیں۔ مسلم میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "صلّی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم" اب بنا کہنا (کہیں بنا ہے اور کسی روایت میں لنا ہے)۔ دلیل ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی اس واقعہ میں شریک ہیں اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے۔ سنہ ۷ ہجری میں اور یہ واقعہ ان کے بعد کا ہے۔ یہ بات تو ظاہر ہے کہ کلام فی الصلوٰۃ اتنا مؤخر نہیں ہوا، معلوم ہوا کہ نسخ پہلے تھا اور واقعہ بعد کا ہے۔

جواب: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اس واقعہ میں شریک ہونا مسلّم نہیں اور باقی رہا "صلّی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ اس واقعہ میں شریک ہونے کے متعلق صحیح نہیں بلکہ محتمل ہے اور یہ احتمال ہے کہ "صلّی بِنا ای صلِّ معشر المسلمین" اب معنی یہ ہوگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی جماعت کو نماز پڑھائی، خود شرکت پر یہ لفظ دال نہیں۔

سوال: شوافع کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ایسی دلیل بھی ہے جو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے شریک ہونے میں بالکل صریح ہے۔ مسلم کی روایت میں ہے "بینهما انا اصلّ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم" یہ تو نص صریح ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ شریک ہیں۔

جواب: بیشک یہ صریح تو ہے لیکن صحیح نہیں اور دلیل ایسی ہونی چاہیے جو صریح بھی ہو اور صحیح بھی ہو، اس لیے کہ اس میں احتمال ہے کہ یہ روایت بالمعنی کے قبیل سے ہو۔ چنانچہ امام مسلم نے اس واقعہ ذوالیدین کو پانچ طریق سے نقل کیا ہے اور پانچوں طریق میں یحییٰ نامی نے "صلّی بِنا" کو "بینما انا اصلّی" کے ساتھ تعبیر کر دیا۔ چنانچہ یحییٰ نے یہ سمجھا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ شریک تھے۔ نیز ان الفاظ کا منشاء اشتباہ ہے کہ اصل میں یہ الفاظ "بینما انا اصلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم" معاویہ بن حکم سلمی کی روایت میں اور یحییٰ راوی اس حدیث کے راوی بھی ہیں، یہ اُس میں تھے یعنی معاویہ بن حکم سلمی کی روایت میں تو یحییٰ کو اشتباہ ہوا کہ جس طرح معاویہ بن حکم سلمیٰ والی روایت میں ہیں۔ اسی طرح واقعہ ذوالیدین میں بھی ہیں۔ اس وجہ سے ان کو نقل کر دیا واقعہ ذوالیدین میں۔

نیز یہ ہے کہ ذوالیدین شہید ہو چکے ہیں غزوہ بدر میں۔ پس لامحالہ یہ واقعہ سنہ ۲ ہجری کا یا اس سے پہلے کا ہے اور حضرت

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے۔ سنہ ۷ ہجری میں اور واقعہ پانچ برس پہلے وجود میں آیا، پانچ برس بعد میں مشرف باسلام ہونے والے صحابی کیسے شریک ہوسکتے ہیں؟

لیکن احناف کہتے ہیں کہ یہ قصہ مراسیل صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہے یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ شریک قصہ نہ تھے اور یہ قصہ بدر سے مقدم ہے کیونکہ ذوالیدین بدر میں شہید ہوئے تھے۔ مخالفین کہتے ہیں کہ بدر میں ذوالشمالین شہید ہوئے نہ ذوالیدین اور ذوالیدین تو مدت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی زندہ رہے لیکن احناف کا قول کہ یہ مراسیل صحابہ میں سے ہیں اور ذوالیدین بدر میں شہید ہوئے یہ اقویٰ ہے کیونکہ عندنا ذوالیدین و ذوالشمالین ایک ہیں، اس کی کئی وجوہ ہیں۔

وجہ اوّل: ابن عمر رضی اللہ عنہ نے تصریح کی ہے کمافی الطحاوی کہ اسلام ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بعد قتل ذوالیدین ہے ورجال السند ثقات۔

وجہ ثانی: ذوالیدین و ذوالشمالین ایک ہیں "بما روی الزهری حدیث ابی هریره رضی الله عنه وفیه ذکر ذوالشمالین مکان ذو الیدین" چنانچہ نسائی ج:۱ ص:۱۳۸ مسند احمد ج:۲ ص:۲۸۴، دارمی، ج:۱، ص:۱۵۵، طحاوی، ص:۲۵۸ میں یہ روایت یوں ہے "وفیه قال ذو الیدین اقصرت الصلوٰة ام نسیت یا رسول الله صلی الله علیه وسلّم فقال رسول الله اصدق ذو الشمالین فقالوا نعم" اس سے معلوم ہوا کہ دونوں ایک صحابی کے نام ہیں۔ ایک روایت طبرانی میں ہے "عن ابن عباس رضی الله عنهما صلّی رسول الله ثلاثا فقال له ذو الشمالین انقصت الصلوٰة یا رسول الله صلی الله علیه وسلّم قال کذلک یا ذو الیدین قال نعم"

وجہ رابع: طبقات ابن سعد میں ہے: "ذو الیدین یقال له ذو الشمالین اسمه عمر بن نضله من خزاعة" (ج:۳ ص:۱۶)

وجہ خامس: ابن حبان نے کتاب ثقات میں لکھا ہے کہ "ذو الیدین یقال ذو الشمالین له ایضًا ابن عبد عمر بن نضله خزاعی"

وجہ سادس: ابو محمد خزاعی فرماتے ہیں کہ "ذو الیدین احدا جدادنا وهو ذو الشمالین" (آثار السنن ج:۱، ص:۱۴۳)

وجہ سابع: مبرد عظیم نحوی ولغوی کتاب کامل المبرد ج:۲، ص:۳۰۸ پر لکھتے ہیں "ذو الیدین هو ذو الشمالین وکان یسمی بهما جمیعًا" ثابت ہوا کہ یہ دونوں ایک صحابی کے نام ہیں۔ یعنی صغریٰ ثابت ہوا۔ صغریٰ یہ ہے "ذو الیدین هو ذو الشمالین" اور کبریٰ یہ ہے "ذو الشمالین قتل ببدر بالاتفاق ینتج ذو الیدین قتل ببدر" اور ثابت ہوا کہ یہ قصہ بدر سے مقدم ہے اور یہ مراسیل ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہے۔

وجہ ثامن: زہری اعلم الناس بالمغازی ہے انہوں نے تصریح کی ہے "ان قصة ذو الیدین کانت قبل البدر"

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ فِي النِّعَالِ جوتیاں پہن کر نماز پڑھنا

عَنْ سَعِيدِ بْنِ يَزِيدَ أَبِي مَسْلَمَةَ قَالَ قُلْتُ لِأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي نَعْلَيْهِ قَالَ نَعَمْ.

ترجمہ حضرت سعید بن یزید سے روایت ہے کہ کنیت ان کی ابی سلمہ ہے کہ پوچھا میں نے انس بن مالک سے کیا نماز پڑھتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جوتیاں پہن کر؟ تو کہا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہاں۔

تشریح اس باب کو قائم کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ قرآن کی آیت ''فاخلع نعلیک'' سے معلوم ہوتا ہے کہ مواقع مقدسہ میں نعلین پہننا مناسب نہیں، اس سے شبہ ہوا کہ شاید نعلین کی حالت میں نماز بھی جائز نہ ہو، اس لیے محدثین یہ باب قائم کرتے ہیں، مراد ہوائی چپل ہے جن میں پاؤں کی انگلیاں قبلہ رُخ رہ سکتی ہوں۔ بشرطیکہ ناپاک نہ ہوں تو بالاجماع جائز ہے باقی اس زمانہ میں نہ پڑھی جائے کیونکہ ہمارا عرف اس کے خلاف ہے چونکہ عرف میں اس کو بے ادبی سمجھا جاتا ہے اور عرف بدلنے سے احکام بھی بدل جاتے ہیں۔ خصوصاً اس زمانہ میں یہ عیسائیوں کا شعار ہے۔ باقی ''فاخلع نعلیک'' یہ صرف موسیٰ علیہ السلام کو حکم تھا، شاید اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ ان کے نعلین غیر مدبوغ تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقُنُوتِ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ فجر نماز میں دُعائے قنوت پڑھنا

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْنُتُ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ وَالْمَغْرِبِ،

ترجمہ حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قنوت پڑھتے تھے صبح میں اور مغرب میں۔

بَابُ فِي تَرْكِ الْقُنُوتِ ترکِ قنوت کے بیان میں

أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي يَا أَبَةِ إِنَّكَ قَدْ صَلَّيْتَ خَلْفَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ، وَعُثْمَانَ، وَعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ هَاهُنَا بِالْكُوفَةِ نَحْوًا مِنْ خَمْسِ سِنِينَ أَكَانُوا يَقْنُتُونَ، قَالَ أَيْ بُنَيَّ مُحْدَثٌ.

ترجمہ حضرت احمد بن منیع سے روایت ہے کہ خبر دی ہم کو یزید بن ہارون نے کہ مالک اشجعی نے کہا اپنے باپ سے اے میرے باپ! تم نے تو نماز پڑھی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر اور عمر اور عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کے پیچھے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تو یہیں کوفہ میں قریب پانچ برس کے۔ کیا یہ لوگ قنوت پڑھتے تھے؟ کہا ان کے باپ نے اے میرے بیٹے یہ نئی بات نکلی ہوئی ہے۔

تشریح تمہید: قنوت تین قسم پر ہے۔ (۱) قنوت فی الوتر، اس کو تو مابعد میں مستقلاً ذکر کریں گے۔ (۲) فی صلوٰۃ الفجر (۳) قنوت نازلہ، جو حوادثات کے وقت مصائب کے وقت پڑھی جاتی ہے یہ قنوت یعنی قنوت نازلہ یہ متفق علیہ ہے۔ باقی یہ کونسی نماز میں ہے۔ احناف کے ہاں راجح یہ ہے کہ فجر میں ہے اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ساری نمازوں میں پڑھی گئی لیکن

استقرار فجر پر ہوا، اس باب میں قنوت فی الفجر کو بیان کیا گیا ہے دائمی ہے یا نہیں۔

قول اوّل: احناف وحنابلہ کے نزدیک فجر میں قنوت دائماً نہیں ہے۔

قول ثانی: شوافع ومالکیہ کے نزدیک فجر کی نماز میں قنوت دائماً ہے باقی ان کا آپس میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ شوافع کہتے ہیں رکوع سے پہلے ہے اور مالکیہ کہتے ہیں رکوع کے بعد ہے۔

دلیل اوّل: امام ترمذی نے احناف کا مستدل دوسرے باب (باب فی ترک القنوت) میں ذکر کیا۔ حدیث ابو مالک اشجعی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ کو کہا یہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی، اسی طرح خلفاء راشدین کے پیچھے پڑھی ہے، باقی کوفہ کا تعلق صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے اس لیے کہ ان کا دار الخلافہ کوفہ تھا۔ "نحوًا من خمس سنین اکانو یقنتون قال ای بنی محدث" یعنی کوفہ میں پانچ برس پڑھتے رہے فجر میں اور کہا کہ اے میرے بیٹے کسی محدث سے بھی دوام ثابت نہیں یہ نئی چیز ہے۔

دلیل ثانی: حدیث ابن مسعود، ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لم یقنت الاَفی الصبح الا شھر أثمّ ترکہ"

دلیل ثالث: حدیث انس، "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یقنت اِلاَّ اذا دعا لقوم او دعا علیھم"

شوافع ومالکیہ کی دلیل اوّل:

پہلے باب میں حدیث براء ابن عازب "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقنت فی الفجر و المغرب"

جواب: یہ محمول ہے قنوت نازلہ پر، اس پر قرینہ والمغرب کا لفظ اور مغرب میں تو قنوت نازلہ دائمہ کا تو کوئی بھی قائل نہیں۔

دلیل ثانی: حدیث انس رضی اللہ عنہ "ما زال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقنت فی الصبح" یہ تو صریح ہے اور دائمہ ہونے میں ظاہر ہے کہ قنوت دائمہ تو قنوت نازلہ کے ماسواء ہے۔

جواب (۱): حدیث میں قنوت نازلہ ہی مراد ہے یعنی تاحیات جب بھی ضرورت پیش آئی تو قنوت نازلہ پڑھتے رہے، یہ مطلب نہیں کہ روزانہ پڑھتے رہے۔

جواب ۲: قنوت کے کئی معنی ہیں، اس کا ایک معنی قیام طویل بھی ہے۔ اب معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فجر کی نماز میں قیام طویل فرماتے۔ حدیث کا مدلول یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لمبی قرأت قیام کرتے تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَعْطِسُ فِي الصَّلَاةِ نماز میں چھینکنا

رِفَاعَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَطَسْتُ فَقُلْتُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ مُبَارَكًا عَلَيْهِ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضَى فَلَمَّا صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ فَقَالَ مَنِ الْمُتَكَلِّمُ فِي الصَّلَاةِ فَلَمْ يَتَكَلَّمْ أَحَدٌ ثُمَّ قَالَهَا الثَّانِيَةَ مَنِ الْمُتَكَلِّمُ فِي الصَّلَاةِ فَلَمْ يَتَكَلَّمْ أَحَدٌ ثُمَّ قَالَهَا الثَّالِثَةَ مَنِ الْمُتَكَلِّمُ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ رِفَاعَةُ بْنُ رَافِعِ ابْنُ عَفْرَاءَ أَنَا يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ كَيْفَ قُلْتَ قَالَ قُلْتُ الْحَمْدُ لِلَّهِ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ مُبَارَكًا عَلَيْهِ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضَى فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدِ ابْتَدَرَهَا بِضْعَةٌ وَثَلَاثُونَ مَلَكًا أَيُّهُمْ يَصْعَدُ بِهَا.

ترجمہ: حضرت رفاعہ بن رافع سے روایت ہے کہ نماز پڑھی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تو چھینک آئی مجھ کو سو کہا میں نے الحمد للہ سے یرضیٰ تک پڑھا اور معنی اس کے یہ ہیں: سب تعریف اللہ کے لیے ہے بہت پاکیزہ تعریف کہ برکت ہے اس کے اندر اور اوپر جیسے دوست رکھتا ہے ہمارا رب اور پسند کرتا ہے پھر جب نماز پڑھ چکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر کر بیٹھے اور پوچھا کون بات کرنے والا تھا نماز میں؟ پھر کوئی بھی نہ بولا پھر فرمایا دوبارہ کہ کون بات کرنے والا تھا نماز میں؟ پھر بھی کوئی نہ بولا پھر فرمایا سہ بار کون بات کرنے والا تھا نماز میں؟ تو کہا رفاعہ بن رافع بن عفراء نے میں تھا یا رسول اللہ! فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیونکر کہا تھا تم نے؟ میں نے کہا الحمد للہ سے آخر تک۔ سو فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم ہے اس کی کہ میری جان جس کے ہاتھ میں ہے کود پڑے اس پر تیس اوپر کئی فرشتے کہ کون چڑھ جاتا ہے اس اس کلمہ کو لے کر یعنی آسمان کی طرف۔

تشریح: سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم بار بار پوچھ رہے ہیں لیکن بول نہیں رہے، بظاہر بے ادبی ہے؟

جواب: اس خیال سے نہیں بولے کہ ہوسکتا ہے کہ شاید معافی ہو جائے، اکثر تابعین کے نزدیک یہ ہے کہ دل میں حمد کرے، اس کو محمول کیا نوافل پر، باقی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے دوران چھینکنے کے بعد الحمد للہ کہنے سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ "الحمد للہ حمدًا کثیرًا الخ" اس کلام کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعریف کی، "من حیث ھی ھی" نہ کہ اس حیثیت سے کہ یہ نماز کہے گئے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي نَسْخِ الْكَلَامِ فِي الصَّلَاةِ نماز میں کلام کا منسوخ ہونا

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ كُنَّا نَتَكَلَّمُ خَلْفَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ يُكَلِّمُ الرَّجُلُ مِنَّا صَاحِبَهُ إِلَى جَنْبِهِ حَتَّى نَزَلَتْ {وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ} [البقرة: 238] فَأُمِرْنَا بِالسُّكُوتِ، وَنُهِينَا عَنِ الْكَلَامِ.

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ باتیں کرتے تھے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز میں بولتا تھا آدمی اپنے ساتھی سے جو بازو پر ہوتا تھا یہاں تک کہ اتری یہ آیت: "وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ"

(البقرہ:۲۳۸) سوحکم ہوا ہم کو چپ رہنے کا اور منع ہوا بات کرنا۔

تشریح اس حدیث و باب کے متعلق بحث ما قبل کلام فی الصلوٰۃ کے ذیل میں تفصیل سے گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عِنْدَ التَّوْبَةِ توبہ کی نماز

عَنْ أَسْمَاءَ بْنِ الْحَكَمِ الْفَزَارِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُولُ إِنِّي كُنْتُ رَجُلًا إِذَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثًا نَفَعَنِي اللهُ مِنْهُ بِمَا شَاءَ أَنْ يَنْفَعَنِي بِهِ وَإِذَا حَدَّثَنِي رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهِ اسْتَحْلَفْتُهُ فَإِذَا حَلَفَ لِي صَدَّقْتُهُ وَإِنَّهُ حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرٍ وَصَدَقَ أَبُو بَكْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ رَجُلٍ يُذْنِبُ ذَنْبًا ثُمَّ يَقُومُ فَيَتَطَهَّرُ ثُمَّ يُصَلِّي ثُمَّ يَسْتَغْفِرُ اللهَ إِلَّا غَفَرَ اللهُ لَهُ ثُمَّ قَرَأَ هَذِهِ الْآيَةَ {وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ} [آل عمران: 135].

ترجمہ حضرت اسماء بن الحکم فزاری سے روایت ہے کہ سنا میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ فرماتے تھے جب سنتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث تو نفع دیتی تھی اللہ کے حکم سے مجھ کو جتنا وہ چاہتا تھا اور جب سنتا تھا میں کوئی حدیث کسی مرد صحابی سے تو قسم لیتا تھا میں اس سے پھر جب قسم کھاتا تھا وہ میں اس کو سچا جانتا تھا اور بیان کیا مجھ سے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور سچ کہا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے تھے کوئی آدمی نہیں کہ کچھ گناہ کرے پھر کھڑا ہو اور طہارت کرے پھر نماز پڑھے پھر مغفرت مانگے اللہ سے مگر بخش دیتا ہے اللہ اس کے گناہ کو پھر پڑھی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول کی تائید کے لیے یہ آیت: "وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً..." (آل عمران:۱۳۵) یعنی متقی وہ لوگ ہیں کہ جب ہو جاتی ہے ان سے کچھ بے حیائی یا ظلم کرتے ہیں اپنی جان پر تو یاد کرتے ہیں اللہ کو آخر آیت تک۔

تشریح توبہ اپنے گناہوں کے لیے ہوتی ہے اور استغفار میں تعمیم ہے، اپنے ہوں خواہ دوسرے کے ہوں، باقی قسم لینا توثیق کے لیے ہے سد آلباب الفساد نہ کہ خبر واحد کے ظنی ہونے کی وجہ سے۔ توبہ کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ گناہ اگر سرزد ہوا ہو اور اگر گناہ پر جب متنبہ ہو تو وضو کرے، دو رکعات نماز پڑھے، پھر گناہ سے توبہ کرے یہ ارجی للقبول ہے، توبہ کی چند شرائط ہیں۔ (۱) جو گناہ سرزد ہوا ہے اس پر ندامت ہو۔ (۲) آئندہ نہ کرنے کا عزم ہو۔

(۳) صدق دل سے گناہ کی معافی مانگے۔

(۴) اگر وہ مسئلہ حقوق العباد سے متعلق ہو تو پھر بندے سے وہ حقوق معاف کروائے جائیں۔

بَابُ مَا جَاءَ مَتَى يُؤْمَرُ الصَّبِيُّ بِالصَّلَاةِ بچے کونماز کا حکم کب دیا جائے

سَبْرَةَ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِّمُوا الصَّبِيَّ الصَّلَاةَ ابْنَ سَبْعِ سِنِينَ وَاضْرِبُوهُ عَلَيْهَا ابْنَ عَشْرَةٍ.

ترجمہ: حضرت سبرہ جہنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز سکھلاؤ لڑکوں کو جب سات برس کے ہوں اور ماروان کونماز کے لیے جب دس برس کے ہوں۔

تشریح: **پہلی بات:** مسئلہ یہ ہے کہ بچے پرنماز کب فرض ہوتی ہے۔(۱) امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور کے ہاں بچے پر نماز تب فرض ہوتی ہے جب وہ بالغ ہوجائے۔ بالغ تب ہوگا جب بلوغ کی علامات (احتلام احتبال) وغیرہ ظاہر ہوں لیکن اگر بلوغ کی علامتیں ظاہر نہ ہوں تو جمہور کے ہاں مدت بلوغ پندرہ سال ہے اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سترہ سال ہے۔

(۲) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ بچے پرنماز تب فرض ہوتی ہے۔ جب وہ دس سال کا ہوجائے، اگر دس سال کے بعد اس کی کوئی نماز رہ جائے تو اس پر قضاء واجب ہوگی۔ جمہور باب کی حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ احتیادی حکم ہے کہ بچہ عادی ہوجائے۔

دوسری بات: حدیث میں ہے کہ دس سال کا ہوجائے تو نماز نہ پڑھنے پر مارو۔ یہ ضرب تادیبی نہیں بلکہ ضرب تعزیری ہے۔ ضرب تعزیری کا مطلب یہ ہے کہ کوئی عضو نہ ٹوٹے اور جسم پر اثر نہ پڑے، اگر اس سے زیادہ مارا تو ضارب کو گناہ ہوگا۔ (مجمع البحرین، ص:۲۴۹)

تیسری بات: خلاصہ یہ ہے کہ بچہ جب سات سال کا ہوجائے تو اس کو نماز کا کہا جائے اور یہی حکم روزے کا ہے البتہ روزے میں موسم کا لحاظ کیا جائے۔ اگر تحمل ہے تو حکم دو ورنہ نہیں، جب دس سال کا ہوجائے تو اس کی پٹائی کی جائے۔ امام شافعی کے نزدیک تین تھپڑ ہلکے سے اور یہ پٹائی محض عادی بنانے کے لیے ہے کہ جب بالغ ہو تو کسی قسم کی مشقت نہ ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُحْدِثُ فِي التَّشَهُّدِ تشہد کے بعد اگر حدث ہوجائے

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَحْدَثَ يَعْنِي الرَّجُلَ وَقَدْ جَلَسَ فِي آخِرِ صَلَاتِهِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ فَقَدْ جَازَتْ صَلَاتُهُ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حدث لاحق ہوجائے کسی کو قبل سلام کے اور بیٹھ چکا اپنی نماز کے آخر میں یعنی قعدہ اخیر میں تو نماز اس کی جائز ہوگئی۔

تشریح: مسئلہ التحیات سے فراغت کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے اگر حدث لاحق ہوجائے تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟

قولِ اوّل: احناف کے ہاں اگر غیر اختیاری ہو تو وضو کر کے بناء کرے اور سلام پھیر دے، اگر اختیاری ہو تو نماز سے فارغ ہو گیا، نماز مکمل ہو گئی، اگرچہ گنہگار ہو گا۔

قولِ ثانی: امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب تشہد سے پہلے یا سلام پھیرنے سے پہلے بے وضو ہو جائے۔ عام ازیں کہ وہ حدث اختیاری ہو یا غیر اختیاری ہو، دونوں صورتوں میں اعادہ ہے نہ بنا ہے اور نہ نماز پوری ہوئی۔

قولِ ثالث: امام احمد کے ہاں جب التحیات نہ پڑھی اور سلام پھیر دیا تو نماز جائز ہو جائے گی۔ وجہ یہ ہے کہ "تحلیلھا التسلیم" باقی رہی تشہد تو یہ زیادہ اہم نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پانچویں رکعت کی طرف کھڑے ہوئے اور برقرار رہے، اگر تشہد اہم ہوتی تو ضرور پڑھتے اور اگر ایسی صورت میں سلام نہیں پھیرا اور بے وضو ہو گیا، تو اعادہ ضروری ہو گا۔

احناف کی دلیل: حدیث عبداللہ بن عمرو بن عاص، "اذا احدث الرّجل وقد حبس فی آخر صلوٰۃ قبل ان یسلّم فقد جازت صلوتہٗ" چونکہ یہ حدیث احناف کے موافق ہے اس لیے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس پر جرح کر دی کہ اس کی سند میں عبدالرحمن بن زیادہ ضعیف ہیں۔ چنانچہ یحییٰ بن سعید القطان اور امام احمد نے اس کی تضعیف کی ہے۔

جواب (۱): اگر دونوں کے نزدیک ضعیف ہے تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے ہاں بھی یہ ضعیف ہے، ممکن ہے ضعف بعد میں پیدا ہوا ہو اور یہ بھی ممکن ہے امام صاحب رحمہ اللہ کو کسی ایسی سند سے حدیث پہنچی ہو جس میں ضعیف راوی نہ ہو۔

جواب (۲): امام طحاوی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے طرق زیادہ ہیں اور کثرتِ طرق کی وجہ سے حدیث حسن ہو جاتی ہے اور ابن ہمام فرماتے ہیں حدیث کے صالح للاستدلال ہونے کے لیے حدیث کا حسن ہونا کافی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا كَانَ الْمَطَرُ فَالصَّلَاةُ فِي الرِّحَالِ اگر بارش ہو رہی ہو تو گھروں میں نماز پڑھنا

عَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَأَصَابَنَا مَطَرٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَاءَ فَلْيُصَلِّ فِي رَحْلِهِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے کہ بارش ہو گئی سو فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چاہے نماز پڑھ لے اپنے قیام کی جگہ میں۔

تشریح: خلاصہ یہ ہے کہ جماعت کے ترک کے کئی اعذار ہیں، ان میں سے ایک عذر مطر بھی ہے۔ بشرطیکہ مطر شدید ہو اور جہاں حدیث کے اندر ہے کہ معمولی بارش کی وجہ سے گھر میں نماز پڑھی وہ مؤوّل ہے کہ مطر شدید کے آثار تھے۔ "سمعت ابا زرعہ" اس جملہ سے امام ترمذی رحمہ اللہ کے اُستاد عمرو بن علی کی مدح کرنا ہے اس کے ضمن میں دوسروں کی بھی مدح ہو گئی۔ عفان بن مسلم جلیل القدر محدث نے بھی روایت کی ہے۔ باقی ابوالملیح کے نام میں دو قول ہیں۔ (۱) عامر (۲) زید اور باپ کے نام میں تعیین ہے کہ یقیناً باپ کا نام اُسامہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْبِيحِ فِي أَدْبَارِ الصَّلَاةِ نماز کے بعد تسبیح کے بیان میں

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ الْفُقَرَاءُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ الْأَغْنِيَاءَ يُصَلُّونَ كَمَا نُصَلِّي وَيَصُومُونَ كَمَا نَصُومُ وَلَهُمْ أَمْوَالٌ يُعْتِقُونَ وَيَتَصَدَّقُونَ قَالَ فَإِذَا صَلَّيْتُمْ فَقُولُوا سُبْحَانَ اللهِ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ مَرَّةً وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ مَرَّةً وَاللهُ أَكْبَرُ أَرْبَعًا وَثَلَاثِينَ مَرَّةً وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ عَشْرَ مَرَّاتٍ فَإِنَّكُمْ تُدْرِكُونَ بِهِ مَنْ سَبَقَكُمْ وَلَا يَسْبِقُكُمْ مَنْ بَعْدَكُمْ

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حاضر ہوئے فقراء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور عرض کیا یا رسول اللہ! امیر لوگ نماز پڑھتے ہیں جیسا ہم نماز پڑھتے ہیں اور روزہ رکھتے ہیں جیسے ہم روزہ رکھتے ہیں اور سوا اس کے ان کے پاس مال ہے کہ اس سے غلام آزاد کرتے ہیں اور صدقہ دیتے ہیں تو فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم نماز پڑھ چکا کرو تو کہو سبحان اللہ تینتیس بار اور الحمدللہ تینتیس بار اور اللہ اکبر چونتیس بار اور لا الٰہ الا اللہ دس بار سو تم پالو گے اس کی برکت سے درجے ان کے جو تم سے آگے بڑھ گئے ہوں گے اور نہ آگے بڑھ سکے گا کوئی تم میں سے جو پیچھے تمہارے ہے۔

تشریح یہاں یہ حدیث نقل کی ہے فقراء صحابہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ جسمانی اعمال میں مال دار صحابہ ہم سے بڑھ نہیں سکتے، ہمارے برابر اعمال کرتے ہیں لیکن ان کے پاس مال ہے وہ غلام آزاد کرتے ہیں، صدقہ دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ہم سے اجر میں بڑھ جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسبیحات بتائیں کہ نماز کے بعد (۳۳) مرتبہ الحمدللہ (۳۳) مرتبہ سبحان اللہ (۳۴) مرتبہ اللہ اکبر (۱۰) مرتبہ لا الٰہ الا اللہ پڑھو تو جو تم سے سبقت کر گئے ہیں ان کو پالو گئے اور دوسرے لوگ آپ تک نہیں پہنچ سکتے۔

دوسری جگہ تفصیل کے ساتھ حدیث ہے۔ اس میں ہے کہ مال دار صحابہ کو علم ہوا تو انہوں نے بھی پڑھنا شروع کیا۔ انہوں نے پھر شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ذالک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء" ان تسبیحات کا حکم استحباب کا ہے اور ان کو فرائض کے بعد پڑھنا چاہیے جن کے بعد سنن نہ ہوں لیکن جن کے بعد سنن ہیں تو پھر سنن کے بعد پڑھی جائیں گی تاکہ فرائض اور سنن میں فاصلہ لازم نہ آئے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الدَّابَّةِ فِي الطِّينِ وَالْمَطَرِ کیچڑ اور بارش کے وقت سواری پر نماز پڑھنا

عَنْ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ بْنِ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّهُمْ كَانُوا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَانْتَهَوْا إِلَى مَضِيقٍ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَمُطِرُوا السَّمَاءُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَالْبِلَّةُ مِنْ

أَسفَلَ مِنهُم فَأَذَّنَ رَسولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى رَاحِلَتِهِ وَأَقَامَ فَتَقَدَّمَ عَلَى رَاحِلَتِهِ فَصَلَّى بِهِم يُومِئُ إِيمَاءً يَجعَلُ السُّجودَ أَخفَضَ مِنَ الرُّكوعِ.

ترجمہ حضرت عمرو بن عثمان سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے، سو پہنچے ایک تنگ جگہ میں اور وقت آیا نماز کا اور اوپر سے بارش برسنے لگی اور نیچے کیچڑ ہو گیا پس اذان دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری پر اور تکبیر کہی پھر اپنی سواری کو آگے کیا اور اشارے سے نماز پڑھتے ہوئے ان کی امامت کی۔ آپ سجدہ میں رکوع سے زیادہ جھکتے تھے۔

تشریح سواری پر انفرادی نماز ہو تو یہ تو جائز ہے اگر بالعذر ہو۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ جماعت بھی ہو سکتی ہے یا نہیں؟

قول اوّل: شیخین کے نزدیک سواری پر جماعت جائز نہیں، ''اِلا'' یہ کہ ایک سواری پر کئی سوار ہوں۔

قول ثانی: امام احمد و آئمہ ثلاثہ کے نزدیک مختلف سواریوں کے ہوتے ہوئے بھی نماز باجماعت جائز ہے۔

شیخین کی دلیل: ''فان خفتم فرجالا او رکبانا'' مفسرین لکھتے ہیں کہ شدت خوف کی وجہ تنہا تنہا نماز پڑھی جائے یا پیدل پڑھ لی جائے۔ نیز جماعت کی نماز کے لیے اتحادِ مکان ضروری ہے، سواریوں کے مختلف ہونے کی صورت میں اتحادِ مکان مفقود ہے۔

امام احمد کی دلیل: حدیث الباب ہے۔ حدیث یعلی بن مرۃ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے، ایک گھاٹی پر پہنچے تو نماز کا وقت آ گیا، بارش ہوئی، کیچڑ ہو گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان و اقامت کے بعد سواری پر بیٹھ کر نماز پڑھائی۔

جواب اوّل: ''فصلّٰی بھم'' مجاز پر محمول ہے ''ای صلّٰی معھم'' کہ جس طرح دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی اپنی سواری پر نماز پڑھی، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی سواری پر تنہا نماز پڑھی۔ نظیر: حضرت شاہ صاحب نے اس کی نظیر بھی دی۔ حدیث مغیرہ بن شعبہ ''المتعلق بسفر تبوک'' وہ فرماتے ہیں کہ فجر کی نماز سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قضاء حاجت کی ضرورت پیش آئی، میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پانی لے کر گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر سوار ہوئے، جب پہنچے تو عبد الرحمن بن عوف نماز پڑھا رہے تھے، ایک رکعت پڑھا چکے تھے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک رکعت ملی۔ اس میں بھی فقط ''صلّٰی بھم ای صلّٰی معھم'' حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نماز نہیں پڑھائی۔

نیز حضرت شاہ صاحب نے بھی مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی ایک روایت پیش کی، وہاں بھی اسی طرح کی تعبیر ہے بدون امامت کے۔

جواب ثانی: یہ مؤوّل ہے یہاں جماعت کے ساتھ مشابہت ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی وجہ سے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کو مقدم کیا گیا اور باقی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی سواریوں کو صفوں کی ترتیب پر کھڑا کیا تا کہ جماعت کی صورت پیدا ہو جائے، اس مشابہت کی وجہ سے یوں تعبیر کیا۔ نظیر یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے سجدہ تلاوت کی اور بعض لوگوں نے اس آیت کو سنا، تمام

پر سجدہ واجب ہوگا۔ اب آیت سجدہ جس نے پڑھی ہے ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ تالی پہلے سجدہ کرے، پھر سامعین، جب وہ پہلے سجدہ کرے گا، اس کے بعد سامعین تو صورت جماعت کی شکل بن جائے گی حالانکہ ہر کوئی اپنا اپنا سجدہ کر رہا ہے۔

جواب ثالث: یہ بھی ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو سے زائد صحابہ رضی اللہ عنہم ردیف ہوں اور ایسی صورت میں تو ہم بھی قائل ہیں۔

جواب رابع: ممکن ہے اس زمانہ کا واقعہ ہو جب ابھی پابندیاں نہیں تھیں نماز میں اور اس زمانے میں اتحاد مکان بھی ضروری نہ ہو۔

جواب خامس: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد غزوات ہیں لیکن عمومی طور پر اس کی کوئی مؤید روایت معلوم نہیں جو کثیر الوقوع اور اس کو نقل کرنے والا ایک راوی ہو تو وہ قابل استدلال نہیں۔

جواب سادس: یہ خبر واحد ہے اور قواعد کلیہ کے خلاف ہے، قاعدہ کلیہ اتحاد مکان ہے اور اس صورت میں خبر واحد حجت نہیں ہوتی۔

جواب سابع: اس کی سند میں عمرو بن عثمان اپنے باپ عثمان بن یعلی سے نقل کر رہے ہیں اور ان کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ مجہول ہے۔ "فاذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اذان دینا بالفعل ثابت ہے یا نہیں؟ محققین کی رائے اور امام نووی رحمہ اللہ کے بالفعل اذان دینا ثابت ہے۔

دلیل ثانی: حدیث الباب ہے۔

جواب: اذانِ مجاز ہے "ای امر بالاذان" چنانچہ مسند احمد میں امر کی روایت صراحتاً موجود ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاجْتِهَادِ فِي الصَّلَاةِ نماز میں اجتہاد کرنا

عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى انْتَفَخَتْ قَدَمَاهُ فَقِيلَ لَهُ أَتَتَكَلَّفُ هٰذَا وَقَدْ غُفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ قَالَ أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا.

ترجمہ حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی یہاں تک کہ پائے مبارک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھول گئے سو عرض کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکلیف اُٹھاتے ہیں حالانکہ بخش دیئے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے اور پچھلے گناہ۔ سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا نہ بنوں میں بندہ شکر گزار۔

تشریح مطلب یہ ہے کہ نماز میں مشقت شدیدہ کو اختیار کرنا۔

سوال: قرآن پاک میں تو ہے "لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا"

جواب (۱): یہ مشقت عادی بنانے کے لیے ہے۔

جواب (۲): مشقت باہمت لوگوں کے لیے ہے اور "لایکلف اللہ" یہ ضعفاء کے لیے ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ العَبْدُ يَوْمَ القِيَامَةِ

قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا

عَنْ حُرَيْثِ بْنِ قَبِيصَةَ قَالَ قَدِمْتُ المَدِينَةَ فَقُلْتُ اللّٰهُمَّ يَسِّرْ لِي جَلِيسًا صَالِحًا قَالَ فَجَلَسْتُ إِلَى أَبِي هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ إِنِّي سَأَلْتُ اللهَ أَنْ يَرْزُقَنِي جَلِيسًا صَالِحًا فَحَدِّثْنِي بِحَدِيثٍ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّ اللهَ أَنْ يَنْفَعَنِي بِهِ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ العَبْدُ يَوْمَ القِيَامَةِ مِنْ عَمَلِهِ صَلَاتُهُ فَإِنْ صَلُحَتْ فَقَدْ أَفْلَحَ وَأَنْجَحَ وَإِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ فَإِنِ انْتَقَصَ مِنْ فَرِيضَتِهِ شَيْءٌ قَالَ الرَّبُّ عَزَّ وَجَلَّ انْظُرُوا هَلْ لِعَبْدِي مِنْ تَطَوُّعٍ فَيُكَمَّلَ بِهَا مَا انْتَقَصَ مِنَ الفَرِيضَةِ ثُمَّ يَكُونُ سَائِرُ عَمَلِهِ عَلَى ذٰلِكَ

ترجمہ حضرت حریث بن قبیصہ سے روایت ہے کہ آیا میں مدینے میں تو دُعا کی میں نے یا اللہ! نصیب ہو مجھ کو ہمنشین نیک۔ کہا پھر بیٹھا میں ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اور کہا دُعا کی تھی میں نے کہ نصیب ہو مجھ کو نیک ہمنشین سو بیان کرو مجھ سے کوئی حدیث کہ سنی ہو تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شاید اللہ فائدہ دے مجھ کو اس سے۔ سو کہا انہوں نے سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے تھے پہلے جس کا حساب ہوگا بندے سے قیامت کے دن اس کے عملوں سے نماز ہے۔ پس اگر درست ہوئی تو نجات پائی اور مراد کو پہنچا اور اگر خراب ہوئی خراب ہوا نقصان پایا پس اگر گھٹے کچھ فرض تو فرمادے گا پروردگار تعالیٰ نظر کرو کچھ نفل میں میرے بندے کے تو پورے ہوں گے اس سے نقصان فرضوں کے پھر تمام عملوں کا یہی طریقہ ہوگا یعنی نفلوں سے فرض پورے کیے جائیں گے۔

تشریح پہلی بات: خلاصہ یہ ہے کہ حقوق العباد میں سب سے پہلے حساب دُعاء کا ہوگا اور حقوق اللہ میں سے سب سے پہلے حساب نماز کے بارے میں ہوگا، فرائض میں کمی کا تدارک نفل کے ساتھ ہوتا ہے باعتبار مقدار یا کیف کے اعتبار سے بعض نے کہا کہ کیف کا تدارک ہوگا اور بعض نے کہا کہ مقدار کیف کے اعتبار سے تدارک ہوگا۔ اس طرح کہ نفلوں کی ستر رکعت فرضوں کی ایک رکعت کے برابر ہوگی۔

دوسری بات باب کی حدیث میں ہے کہ بندے کے فرائض میں کمی ہو تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے کہ اس کے نوافل ہیں یا نہیں تو نوافل سے فرائض کی تکمیل ہوگی، اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر کسی نے فرائض نہ پڑھے ہوں تو نوافل سے اس کی تکمیل ہو جائے گی بلکہ علامہ عراقی اور علامہ بیہقی نے لکھا ہے کہ تکمیل کا یہ مطلب ہے کہ فرائض میں کچھ نقصان ہوا ہو تو نوافل سے تکمیل ہوگی۔ دوسرا مطلب ابن العربی نے لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ رحیم ذات ہے۔ اس لیے اگر کسی نے فرائض نہ

پڑھے ہوں تو نوافل سے اس کی تکمیل ہو جائے گی۔ لیکن ایک فرض کا بدل سات ۷۰۰ سو مقبول نوافل بنیں گے۔

تیسرا مطلب ابن عبدالبر مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ فرائض کے ترک کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) عمداً ترک کیا ہو تو اس کی تکمیل نوافل سے نہ ہوگی۔ لیکن نسیاناً ترک کیا ہو تو نوافل سے تکمیل ہوگی۔ یہی حکم صوم اور زکوٰۃ کا بھی ہے کہ نفلی صدقات اور صوم سے ان کی تکمیل ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ صَلَّى فِي يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً مِنَ السُّنَّةِ مَالَهُ مِنَ الْفَضْلِ

جو شخص دن ورات میں بارہ رکعتیں سنت پڑھے اس کی فضیلت

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ثَابَرَ عَلَى ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً مِنَ السُّنَّةِ بَنَى اللّٰهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ہمیشہ پڑھے سنت بارہ رکعت۔ بنائے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک مکان جنت میں اور چار رکعت قبل ظہر کے اور دو رکعت بعد اس کے اور دو رکعت بعد مغرب کے اور دو رکعت بعد عشاء کے اور دو رکعت قبل فجر کے۔

عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى فِي يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً بُنِيَ لَهُ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ صَلَاةِ الْغَدَاةِ.

ترجمہ حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے پڑھی رات دن میں بارہ رکعت بنایا گیا اس کے لیے ایک گھر جنت میں، چار قبل ظہر کے اور دو بعد اس کے اور دو رکعت بعد مغرب کے اور دو بعد عشاء کے اور دو قبل فجر کے جو نماز ہے اوّل روز کی۔

تشریح بارہ رکعتیں، دو قبل الفجر، چار قبل الظہر، دو بعد الظہر، احناف کے نزدیک ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں ایک سلام سے اور شوافع کے نزدیک دو سلاموں سے اور دو بعد المغرب، دو بعد العشاء، سب سے زیادہ مؤکد قبل الفجر والی ہیں اس کے بعد بعد المغرب کی، پھر ظہر کے بعد کی پھر ظہر سے پہلے کی چار پھر عشاء کے بعد کی۔ "رکعتین قبل الفجر صلوۃ الغداۃ" صلوۃ الغداۃ کا لفظ اس لیے بڑھایا تا کہ کوئی قبل الفجر سے پہلے قبل طلوع الفجر سمجھے مراد تہجد ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ مِنَ الْفَضْلِ فجر کی دوسنتوں کی فضیلت کے بیان میں

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو رکعت سنت صبح کی بہتر ہیں دُنیا سے اور جو اس میں ہے۔

تشریح: ہر نماز دُنیا و مافیہا سے بہتر ہے، پھر تخصیص کی کیا وجہ ہے کہ فجر کی دو رکعتیں دُنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔
جواب: مطلب یہ ہے کہ اپنی ذات کے اعتبار سے اور مطلب یہ ہے کہ دُنیا و مافیہا کے صدقہ سے بہتر ہیں۔ "وقد روی احمد" اس عبارت سے صالح بن عبداللہ کی توثیق مقصود ہے کہ امام احمد نے بھی اس سے روایت لی ہے اور جس سے اپنے بڑے روایت لیں وہ ثقہ ہوتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَخْفِيفِ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ وَالْقِرَاءَةِ فِيهَا

فجر کی سنتوں میں تخفیف کرنا اور قرأت کے متعلق

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَمَقْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا فَكَانَ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ بِقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَقُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ دیکھتا رہا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مہینے بھر تک پڑھتے تھے دو رکعت فجر کی سنت میں۔ "قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ" و "قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ"

تشریح: پہلی بات: عام احادیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رکعتین قبل الفجر کی تخفیف کا ثبوت ملتا ہے۔ یہاں تک کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ محسوس ہوتا تھا کہ آپ فقط فاتحہ پڑھتے تھے۔ اس وجہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور بعض فقہاء مدینہ کہتے ہیں کہ فجر کی سنتوں میں صرف فاتحہ پڑھی جائے گی، ضم سورت نہیں۔ اس کے مقابلے میں جمہور کا مسلک یہ ہے کہ فجر کی سنتوں میں بھی باقی سنتوں کی طرح ضم سورت ہوگا۔ باب کی حدیث جمہور کی مستدل ہے کیونکہ اس سے ضم سورت کا ثبوت ملتا ہے۔ باقی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا مقصد یہ ہے کہ ضم سورت تو کرتے تھے لیکن بہت مختصر کرتے تھے تو یہ مبالغہ فی التخفیف کے لیے فرمایا کہ ایسا لگتا تھا کہ آپ نے فقط فاتحہ پڑھی ہے۔

دوسری بات...... سند پر کلام: سند میں ابو اسحاق ہیں اور اس سے روایت دو طریق سے مروی ہے۔ (۱) بطریق سفیان (۲) بطریق اسرائیل۔ باقی ابو اسحاق سے روایت کرنے والے کون ہیں، ابو احمد زبیری کہتے ہیں کہ سفیان ہیں اور جبکہ ابو

احمد زبیری کے ماسوا راوی کہتے ہیں کہ اسرائیل ہیں، صحیح یہ ہے کہ ابواسحاق کے تلمیذ اسرائیل ہیں لیکن چونکہ ابواحمد زبیری بھی ثقہ ہیں ان کی روایت بھی صحیح ہے، یہ احتمال ہے کہ دونوں نے روایت کی ہو۔ "قال ابو عیسی سمعت بندار" امام ترمذی رحمہ اللہ نے ابواحمد زبیری کی توثیق میں محمد بن بشار کا قول نقل کیا کہ میں نے اس سے زیادہ احفظ کوئی نہیں دیکھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْكَلَامِ بَعْدَ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فجر کی سنتوں کے بعد باتیں کرنا

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَإِنْ كَانَتْ لَهُ إِلَيَّ حَاجَةٌ كَلَّمَنِي وَإِلَّا خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سنتیں پڑھ چکتے فجر کی تو اگر مجھ سے کوئی کام ہوتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو باتیں کرتے اور نہیں تو تشریف لے جاتے نماز کو۔

تشریح: مسئلہ، اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ فجر کی سنتیں پڑھ لینے کے بعد بات چیت جائز ہے۔ فجر کی سنتوں کے بعد فرائض کے فراغت تک بات کرنے میں اختلاف ہے۔

پہلا قول: بعض محدثین کہتے ہیں کہ فجر کی سنتوں کے بعد بات کی تو سنت ختم ہو جائیں گے۔

دوسرا قول: فجر کی سنتوں کے بعد فرائض کے اختتام تک بات کرنا ممنوع ہے لیکن اگر کر لی تو اس سے سنتیں ختم ہو جائیں گی۔

تیسرا قول: جمہور کے نزدیک فجر کی سنتوں کے بعد سکوت محض عبادت نہیں جس طرح باتیں کرنا عبادت نہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ شریعت کا منشاء یہ ہے کہ سنتوں کے بعد آدمی ذکر میں مشغول رہے۔ لیکن اگر کوئی ضروری بات کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ باقی بلاضرورت بات کرنا خلاف اولیٰ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ فجر کی دو سنتوں کے بعد بغیر ضرورت کے کلام کرنا پسندیدہ نہیں لیکن اگر کوئی کرے تو اعادہ بھی نہیں لیکن بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اعادہ کرے۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا صَلَاةَ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ إِلَّا رَكْعَتَيْنِ

طلوع فجر کے بعد دو سنتوں کے علاوہ کوئی نماز نہیں

عَنْ ابنِ عمر أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا صَلَاةَ بَعْدَ الْفَجْرِ إِلَّا سَجْدَتَيْنِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی نماز نہیں ہے بعد طلوع فجر کے سوائے دو رکعت سنتوں کے۔

تشریح: خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طلوع فجر کے بعد کوئی نماز نہیں مگر دو سجدے یعنی دو سنتیں۔

سوال: فجر کے بعد تو آٹھ سجدے ہیں یعنی فجر کی نماز کے پھر سجد تین کیسے کہا؟
معنی ثانی: یہ بھی ہے کہ ''لا صلوٰۃ بعد صلوٰۃ الفجر'' فجر کے سجدوں کے بعد صرف دو سجدے ہیں حالانکہ طلوع شمس سے پہلے ایک سجدہ بھی جائز نہیں اور بعد میں دو کی بھی قید نہیں چار پڑھ لے چونکہ پہلا اور دوسرا معنی صحیح نہیں، اس لیے صحیح معنی ثالث ہے۔ سجد تین کا حقیقی معنی مراد نہیں اور ''بعد صلوٰۃ الفجر ای طلوع الفجر'' اور صلوٰۃ سے مراد تطوع ہے فرضوں کے ماسوا معنی یہ ہے کہ فجر کے طلوع کے بعد نفلی نماز نہیں مگر دو رکعت یعنی دو سنتیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاضْطِجَاعِ بَعْدَ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فجر کی دو سنتوں کے بعد لیٹنے سے متعلق

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَلْيَضْطَجِعْ عَلَى يَمِينِهِ.

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب پڑھ چکے ایک تم میں کا سنت فجر کی تو لیٹ جائے سیدھے کروٹ پر۔

تشریح فجر کی رکعتین کے بعد اضطجاع کی کیا حیثیت ہے؟

قول اوّل: احناف کے ہاں اضطجاع سنن عادیہ میں سے ہے یعنی اگر تہجد کی نماز میں مشقت ہوئی ہو تو اس کو زائل کرنے کے لیے اور فجر میں چستی حاصل کرنے کے لیے اگر اس کو عمل میں لایا جائے اور اتباع سنت کی نیت ہو تو اجر و ثواب ملے گا لیکن سنن تشریعیہ میں سے نہیں۔

قول ثانی: آئمہ ثلاثہ فرماتے ہیں یہ سنن تشریعیہ میں سے ہونے کی وجہ سے مستحب ہے۔

قول ثالث: اہل ظواہر کہتے ہیں واجب ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں فجر کی نماز کی صحت کی شرط ہے۔

اہل ظواہر اور آئمہ ثلاثہ کا مستدل:

حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ''اذا صلّی احدکم رکعتی الفجر فلیضطجع علی یمینہ'' اب ''فلیضطجع'' امر کا صیغہ ہے اہل ظواہر اس کو محمول کرتے ہیں وجوب پر اور آئمہ ثلاثہ محمول کرتے ہیں استحباب پر۔

جواب: صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث فعلی ہے قولی نہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک ہے اور اس کا قولی حدیث ہونا شاذ کے درجے میں ہے۔ چنانچہ حافظ جلال الدین سیوطی نے حدیث شاذ کی مثال میں اس حدیث کو پیش کیا ہے اس کو قولی بتانا عبدالواحد بن زیاد کا تفرد ہے، یہ اگرچہ فی الجملہ ثقہ ہیں لیکن ایسے ثقات کی مخالفت کر رہا ہے جو اس سے زیادہ ثقہ ہیں۔ لہٰذا آپ کا استدلال تب تام ہو جب یہ حدیث قولی ہو، باقی یہ سنن تشریعیہ میں سے بھی نہیں اس کا وزنی قرینہ اکابر صحابہ میں سے حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا سختی سے انکار کرنا۔ چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اس کو بدعت کہتے ہیں اور حضرت

ابن مسعود رضی اللہ عنہ حمار کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں یہ تردید بھی سنن شرعیہ میں سے ہونے کی حیثیت سے تھی۔ نیز یہ اضطجاع گھر میں ہوتا تھا نہ کہ مسجد میں اور اس پر دوام بھی نہ تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر میں بیدار ہوتی تو میرے ساتھ گفتگو فرماتے ورنہ لیٹ جاتے۔ لہٰذا مسجدوں میں اس کو معمول بنانا "لیس بصحیح"

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ

جب جماعت کھڑی ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز نہیں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تکبیر ہو جائے نماز فرض کی تو اور نماز نہ پڑھے سوائے اسی فرض کے۔

تشریح فجر کے ماسواء کے متعلق آئمہ کا اتفاق ہے کہ جب نماز کے لیے اقامت شروع ہو جائے تو سنن پڑھنی جائز نہیں۔ البتہ فجر کی سنتوں کے متعلق اختلاف ہے۔

قول اوّل: شیخین فرماتے ہیں کہ اگر ایک رکعت ملنے کی اُمید ہو تو خارج از مسجد فجر کی سنتیں پڑھ لینی چاہیے۔

قول ثانی: امام احمد و محمد فرماتے ہیں کہ التحیات میں شامل ہونے کی اُمید ہو تو بھی سنن پڑھ لی جائیں خارج از مسجد۔ البتہ امام طحاوی کی رائے یہ ہے کہ بعد التکبیر اگر ایک رکعت ملنے کی اُمید ہو تو داخل فی المسجد پڑھنا بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ صف کے ساتھ اتصال نہ ہو، اگر مسجد کے اندر نماز ہو رہی ہے تو باہر یا اس کے برعکس۔

قول ثالث: امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر دونوں رکعتیں ملنے کی اُمید ہو تو خارج از مسجد پڑھنی جائز ہیں۔ الغرض متقدمین احناف کہتے ہیں ایک رکعت کی اُمید ہو تو خارج از مسجد فجر کی سنتیں پڑھ لینی چاہیے جبکہ متاخرین احناف فرماتے ہیں، اگر ایک رکعت ملنے کی اُمید ہو تو داخل المسجد پڑھنا جائز ہے۔ شوافع و حنابلہ فرماتے ہیں جو حکم باقی نمازوں کا ہے وہی حکم فجر کا ہے۔

احناف کی دلیل اوّل: احادیث متعلقہ بتاکید سنن الفجر کہ فجر کی دو رکعتیں دُنیا و مافیہا سے بہتر ہیں اور دوسری روایت میں ہے "قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تدعوا رکعتی الفجر و لو طردتکم الخیل" کہ اگر گھوڑے بھی تم کو روند ڈالیں تو بھی فجر کی دو رکعتیں نہ چھوڑو۔ ان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ فجر کی تکبیر کہی جانے کے بعد بھی فجر کی سنن کو ادا کیا جائے۔

دلیل ثانی: تعامل صحابہ حضرت عبداللہ بن مسعود، ابن عباس، ابن عمر، ابو درداء رضی اللہ عنہما کا یہی عمل نقل کیا گیا ہے کہ فجر کی تکبیر کہی جاتی اور یہ حضرات سنتیں ادا کرتے۔ خصوصاً ابو عثمان نہدی کا قول نقل کیا گیا ہے کہ ہم عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں مسجد میں آتے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے ہوتے اور ہم فجر کی سنتیں پڑھ لیتے اور یہاں پر کنا جمع کا

صیغہ استعمال ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عموماً صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہی عمل تھا۔

شوافع کی دلیل: حدیث الباب "اذا أقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ" اس میں صلوٰۃ عام ہے کہ جب نماز کھڑی ہو جائے تو پھر کوئی نماز جائز نہیں، یعنی یہ فجر اور فجر کے ماسواء سب کو شامل ہے۔

جواب: اس حدیث کو بالاجماع اپنے عموم پر باقی نہیں رکھا جا سکتا اس لیے کہ پھر تو مطلب یہ ہوگا کہ تکبیر تحریمہ کے بعد گھروں میں سنتیں پڑھنا جائز نہیں حالانکہ بالاجماع اس کا کوئی بھی قائل نہیں، لامحالہ یہ حدیث مخصوص منہ البعض ہے "اذا اقیمت الصلوۃ" یعنی فجر کے ماسواء جب اقامت کہی جائے تو پھر صرف وہی نماز پڑھی جائے۔

سوال: اس تخصیص پر قرینہ کیا ہے؟

جواب قرینہ: احادیث متعلقہ بتاکید سنن الفجر، قرینہ ۲: تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم قرینہ ۳: وہ استثناء والا اضافہ جو بیہقی میں موجود ہے "الا رکعتی الفجر"

سوال: بیہقی نے کہا کہ استثناء ثابت نہیں؟

جواب (۱): ہم نے کون سی دلیل بنائی ہے محض قرینہ ہی تو بتا رہے ہیں۔

جواب (۲): یہ حدیث مؤوّل ہے "فلا صلوۃ داخل المسجد متصلاً بالصفوف الا المتکوبۃ"

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ تَفُوتُهُ الرَّكْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ يُصَلِّيهِمَا بَعْدَ صَلَاةِ الْفَجْرِ

جب فوت ہو جائے سنت صبح کی تو بعد فرض پڑھ لے

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ جَدِّهِ قَيْسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ الصُّبْحَ ثُمَّ انْصَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَنِي أُصَلِّي فَقَالَ مَهْلًا يَا قَيْسُ أَصَلَاتَانِ مَعًا قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي لَمْ أَكُنْ رَكَعْتُ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ قَالَ فَلَا إِذَنْ.

ترجمہ حضرت محمد بن ابراہیم سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے دادا سے کہا نکلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تکبیر ہوئی نماز کی اور پڑھی میں نے صبح کی نماز ان کے ساتھ، پھر پھرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور پایا مجھ کو نماز پڑھتے، سو فرمایا ٹھہر جا اے قیس! کیا دو نمازیں ایک ساتھ پڑھتا ہے؟ عرض کیا میں نے یا رسول اللہ! نہیں پڑھی تھیں میں نے دو سنتیں فجر کی۔ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صورت میں کچھ مضائقہ نہیں۔

تشریح **مسئلہ اختلافی:** اگر فجر کی سنتیں رہ جائیں تو فرضوں کے بعد طلوع شمس سے پہلے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

قول اوّل: احناف کے ہاں جائز نہیں، شوافع وحنابلہ کے ہاں پڑھنا جائز ہے۔

احناف کی دلیل: احادیث نہی ”عن بعد صلوٰۃ الصبح حتی تطلع الشمس“

شوافع کی دلیل: حدیث الباب، حدیث قیس حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ سے تشریف لائے نماز کے لیے تکبیر کہی گئی، میں نے فجر کی نماز پڑھی، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھرے تو مجھے نماز پڑھتے ہوئے پایا تو فرمایا، اے قیس! رُک جاؤ، دو نمازیں اکٹھی پڑھ رہے ہو تو میں نے کہا کہ میں دو سنتیں نہ پڑھ سکا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”فلا اذا ای لا بأس اذًا“

جواب (۱): احادیث نہی محرم ہیں اور یہ مبیح ہے تعارض کے وقت محرم راجح ہوتی ہے۔

جواب (۲): احادیث نہی قاعدہ کلیہ ہونے کی وجہ سے راجح ہیں۔

جواب (۳): احادیث نہی اصح سنداً ہیں اور اس پر تو امام ترمذی رحمہ اللہ نے کلام کی ہے کہ یہ سنداً منقطع ہے کیونکہ اس میں محمد بن ابراہیم کا قیس سے سماع ثابت نہیں۔

جواب (۴): یہ مؤوّل ہے اور یہ بھی احتمال کہ ”فلا بأس اذًا“ کا ایک معنی ”فلا تصلِّ اذًا... اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال“

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِعَادَتِهِمَا بَعْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ

سنت فجر اگر فوت ہو جائے تو بعد طلوعِ آفتاب کے پڑھے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ يُصَلِّ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَلْيُصَلِّهِمَا بَعْدَ مَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نہ پڑھی ہوں سنتیں فجر کی تو پڑھ لے طلوع آفتاب کے بعد۔

تشریح اگر صبح کی سنن رہ جائیں تو بعد طلوع شمس بھی قضاء جائز ہے یا نہیں؟ شیخین فرماتے ہیں اگر فرضوں سمیت رہ جائیں تو قضاء کرلے اور اگر تنہا رہ جائیں تو پھر ”لایقضی امام محمد“ فرماتے ہیں کہ زوال سے پہلے پڑھ لے۔

دلیل: حدیث الباب ہے کہ جس نے فجر کی دو سنتیں نہ پڑھی ہوں طلوع شمس کے بعد پڑھ لے۔

جواب: طلوع شمس کے بعد سنتوں کے پڑھنے کا وجود معلوم ہوتا ہے وجوب معلوم نہیں ہوتا اور اس سے منع تو ہم بھی نہیں کرتے۔

سند پر کلام معروف متن اس سند سے یہ ہے نصر بن انس عن بشیر عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ اور وہ معروف متن یہ ہے، ”من ادرک رکعۃ من الصلوٰۃ الصبح قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک الصبح“ جبکہ اس کی جگہ ”من لم یصل رکعتی الفجر فلیصلھا قبل ان تطلع الشمس“ نقل کردیا، یہ معروف کے مقابلے میں منکر ہے۔ لہٰذا اس سے استدلال بھی منکر ہی ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الأَرْبَعِ قَبْلَ الظُّهْرِ ظہر سے قبل چار رکعت سنت کے بیان میں

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي قَبْلَ الظُّهْرِ أَرْبَعًا وَ بَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پڑھتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کے قبل چار رکعت اور بعد دو رکعتیں۔

تشریح: پہلی بات، مسئلہ اختلافی: ظہر سے پہلے چار سنتوں کا کیا حکم ہے؟

اس مسئلہ میں آئمہ کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نماز ظہر سے قبل چار رکعت سنت مؤکدہ ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ کا ایک قول یہی ہے۔

قول ثانی: امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کے نزدیک دو رکعت سنت مؤکدہ ہیں۔

حنفیہ کی دلیل اوّل: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلّم کان لایدع اربعًا قبل الظھر" کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔ یہ بھی سنت مؤکدہ ہونے کی دلیل ہے۔

دوسری دلیل: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے "کان النبی یصلی فی بیتی قبل الظھر اربعًا" ظہر سے پہلے چار رکعت گھر میں پڑھتے تھے۔

تیسری دلیل: "عن علی قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلّم یصلی قبل الظھر اربعًا" (ترمذی) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے قبل چار رکعت پڑھتے تھے۔

چوتھی دلیل: باب آخر میں دوسری روایت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعًا روایت کرتی ہیں کہ "من صلی اربعًا قبل الظھر و بعدھا اربعًا" (صرف اللہ تعالیٰ علی النار) یہی روایت آگے عنبسہ سے نقل کی ہے۔

شوافع اور حنابلہ کی دلیل: اگلے باب میں "عن ابن عمر رضی اللہ عنھما قال صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلّم رکعتین قبل الظھر" کہ ظہر کی نماز سے پہلے دو رکعت پڑھی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ظہر سے پہلے چار رکعت پڑھیں گے؟

جواب: یہ دو رکعات تحیۃ المسجد پر محمول ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سنتیں گھر پر ادا کرتے تھے اور مسجد میں آکر نماز سے پہلے تحیۃ المسجد پڑھتے تھے۔

قال ابوعیسیٰ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کثیر نقل کرنے والے عاصم بن ضمرہ اور حارث اعور ہیں، یہ دونوں ضعیف ہیں لیکن حارث اعور زیادہ ضعیف ہیں بنسبت عاصم بن ضمرہ کے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ ظہر کے بعد دو رکعتیں پڑھنا

عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ پڑھی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو رکعت سنت قبل ظہر کے اور دو رکعت بعد ظہر کے۔

تشریح یہ حدیث شوافع اور حنابلہ کا مستدل ہے۔ اس کے جوابات ماقبل میں گزر چکے ہیں۔

بَابٌ آخَرُ اسی سے متعلق دوسرا باب

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا لَمْ يُصَلِّ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ صَلَّاهُنَّ بَعْدَهَا.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نہ پڑھتے چار رکعت قبل ظہر کے تو پڑھ لیتے ان کو ظہر کے بعد۔

عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى قَبْلَ الظُّهْرِ أَرْبَعًا وَبَعْدَهَا أَرْبَعًا حَرَّمَهُ اللهُ تَعَالَى عَلَى النَّارِ.

ترجمہ حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے پڑھی قبل ظہر کے چار رکعت اور بعد اس کے چار رکعت حرام کرے گا اس کو اللہ دوزخ پر۔

عَنْ عَنْبَسَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ قَالَ سَمِعْتُ أُخْتِي أُمَّ حَبِيبَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ حَافَظَ عَلَى أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَأَرْبَعٍ بَعْدَهَا حَرَّمَهُ اللهُ عَلَى النَّارِ.

ترجمہ حضرت عنبسہ بن ابی سفیان سے روایت ہے کہ سنا میں نے اپنی بہن اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا سے جو بیوی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماتی تھیں، سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے تھے جو حفاظت کرے چار رکعت پر قبل ظہر کے اور چار پر بعد ظہر کے حرام کر دے گا اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی آگ پر۔

تشریح اس باب میں امام ترمذی یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اگر ظہر کی پہلی چار سنتیں رہ جائیں تو بعد میں پڑھ لی جائیں۔ اس کی ادائیگی میں احناف کے دو قول ہیں۔

قول اوّل: ان کی ادائیگی ظہر کے بعد دو سنت سے پہلے ہوگی۔ یہ قول امام محمد کی طرف منسوب ہے۔

قول ثانی: یہ قول خود حنفیہ کا ہے کہ ان چار کی ادائیگی دو سنن کے بعد ہوگی۔ یہی مفتی بہ قول ہے، اس کی تائید حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہوتی ہے۔"قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا فاتته الاربع قبل الظهر صلاها بعد الرکعتین بعد الظهر" اور یہی حدیث الباب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔

عن عنبسه بن ابی سفیان .... الخ

"قال ابو عیسٰی هذا حدیث حسن صحیح" یہ حدیث عن القاسم ابی عبدالرحمن عن عنبسہ بن ابی سفیان سے منقول ہے۔والقاسم۔ یہ عبدالرحمن کے بیٹے ہیں، ان کی کنیت ابوعبدالرحمن ہے، یہ مولیٰ عبدالرحمن بن خالد بن یزید بن معاویہ ہیں، یہ ثقہ ہیں اور شامی ہیں اور یہ ابوامامہ کے ساتھی ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الأَرْبَعِ قَبْلَ العَصْرِ عصر سے قبل چار سنتوں کے بیان میں

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي قَبْلَ العَصْرِ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ بِالتَّسْلِيمِ عَلَى المَلَائِكَةِ المُقَرَّبِينَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ مِنَ المُسْلِمِينَ وَالمُؤْمِنِينَ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے عصر سے پہلے چار رکعت فرق کردیتے تھے یعنی دوگانوں میں سلام سے مقرب فرشتوں پر اور جو تابعدار ان کے تھے مسلمانوں اور مومنوں سے۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَحِمَ اللهُ امْرَأً صَلَّى قَبْلَ العَصْرِ أَرْبَعًا.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رحمت کرے اللہ اس آدمی پر جو پڑھے عصر کے قبل چار رکعت۔

تشریح: یہ چار رکعت بھی احناف کے ہاں ایک سلام کے ساتھ اور شوافع حضرات کے نزدیک دو سلاموں کے ساتھ "تسلیم علی الملائکة" سے مراد احناف تشہد یعنی سلام تشہد اور شوافع کے ہاں سلام فراغت۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ المَغْرِبِ وَالقِرَاءَةِ فِيهِمَا

مغرب کے بعد دو رکعتوں اور اس کی قرأت کے بیان میں

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ قَالَ مَا أُحْصِي مَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ المَغْرِبِ وَفِي الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الفَجْرِ بِقُلْ يَا أَيُّهَا الكَافِرُونَ وَقُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں شمار نہیں کرسکتا کتنی بار سنا ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "قل یا یها الکافرون" اور "قل هو الله احد" پڑھتے ہوئے دو سنتوں میں بعد مغرب کے اور قبل صبح کے۔

تشریح پہلی بات: یہاں حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مغرب اور فجر کی سنتوں میں پہلی رکعت میں سورۃ کافرون اور دوسری رکعت میں سورۃ اخلاص پڑھتے تھے۔ یہ افضلیت کا بیان ہے ضروری نہیں کہ صرف یہی پڑھے کیونکہ اس میں تخصیص کا شبہ لازم آئے گا۔ دوسرا قرآن کی باقی حصے کا متروک ہونا لازم آئے گا۔

دوسری بات: مغرب کی سنتوں کے بارے میں منقول ہے کہ آپ اکثر ان کو گھر میں پڑھتے تھے۔ ایک دو مرتبہ مسجد میں پڑھنے کا ثبوت ہے، اس وجہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سنت بعد المغرب مسجد میں پڑھنا جائز نہیں مگر جمہور کہتے ہیں کہ افضل تو یہ ہے کہ گھر میں پڑھے لیکن اگر مسجد میں پڑھ لی تو جائز ہے۔ علامہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ یہ ہے کہ آج کل دو وجوہ سے مسجد میں سنت پڑھنا افضل ہوگا۔

ایک وجہ یہ ہے کہ تکاسل کا دور ہے۔ لوگ کام کاج میں مشغول رہتے تھے۔ اب مسجد میں اگر سنت نہ پڑھے، ممکن ہے گھر میں کام پیش آجائے تو بالکل نماز ہی رہ جائے۔ دوسرا یہ روافض کا شعار بن گیا ہے کہ وہ گھر میں پڑھتے ہیں، اس لیے ان کی مشابہت سے بچنے کے لیے مسجد میں پڑھنا چاہیے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّهُ يُصَلِّيهِمَا فِي الْبَيْتِ مغرب کی دو سنتیں گھر پر پڑھنا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي بَيْتِهِ.

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ پڑھی میں نے دو رکعت بعد مغرب کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ حَفِظْتُ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ رَكَعَاتٍ كَانَ يُصَلِّيهَا بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ. قَالَ وَحَدَّثَتْنِي حَفْصَةُ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي قَبْلَ الْفَجْرِ رَكْعَتَيْنِ.

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ یاد کی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دس رکعتیں کہ پڑھتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات دن میں دو قبل ظہر کے اور دو بعد اس کے اور دو بعد مغرب کے اور دو بعد عشاء کے، کہا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اور روایت کی مجھ سے حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہ پڑھتے تھے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت قبل فجر کے۔

تشریح تمام سنن و نوافل کے لیے افضل یہی ہے کہ گھر میں پڑھی جائیں چونکہ اس زمانہ میں سنن کو گھر میں پڑھنے کی ترغیب اگر دی جائے تو رہ جانے کا اندیشہ ہے کیونکہ یہ تکاسل کا زمانہ ہے، گھر میں جانے کے بعد پڑھ ہی نہ سکے یا ہاں اگر اعتماد ہو تو پھر گھر میں پڑھنا ہی افضل ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ التَّطَوُّعِ وَسِتِّ رَكَعَاتٍ بَعْدَ الْمَغْرِبِ مغرب کے بعد چھ رکعت نفل پڑھنا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَكَعَاتٍ لَمْ يَتَكَلَّمْ فِيمَا بَيْنَهُنَّ بِسُوءٍ عُدِلْنَ لَهُ بِعِبَادَةِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ سَنَةً.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو پڑھے بعد مغرب کے چھ رکعت بری بات نہ کرے ان کے بیچ میں برابر ہوگا اس کا ثواب بارہ برس کی عبادت کے۔

تشریح مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھنا باعث اجر ہے، یہ چھ رکعتیں، سنن بعدیہ کے علاوہ ہیں، یا ان کے ساتھ ہیں۔ان چھ رکعتوں کے علاوہ بیس رکعتیں بھی ثابت ہیں۔حدیث مبارکہ میں مغرب کی نماز کے بعد چھ رکعات کی فضیلت مذکور ہے کہ اس کے لیے بارہ سال کی عبادت کے برابر ثواب لکھا جائے گا۔

"قال ابو عیسٰی" امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد اس کے ضعف کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، کہتے ہیں یہ حدیث زید بن خباب عن عمر ابن ابی خثعم سے منقول ہے۔

"قال سمعت محمد بن اسماعیل" امام بخاری فرماتے ہیں کہ یہ راوی منکر الحدیث ہے اور یہ ضعیف راوی ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ فضائل میں ضعیف حدیث کا اعتبار کیا جاتا ہے۔واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ عشاء کے بعد دو رکعت سنت پڑھنا

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ كَانَ يُصَلِّي قَبْلَ الظُّهْرِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَ الْمَغْرِبِ ثِنْتَيْنِ وَبَعْدَ الْعِشَاءِ رَكْعَتَيْنِ وَقَبْلَ الْفَجْرِ ثِنْتَيْنِ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن شقیق سے روایت ہے کہ پوچھا میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا حال، سو فرمایا انہوں نے پڑھتے تھے قبل ظہر کے دو رکعت اور بعد اس کے دو اور بعد مغرب کے دو اور بعد عشاء کے دو اور قبل فجر کے دو۔

تشریح پہلی بات: اس باب میں عشاء کے بعد دو رکعات کا عنوان قائم کیا حالانکہ حدیث میں ظہر سے پہلے اور ظہر کے بعد اور مغرب کے بعد اور عشاء کے بعد اور فجر سے پہلے کی سنتوں کا ذکر ہے تو باب میں صرف عشاء کی تخصیص کیوں کی؟

جواب: چونکہ ماقبل ابواب میں اور اوقات کی سنتوں کا ذکر گزر چکا تھا، اس لیے عشاء کی سنتوں کے بیان کے مطابق عنوان قائم کیا ہے۔

دوسری بات: عشاء کے بعد کی دو رکعات رواتب ہیں، اس کی دلیل یہی حدیث الباب سے ہے اور دو رکعت غیر رواتب ہیں، اس کی دلیل بخاری شریف میں کتاب العلم کے اندر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے "فصلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم العشاء ثم جاء الی منزله فصلی اربع رکعات ثم نام"

تیسری بات: عشاء کی نماز سے پہلے سنن کا کیا حکم ہے؟ بعض حضرات سنن غیر رواتب میں شمار کرتے ہیں اور ان کی دلیل شرح "منیة المصلی" میں ایک روایت سے ہے کہ "من صلی قبل العشاء أربعا کأنما تهجد من لیلة" لیکن اس کا جواب معارف السنن میں دیا ہے کہ صاحب کبیری سے تسامح ہوا کہ اصل میں یہ حدیث ظہر کی سنتوں کے متعلق تھی تو اس کو عشاء کی سنتوں کے ساتھ نقل کردی۔ حدیث یہ ہے "من صلّی قبل الظهر اربعًا کأنما تهجد لیلة" واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ صَلَاةَ اللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى رات کی نماز دو دو رکعت ہے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى فَإِذَا خِفْتَ الصُّبْحَ فَأَوْتِرْ بِوَاحِدَةٍ وَاجْعَلْ آخِرَ صَلَاتِكَ وِتْرًا.

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز رات کی دو دو رکعت پڑھنا چاہیے، پھر جب خوف ہو تجھے صبح کا تو اس کو ایک رکعت وتر پڑھ اور کر آخر نماز اپنی وتر۔

تشریح مسئلہ اختلافی: اس میں اختلاف ہے کہ رات کے نوافل ایک تکبیر تحریمہ کے ساتھ دو دو زیادہ افضل ہیں یا چار چار رکعت زیادہ افضل ہیں۔

قول اوّل: امام صاحب فرماتے ہیں ایک تحریمہ کے ساتھ چار چار رکعت مطلقاً نوافل زیادہ افضل ہیں۔ عام ازیں لیلی ہوں یا نہاری ہوں۔

قول ثانی: آئمہ ثلاثہ کے ہاں دو دو رکعت نوافل زیادہ افضل ہیں۔ مطلقاً اس کی طرف امام ترمذی نے اشارہ کیا "والعمل علی هذا عند اهل العلم ان صلاة اللیل مثنی مثنی . . . الخ"

قول ثالث: صاحبین کے ہاں دن کے نوافل چار چار زیادہ افضل ہیں اور اگر رات کے ہوں تو پھر دو دو زیادہ افضل ہیں۔

امام صاحب کی دلیل:

نوافل نہار کے متعلق دو قسم کی احادیث ہیں۔ (۱) احادیث "متعلقه بصلٰوة الضحٰی" اور بعض روایتوں میں "یصلی اربعا . . . متبادر الی الذهن" یہی ہے کہ چار رکعتیں ایک سلام کے ساتھ۔

(۲) احادیث "متعلقه بصلٰوة الزوال" کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زوال سے پہلے چار رکعت پڑھتے۔ بعض روایتوں میں

"لیس بینھن تسلیم" اور ظاہر ہے کہ "صلوۃ الضحی" اور "صلوۃ الزوال" دن کے نوافل ہیں اور نوافل لیلی کے بارے میں حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (باب ماجاء فی وضوء صلوۃ النبی باللیل) اس میں تعبیر یوں ہے "یصلی اربعا فلا تسئل عن حسنھن و طولھن ثم یصلی اربعا، یصلی اربعا" ایک سلام کے ساتھ نہ ہوتے تو "یصلی ثمانیا" ہوتا۔ یہ الگ الگ ذکر کرنا دلیل ہے کہ چار رکعتیں ایک سلام کے ساتھ ہیں۔ اگرچہ اس میں احتمال ہے وہ یہ بتلانا چاہتی ہیں کہ چار رکعت کے بعد نوم کا تحلل ہوتا۔ باقی چار رکعتوں میں عام ہے کہ ایک سلام ہو یا دو سلام لیکن متبادر الی الذہن یہی ہے کہ ایک سلام کے ساتھ۔

شوافع کی دلیل اوّل: حدیث الباب حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما "صلوۃ اللیل مثنی مثنی" بمع اس اضافہ کے جو بعض روایتوں میں ہے "صلوۃ اللیل و النھار"

جواب: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اندر "و النھار" کا اضافہ یہ اضافہ معلول ہے۔ لہٰذا اس سے استدلال بھی علیل ہوگا۔ چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما میں اس اضافہ کو نقل کرنے والے عبداللہ بارقی ہیں اس کے علاوہ کوئی اور نقل نہیں کرتا۔ چنانچہ امام نسائی نے اس اضافہ کو ضعیف کہا ہے۔

دلیل ثانی: "باب التخشع فی الصلوۃ" میں حدیث فضل ابن عباس رضی اللہ عنہما "الصلوۃ مثنی مثنی" یہ مطلق ہے۔ لہٰذا یہ اپنے اطلاق و عموم کی وجہ سے لیل و نہار دونوں کو شامل ہے۔

جواب: مابعد میں لفظ ہے "تشھد فی کلّ رکعتین" یہ بیان ہے کہ ہر دو رکعت کے بعد تشہد ہے، یہ مطلب نہیں کہ دو رکعت کے بعد سلام ہے۔

صاحبین کی دلیل: نوافل نہار کے متعلق وہی ہیں جو امام اعظم رحمہ اللہ کی ہیں اور نوافل لیلی کے بارے میں یہی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما "صلوۃ اللیل مثنی مثنی"

جواب (۱): حدیث کے مدلول میں دو احتمال ہیں۔ (۱) افضلیت کا بیان ہو۔ (۲) اباحت کا بیان ہو کم از کم نماز دو رکعتیں ہیں۔ باقی لیلی کا ذکر یا قید بیانِ واقعہ کے لیے ہے احتراز مقصود نہیں۔

جواب (۲): یہ حدیث مؤوّل ہے یعنی ہر دو رکعت کے بعد تشہد ہے۔

سوال: دن کے نوافل کا بھی یہی حال ہے؟

جواب (۱): لیلی کی قید بیانِ واقعہ کے لیے ہے۔

جواب (۲): حدیثیں دونوں قسم کی ہیں۔ لہٰذا اربعا اربعا کو ترجیح ہوگی مشقت زیادہ ہونے کی وجہ سے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ صَلَاةِ اللَّيْلِ رات کی نماز کی فضیلت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ شَهْرُ

اللهِ الْمُحَرَّمُ وَأَفْضَلُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ صَلَاةُ اللَّيْلِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے افضل روزے بعد رمضان کے روزے محرم کے ہیں جو مہینہ ہے اور سب سے افضل نماز بعد فرض کے نماز رات کی ہے۔

تشریح: خلاصہ یہ ہے کہ رمضان کے روزوں کے بعد سب سے افضل روزے محرم کے ہیں اور فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل نماز، نمازِ تہجد ہے۔

"قال ابو عیسٰی" حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ "حدیث حسن" ہے۔ ابو بشر کا نام جعفر بن ایاس ہے اور یہ جعفر بن ابی وحشیہ ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي وَصْفِ صَلَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز شب کی کیفیت میں

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ كَيْفَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَا كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوتِرَ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي.

ترجمہ: حضرت ابی سلمہ سے روایت ہے کہ انہوں نے خبر دی سعید بن ابی سعید مقبری کو کہ پوچھا انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہ کیسی تھی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان میں؟ سو فرمایا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نہیں تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ پڑھتے ہوں رمضان یا غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ، پڑھتے تھے چار رکعت ایسی کہ نہ پوچھ تو ان کے حسن اور طول کو پھر پڑھتے تھے چار رکعت کہ نہ پوچھ ان کے حسن اور طول سے پھر پڑھتے تھے تین رکعت وتر کی سو کہا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا میں نے یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو جاتے ہیں قبل وتر کے سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل جاگتا ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُوتِرُ مِنْهَا بِوَاحِدَةٍ فَإِذَا فَرَغَ مِنْهَا اضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے گیارہ رکعت رات کو وتر کرتے ایک رکعت کے ساتھ پھر جب فارغ ہوجاتے اس سے لیٹ رہتے سیدھے کروٹ پر۔

تشریح یہاں سے امام ترمذی رحمہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے متعلق چند ابواب قائم کیے ہیں۔ ان تمام ابواب کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کی نماز میں مختلف روایات ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کم رکعتیں پڑھتے اور کبھی زیادہ۔ چنانچہ ان سب روایتوں پر عمل جائز ہے۔ ان رکعات کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت نفل پڑھتے، پھر آٹھ رکعت تہجد اور تین وتر، یہ تیرہ رکعات ہیں اور بسا اوقات تین وتر کے بعد دو رکعت اور بھی پڑھتے تو یہ پندرہ ہوئیں۔ اسی طرح گیارہ رکعات کا بھی ذکر ہے۔ اس میں دو نوافل چھ رکعات تہجد اور تین وتر اور اسی طرح نو بھی منقول ہیں۔ دو نوافل چار رکعات تہجد اور تین وتر۔ بقیہ تفصیل آگے ابواب کے ذیل میں آئے گی۔

سوال کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ رمضان میں عبادت میں اضافہ ہوتا تھا تو شاید رمضان میں تہجد میں بھی اضافہ ہو تو جواب دیا کہ نماز کی کیفیت یعنی تہجد کی نماز کی کیفیت رمضان میں وہی ہوتی جو پہلے تھی۔

سوال: چار رکعت کے بعد بھی سونے کا احتمال تھا اس کے متعلق سوال نہ کیا وتر کے بارے میں ہی سوال کیوں کیا؟

جواب: نفلوں میں وہ بعض چیزیں متحمل ہوسکتی ہیں جو فرائض میں نہیں ہوسکتی، ایسا نہیں ہوسکتا کہ حدث ہو اور نبی کو علم نہ ہو۔

بَابٌ مِنْهُ دوسرا باب اسی بیان میں

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو پڑھتے تھے تیرہ رکعتیں۔

تشریح اس باب میں تیرہ رکعات کا ذکر ہے۔

سوال: ماقبل میں گیارہ رکعت کا ذکر ہے اور یہاں تیرہ رکعت کا ذکر ہے؟

جواب: اکثر احوال کے اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نو رکعتیں اور بعض اوقات تیرہ اور بعض میں سات کا بھی ذکر ہے اور شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دو رکعت بھی ثابت ہے۔

بَابٌ مِنْهُ دوسرا باب اسی بیان میں

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ تِسْعَ رَكَعَاتٍ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے نو رکعت رات کو۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا لَمْ يُصَلِّ مِنَ اللَّيْلِ مَنَعَهُ مِنْ ذٰلِكَ النَّوْمُ أَوْ

غَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ صَلَّى مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نماز نہ پڑھ سکتے تھے اور روکتا ان کو اس سے خواب یا لگ جاتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ تو دن کو پڑھتے بارہ رکعتیں۔

تشریح اس باب میں نو رکعات کا ذکر ہے۔نو رکعتیں تہجد اور تین رکعتیں وتر کی ہوتی تھیں۔"عن عائشه غلبته عيناه الخ" بظاہر شبہ ہوتا تھا کہ تہجد کی بھی بارہ رکعتیں ہیں۔

جواب: تہجد کی تو آٹھ ہی ہوتیں اور چار چاشت کی "حدثنا عباس رضی الله عنهما" اس میں زرارہ بن اوفی کی منقبت کا بیان ہے کہ یہ بصرہ کے قاضی تھے اور قاضی ہونے کے ساتھ ساتھ بنو قشیر کی مسجد کے امام تھے اور تقویٰ کا یہ حال تھا ایک مرتبہ فجر میں جب "فاذا نقر فی الناقور" پر پہنچے تو گر پڑے اور وفات پا گئے، بہز بن حکیم کہتے ہیں کہ میت کو اُٹھانے والوں میں میں بھی تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي نُزُولِ الرَّبِّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا كُلَّ لَيْلَةٍ

اللہ تعالیٰ ہر رات دُنیا کے آسمان پر آتے ہیں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَنْزِلُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا كُلَّ لَيْلَةٍ حِينَ يَمْضِي ثُلُثُ اللَّيْلِ الْأَوَّلُ فَيَقُولُ أَنَا الْمَلِكُ مَنْ ذَا الَّذِي يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ مَنْ ذَا الَّذِي يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ مَنْ ذَا الَّذِي يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ فَلَا يَزَالُ كَذَلِكَ حَتَّى يُضِيءَ الْفَجْرُ

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُترتا ہے اللہ برتر اور بڑی عظمت اور شان والا آسمان دُنیا کی طرف ہر رات میں جب گزر جاتی ہے تہائی رات پہلی اور فرماتا ہے میں ہوں بادشاہ کون ہے ایسا کہ پکارے مجھ کو کہ میں جواب دوں اور قبول کروں اس کے پکارنے کو کون ہے کہ سوال کرے مجھ سے کہ میں دوں اس کو جو مانگے کون ہے کہ جو مغفرت مانگے مجھ سے کہ بخش دوں گناہ اس کے پھر اسی طرح ارشاد فرماتا رہتا ہے یہاں تک کہ روشن ہو جاتی ہے فجر۔

تشریح حدیث نزول رب تبارک وتعالیٰ: اس روایت میں ہے کہ جب رات کی پہلی تہائی گزر جاتی ہے تو رب تعالیٰ نزول فرماتے ہیں اور دوسری روایت میں ہے جب رات کی آخری تہائی باقی رہ جاتی ہے تو نزول فرماتے ہیں دونوں میں تعارض ہے۔

جواب: دوسری روایت زیادہ اصح ہے آخری تہائی کے باقی رہنے کے بعد نزول ہوتا ہے۔

سوال: نزول کہتے ہیں مقام عالی سے سافل کی طرف حرکت کرنا اور اس کے مقابلے میں صعود ہے سافل سے عالی کی طرف حرکت کرنا یہ تو اجسام کی صفات ہیں اور حق تعالیٰ تو جسامت سے مبرا اور منزہ ہیں؟

جواب: یہ من قبیل المتشابہات ہے، ان کے بارے میں دو مذہب ہیں۔

(۱) متقدمین فرماتے ہیں "تسلیم مع التفویض مع التنزیھی نزول کما یلیق بشانہ"

(۲) متاخرین کا ہے کہ عوام کالانعام کی توجیہ ذکر کی جائے نزول سے مراد رحمت خاصہ کا نزول، تجلی خاص کا نزول ہوتا ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ بنیادی طور پر چار مذاہب مشہور ہیں۔

مذہب اوّل: مشبہ کا ہےان کے نزدیک ان الفاظ کوظاہری اور حقیقی معنی پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ صفات اللہ تعالیٰ کے لیےاس طرح ثابت ہیں جس طرح حوادث میں ثابت ہوتی ہے، یہ باطل مذہب ہے، یہ اہل سنت والجماعت کی ہمیشہ تردید کرتے ہیں۔

مذہب ثانی: معتزلہ اور خوارج کا ہے یہ باری تعالیٰ کی صفات کا انکار کرتے ہیں۔

مذہب ثالث: جمہور سلف اور محدثین کا قول ہے کہ یہ احادیث متشابہات میں سے ہے۔اس میں غور وخوض نہیں کیا جائے گا بلکہ سکوت اختیار کیا جائے گا۔

مذہب رابع: متکلمین کے نزدیک ان الفاظ کے مجازی معنی مراد ہیں۔مثلاً نزول سے مراد نزول رحمت یا نزول ملائکہ ہیں۔

پہلے دو مذاہب تو باطل ہیں۔البتہ آخری دو مذاہب کا آپس میں اختلاف ہے۔محدثین کا اکثر رجحان تیسرے مذہب کی طرف ہے اور متکلمین کا تاویل کی طرف۔لیکن بعض نے اس میں تطبیق بھی دی ہے کہ جس جگہ بے تکلف تاویل ممکن ہو وہاں تاویل اختیار کی جائے اور جہاں تاویل ممکن نہ ہو وہاں نہ کی جائے۔

سوال: یہ نداء توہمیں سنائی نہیں دیتی پھر اس کا کیا فائدہ؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم مخبر صادق ہیں، ان کا خبر دینا ہی کافی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِرَاءَةِ بِاللَّيْلِ رات کو قرأت کرنا

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِأَبِي بَكْرٍ مَرَرْتُ بِكَ وَأَنْتَ تَقْرَأُ وَأَنْتَ تَخْفِضُ مِنْ صَوْتِكَ فَقَالَ إِنِّي أَسْمَعْتُ مَنْ نَاجَيْتُ قَالَ ارْفَعْ قَلِيلًا وَقَالَ لِعُمَرَ مَرَرْتُ بِكَ وَأَنْتَ تَقْرَأُ وَأَنْتَ تَرْفَعُ صَوْتَكَ قَالَ إِنِّي أُوقِظُ الْوَسْنَانَ وَأَطْرُدُ الشَّيْطَانَ قَالَ اخْفِضْ قَلِيلًا۔

ترجمہ حضرت ابی قتادہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابی بکر سے میں گزرا تم پر سے۔یعنی رات کوتم پڑھتے تھے بہت چپکے سے سوعرض کیا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے میں سنا تا تھا اس کو جس سے مناجات کرتا تھا یعنی خدا کو، فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند کرو تھوڑی آواز اور فرمایا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے میں گزرا تم پر سے یعنی رات کو تو تم پڑھتے تھے بہت بلند آواز سے سو عرض کیا انہوں نے میں جگاتا ہوں سوتوں کو اور بھگاتا ہوں شیطان کو۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذرا چپکے سے پڑھو۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِآيَةٍ مِنَ الْقُرْآنِ لَيْلَةً.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ساری رات پڑھتے رہے نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک آیت قرآن کی۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي قَيْسٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ كَيْفَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ أَكَانَ يُسِرُّ بِالْقِرَاءَةِ أَمْ يَجْهَرُ فَقَالَتْ كُلُّ ذٰلِكَ قَدْ كَانَ يَفْعَلُ رُبَّمَا أَسَرَّ بِالْقِرَاءَةِ وَرُبَّمَا جَهَرَ فَقُلْتُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَعَلَ فِي الْأَمْرِ سَعَةً.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن ابی قیس سے روایت ہے کہ پوچھا میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کیسی تھی قرأت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کو؟ تو فرمایا ہر طرح سے قرأت کرتے تھے کبھی چپکے سے پڑھتے تھے اور کبھی زور سے، کہا میں نے سب تعریف ہے اس اللہ کو جس نے دین کے کام میں وسعت رکھی۔

تشریح سوال: اتنا جہر کرنا کہ سونے والے بیدار ہو جائیں یہ تو جائز نہیں؟

جواب: حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اس صورت میں ہے جب سب کی عادت جاگنے کی ہو اور اُٹھنا چاہتے ہوں تو ایسی صورت میں ممنوع نہیں۔ "حدثنا قتادۃ" اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ مناجات مع اللہ سے ذرا نزول اختیار کر کے مخلوق خدا کی نفع رسانی کا اور اعداء اللہ کی سرکوبی کا بھی خیال کرو شیطان کو دوڑاؤ۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو کہا کہ مخلوق خدا کی نفع رسانی کے ساتھ اور اعداء اللہ کی سرکوبی کے ساتھ ذرا صعود کا مقام بھی حاصل کرو۔ معلوم ہوا کہ دین اپنی سوچ کا نام نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ صَلَاةِ التَّطَوُّعِ فِي الْبَيْتِ نفل گھر میں پڑھنے کی فضیلت

عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَفْضَلُ صَلَاتِكُمْ فِي بُيُوتِكُمْ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ

ترجمہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے افضل تمہاری نماز وہی ہے جو گھر میں پڑھی جائے مگر فرض یعنی اس کا جماعت سے اور مسجد ہی میں پڑھنا افضل ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلُّوا فِي بُيُوتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوهَا قُبُورًا.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز پڑھو اپنے گھروں میں اور نہ بناؤ ان کو قبریں یعنی قبرستان کی طرح گھروں کو (نماز سے خالی نہ رکھو)۔

تشریح "حدثنا اسحٰق بن منصور، لاتتخذوھا قبورا" اس کا ایک معنی یہ ہے کہ مردوں کو اپنے گھروں میں دفن نہ کرو کیونکہ اس سے قبروں کا احترام وعظمت حاصل نہ ہوگی اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان کے ساتھ قبرستان والا معاملہ نہ کرو کہ جس طرح قبرستان میں نماز نہیں پڑھی جاتی کہ گھروں میں بھی تم نماز چھوڑ دو یعنی گھروں میں نماز پڑھا کرو۔

أَبْوَابُ الوِتْرِ وتر کے ابواب

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الوِتْرِ وتر کی فضیلت

عَنْ خَارِجَةَ بْنِ حُذَافَةَ أَنَّهُ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ اللهَ أَمَدَّكُمْ بِصَلَاةٍ هِيَ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ الوِتْرُ جَعَلَهُ اللهُ لَكُمْ فِيمَا بَيْنَ صَلَاةِ العِشَاءِ إِلَى أَنْ يَطْلُعَ الفَجْرُ

ترجمہ: حضرت خارجہ بن حذافہ سے روایت ہے کہ نکلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور فرمایا اللہ نے تمہاری مدد کی ہے ایک نماز سے کہ بہتر ہے تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے وہ وتر ہے مقرر کیا ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے نمازِ عشاء کے بعد سے طلوع فجر تک یعنی یہ اس کا وقت ہے۔

تشریح: پہلی بات: وتر اور صلوٰۃ التہجد الگ الگ نمازیں ہیں، اس کے متعلق مختلف دلائل ہیں۔

پہلی دلیل: محدثین نے اپنی کتب میں ان دونوں کے لیے الگ الگ ابواب قائم کیے ہیں۔

دوسری دلیل: احادیث میں وتروں کے لیے تاکیدی الفاظ قائم کیے ہیں جو کہ تہجد کی نماز کے لیے استعمال نہیں کیے۔

تیسری دلیل: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں تہجد کی نماز سواری پر ادا کی جبکہ وتر سواری سے اُتر کر پڑھے اور جو وتر سواری کے اوپر پڑھے، وہ ان کے وجوب ہونے سے قبل پڑھے۔

چوتھی دلیل: وتروں کی قضاء کا حکم فرمایا جبکہ تہجد کی قضاء کا حکم نہیں فرمایا، وتروں کی نماز الگ ہے اور تہجد کی نماز الگ ہے لیکن مجازاً اور تغلیباً صلوٰۃ اللیل کی ساری نمازوں کو صلوٰۃ وتر کہا گیا۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الوِتْرَ لَيْسَ بِحَتْمٍ وتر فرض نہیں ہے

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ الوِتْرُ لَيْسَ بِحَتْمٍ كَصَلَاتِكُمُ المَكْتُوبَةِ وَلٰكِنْ سَنَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ إِنَّ اللهَ وِتْرٌ يُحِبُّ الوِتْرَ فَأَوْتِرُوا يَا أَهْلَ القُرْآنِ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا وتر کچھ فرض نہیں جیسے نماز پنجگانہ فرض ہے لیکن سنت ٹھہرایا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، فرمایا اللہ وتر ہے یعنی طاق ہے دوست رکھتا ہے وتر کو سو پڑھا کرو وتر اے قرآن والو۔

تشریح: پہلا مسئلہ: وتروں کی کیفیت کیا ہے؟

قولِ اوّل: امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں واجب ہیں۔

قول ثانی: صاحبین وجمہور کے ہاں سنت مؤکدہ قریبہ الی الواجب ہے۔

امام صاحب کی دلیل: وہ احادیث جن میں وتروں کو فرضوں کے ساتھ الحاق کیا گیا ہے۔ جیسے حدیث خارجہ بن حذافہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے تمہارے لیے ایک نماز کو زائد کردیا اور وہ تمہارے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ بہتر ہے اور وہ وتر ہے اس کا وقت صلوٰۃ العشاء سے طلوع فجر سے پہلے پہلے ہے۔ اس حدیث سے بوجوہ ثلاثہ ہمارا استدلال ہے۔ (۱) اس میں زیادتی کی نسبت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف ہے اور سنت کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوتی ہے۔ (۲) اس میں وتروں کی نماز کو کہا کہ اللہ نے زائد کیا ہے اور قاعدہ ضابطہ یہ ہے کہ مزید مزید علیہ کی جنس ہوتا ہے لیکن یہ فرائض قطعیہ نہیں کیونکہ یہ خبر واحد ہے اور خبر واحد سے کسی چیز کو فرض قرار نہیں دیا جاسکتا۔ البتہ واجب کہیں گے۔ (۳) وقت کی تعیین ہے پھر نسبت بھی اللہ کی طرف ہے اور عموماً اوقات کی تعیین فرائض میں ہوتی ہے۔

دلیل ثانی: وہ احادیث متعلقہ بالوتر جن میں وتروں کی نماز کا حکم بصیغہ امر دیا گیا ہے اور جب قرینہ صارفہ عن الوجوب نہ ہو توامر وجوب پر محمول ہوتا ہے۔ جیسے مابعد میں حدیث علی رضی اللہ عنہ کا اخیری حصہ اوتروا یا اھل القرآن۔

سوال (۱): یہاں وتر سے مراد نماز تہجد ہے اور اہل قرآن سے حفاظ ہیں چنانچہ اسحاق بن راہویہ سے یہی تفسیر منقول ہے اے حفاظ قرآن تہجد میں قرآن پڑھا کرو؟

جواب: جیسے اس معنی کا احتمال ہے ایسے ہی یہ بھی احتمال ہے کہ وتر کا معنی مراد ہو اور اہل قرآن سے مراد مسلمان ہوں۔ اب معنی ہوگا کہ اے مسلمانو! نماز وتر پڑھو اور ہمارا استدلال دوسرے معنی کے اعتبار سے ہے۔

سوال (۲): حدیث علی میں اوتروا یا اھل القرآن کا اضافہ ثابت ہی نہیں۔ چنانچہ دوسرا طریق رواہ سفیان الثوری نقل کیا، اس میں یہ اضافہ موجود ہی نہیں اور آپ کا استدلال تب ثابت ہو جب یہ اضافہ بھی ثابت ہو؟

جواب (۱): اگرچہ سفیان الثوری توان لفظوں کو ذکر نہیں کر رہے لیکن ابوبکر بن عیاش اس اضافہ کو نقل کر رہے ہیں اور ابوبکر بن عیاش ثقہ ہیں اور زیادۃ ثقہ مقبولۃ یہ مخالفت ثقہ بھی نہیں اس لیے کہ مخالفت تب ہوتی جب سفیان ثوری نفی کرتے حالانکہ وہ ساکت ہیں۔ لہٰذا یہ زیادۃ ثقہ کے قبیل سے ہے۔

جواب (۲): ابوبکر بن عیاش اس اضافہ کو نقل کرنے میں متفرد بھی نہیں ہیں بلکہ متابع موجود ہے۔ (۱) منصور بن المعتمر و قدروی منصور بن المعتمر۔

دلیل ثالث: وہ احادیث متعلقہ بالوتر جن میں وتروں کی قضاء کا حکم دیا گیا ہے، مابعد میں مستقل باب آئے گا اور ظاہر ہے کہ قضاء فرائض ہی کی ہوتی ہے جیسے مابعد حدیث ابوسعید خدری ہے کہ جس کے وتر رہ جائیں، وہ صبح پڑھ لے۔

دلیل رابع: وہ احادیث متعلقہ بالوتر جن میں وتروں کے ترک پر وعید شدید کا بیان ہے۔ بعض روایتوں میں "من لم یوتر فلیس منا" اور اس قسم کی وعید ترک واجب پر ہی ہوتی ہے۔

دلیل خامس: وہ احادیث متعلقہ بالوتر جن میں الوتر واجب علی کل مسلم کہا گیا ہے، طریق استدلال یہ ہے کہ علیٰ کا کلمہ لزوم کے لیے ہوتا ہے اور لزوم فرائض میں ہی ہوتا ہے خواہ قطعیہ ہوں یا عملیہ ہوں۔

صاحبین و جمہور کی دلیل اوّل: قول علی رضی اللہ عنہ (باب ماجاء ان الوتر لیس بحتم) الوتر لیس بحتم کصلوتکم المکتوبۃ

جواب (۱): یہاں جو فرضیت کی نفی ہے یہ فرضیت قطعی کی نفی ہے کہ ایسے فرض نہیں جیسے فرض نماز ہے اور یہ تو ہم بھی نہیں کہتے کہ یہ فرض قطعی ہے جس کی نفی ہے اس کے ہم قائل نہیں اور جس کے قائل ہیں اس کی نفی نہیں۔

جواب (۲): قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولیٰ بالاستدلال ہے قول صحابی سے۔

دلیل ثانی: حدیث اعرابی حدیث ضمام بن ثعلبہ، ارکانِ اسلام کے متعلق سوال کیا تو فرمایا، دن رات میں پانچ نمازیں ہیں، اس نے کہا "هَلْ عليَ غيرهُنَ" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لا اِلاَّ اَن تطوّع"

جواب (۱): اس حدیث میں پانچ نمازوں کے علاوہ فرض قطعی کی نفی ہے۔

جواب (۲): نفی ہے ہی نہیں پانچ نمازوں میں عشاء کا ذکر ہے اور یہ وتر بھی عشاء کے توابع میں سے ہیں۔

دلیل ثالث: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما "المتعلق لصلوۃ الوتر علی الرّاحلۃ" اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وتروں کو سواری پر ادا کیا اور سواری پر نفل کی گنجائش ہے نہ کہ واجب کی۔

جواب (۱): ممکن ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عذر کی وجہ سے ادا کیے ہوں اور عذراً تو فرائض بھی جائز ہیں۔

جواب (۲): یہاں ذکر کیا وتر کو اور مراد لیا صلوٰۃ تہجد کو اور ایسے ہوتا رہتا ہے۔

جواب (۳): ممکن ہے کہ اس زمانہ کا واقعہ ہو جب ابھی وتروں کا وجوب نہ ہوا ہو، لہٰذا زمانہ میں وتر بھی تطوع تھے۔ الحاصل یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک فرائض قطعی اور سنت کے درمیان ایک مرتبہ ہے جس کو واجب سے تعبیر کرتے ہیں اور جمہور حضرات کے نزدیک یہ درجہ و مرتبہ نہیں ہے اس لیے سنت سے تعبیر کر دیتے ہیں لیکن ان کی وہ حیثیت نہیں جو عام مسنون کی ہے۔

دوسرا مسئلہ: وتر ایک رکعت ہے یا تین رکعت ہیں؟

قول اوّل: احناف کے ہاں تین رکعت متعین ہیں۔

قول ثانی: شوافع کے ہاں تین رکعت بھی جائز ہیں اور ایک رکعت بھی جائز ہے۔ البتہ شوافع اور مالکیہ میں تھوڑا سا فرق و اختلاف ہے۔ شوافع کہتے ہیں کہ مطلقاً ایک رکعت جائز ہے اور مالکیہ کہتے ہیں بشرطیکہ اس سے پہلے شفعہ ہو۔

احناف کی دلیل اوّل: احادیث "متعلقہ بالقرأۃ فی رکعۃ الوتر" کہ جن احادیث میں تین رکعتوں کی قرأت کا ذکر ہے اگر ایک رکعت ہوتی تو ایک رکعت کی قرأت کا بیان ہوتا، کوئی بھی حدیث ایسی نہیں جس میں صرف ایک رکعت کی قرأت پر

اکتفا کیا ہو، ایسی احادیث تقریباً ۲۰ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔

دلیل ثانی: حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کو گیارہ رکعتیں پڑھتے "یصلی اربعًا لاتسئل عن حسنھن" اور آگے ہے "ثمّ یصلّی ثلاثًا" یہ مضارع استمرار پر دال ہے۔ معلوم ہوا کہ زندگی کا معمول تین رکعت تھا۔

دلیل ثالث: وہ احادیث متعلقہ بالوتر جن میں وتر اللیل کو وتر النھار کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور وتر النھار صلوٰۃ المغرب ہے۔ لہٰذا اس تشبیہ کا مقتضی بھی یہی ہے کہ وتر اللیل بھی تین رکعت ہیں۔

دلیل رابع: نظر طحاوی، وتر دو حال سے خالی نہیں فرض ہوں گے یا سنت ہوں گے، اگر فرض ہوں تو یہ تین قسم پر ہیں۔

(۲) رکعت (۳) رکعت (۴) رکعت اور ظاہر ہے کہ کوئی فرض بھی ایک رکعت والا یا پانچ والا نہیں چار اور دو رکعت والے بھی نہیں بن سکتے۔ لہٰذا فرض ہونے کی تقدیر پر یہ تین ہوں گے اور اگر سنت ہیں تو سنت کے لیے ضروری ہے کہ اس کی نظیر فرضوں میں موجود ہو اور فرض تین قسم پر ہیں اور ظاہر ہے کہ فرضوں کی نظیر (۲) یا چار تو بن نہیں سکتے، اس لیے کہ اگر دو یا چار ہوں تو پھر وتر نہ رہیں گے اور پانچ بھی نہیں بن سکتے۔ لہٰذا تین رکعت قرار دینے پر اس کی نظیر فرضوں میں موجود ہے۔

شوافع کی دلیل اوّل: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما صحیحین میں ہے "الوتر رکعۃ من اخر اللّیل" یہ صریح ہے۔

دلیل ثانی: وہ احادیث متعلقہ بالوتر جن میں یہ الفاظ ہیں "ثمّ اوتر بوترٍ واحدٍ" اس کا معنی ہے منفرد یعنی واحد بمعنی منفرد۔

دلیل ثالث: عمل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، ان کا عمل بھی ایک رکعت وتر کا تھا۔

دلیل اوّل کا جواب: "الوتر رکعۃ من آخر اللّیل" اس کا مطلب یہ نہیں کہ وتر عملی طور پر ایک رکعت پڑھے جائیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں، وتریت کی شان پیدا ہوتی ہے اور وتریت کی ماہیت کا جو تحقق ہوتا ہے یہ ایک رکعت ملانے کے ذریعے ہوتا ہے ورنہ ہزاروں شفعہ پڑھ لیں، ان میں وتریت کی ماہیت پیدا نہ ہوگی جب تک ایک رکعت نہ ملائی جائے چونکہ وتریت کی شان کا تحقق ایک رکعت کے ملانے سے پیدا ہوتا ہے، اس وجہ سے مبالغۃً یہی تعبیر کر دی، یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے الحج عرفۃ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حج صرف عرفہ کا نام ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ حج کا ایک اہم اور بڑا رکن ہے جو شخص اس کو پالے وہ قضاء سے محفوظ ہوتا ہے، اس پر قرینہ یہ ہے کہ عملاً ایک رکعت پر اکتفاء کسی حدیث صحیح سے ثابت نہیں۔

دلیل ثانی کا جواب: واحدہ سے واحدہ منفردہ نہیں بلکہ واحدہ مضمومہ مع الشفع السابق یعنی ایک رکعت کو ملانے کے ذریعے اس کو وتر بنا لیتے، اس جواب سے ابوداؤد کی ایک روایت ایوب مانع ہے وہاں جواب بھی آجائے گا۔

پہلی اور دوسری حدیث کا مشترکہ جواب: یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے جب "نھی عن البتیرۃ" نہ تھی بعد میں نہی ہوگئی تو یہ حکم منسوخ ہوگیا۔

دلیل ثالث کا جواب: یہ حضرت کا اجتہاد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے غلام نے ان کو دیکھا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بتلایا اور یہ بتلانا بھی قرینہ ہے کہ عام صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ معمول نہ تھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ان کو رہنے دو، مجتہد ہیں اجتہاد کیا ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول دلیل ہے کہ وتروں کی ایک رکعت پر کوئی نص نہیں۔

تیسرا مسئلہ: وتر جب تین رکعت پڑھے جائیں تو طریقہ کیا ہے؟

قول اوّل: احناف کے ہاں رکعت ثلاثہ موصولہ بسلام واحد ہے، یعنی اخیر میں ایک ہی سلام ہوگا۔

قول ثانی: آئمہ ثلاثہ کے ہاں اگر تین رکعت پڑھے تو مفصولہ بسلامین یعنی دو رکعت کے بعد سلام پھیرے، پھر تیسری رکعت کے بعد سلام پھیرے۔

احناف کی دلیل اوّل: حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا "الذی اخرجہ نسائی، کان لا یسلم فی رکعتی الوتر"

دلیل ثانی: حدیث ابی بن کعب "اخرجہ نسائی، لا یسلم الاّ فی اٰخرھن"

دلیل ثالث: حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا "ثمّ یصلی ثلاثًا" یہ تعبیر دال ہے کہ ایک سلام کے ساتھ ورنہ تعبیر یوں ہوتی "ثمّ یصلی ثلثین و رکعۃً"

دلیل رابع: وہ احادیث متعلقہ بالوتر جن میں وتر النہار کے ساتھ تشبیہ دی اور وہ موصولہ بسلام واحد ہے۔

آئمہ ثلاثہ کی دلیل: امام طحاوی رحمہ اللہ نے عمل ابن عمر رضی اللہ عنہما ذکر کیا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما "اشدُّ حریصًا علی اتباع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم"

جواب (۱): مؤوّل ہے سلام سے مراد تشہد ہے۔

جواب (۲): حسن بصری رحمہ اللہ کے سامنے عمل ابن عمر رضی اللہ عنہما ذکر کیا گیا تو فرمایا ان کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ زیادہ اُفقہ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اکابر صحابہ کے عمل سے استدلال کرو اور بعض روایتوں میں ہے کہ دو رکعت کے بعد اپنے خادم کو کوئی کام بھی بتلا دیتے، یہ تو تمہارے ہاں بھی جائز نہیں۔ "فما ھو جوابکم فھو جوابنا"

چوتھا مسئلہ: مافوق الثلاث بھی وتر جائز ہیں یا نہیں؟

قول اوّل: احناف کے نزدیک لا یجوز صرف اور صرف تین ہیں۔

قول ثانی: شوافع کے نزدیک مافوق الثلاث بھی جائز ہیں۔ چنانچہ گیارہ رکعت تک تو ان کا قول متفق علیہ ہے اور اس سے زائد کے متعلق دو قول ہیں۔

شوافع کا مستدل: حدیث الباب، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گیارہ، سات، پانچ، نو وتر پڑھنا ثابت ہے۔

جواب: ان احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز تہجد اور وتروں کے مجموعہ کو وتر سے تعبیر کر دیا جس پر قرینہ حضرت

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تعبیر ہے۔ فرماتی ہیں "یوتر باربعٍ وثلاث یوتر بستٍ وثلاثٍ، یوتر بثمانیة وثلاثٍ" یہ تعبیر دال ہے کہ معطوف علیہ کی اور نوعیت ہے اور معطوف کی اور نوعیت ہے لیکن مجموعہ "من حیث المجموعة" وتر سے تعبیر کر دیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ النَّوْمِ قَبْلَ الْوِتْرِ وتر سے پہلے سونا مکروہ ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَمَرَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أُوتِرَ قَبْلَ أَنْ أَنَامَ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حکم کیا مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں وتر پڑھ لیا کروں سونے سے پہلے۔

تشریح نوم قبل الوتر کے متعلق احادیث دونوں قسم کی ہیں، سونے سے پہلے پڑھے اور سونے کے بعد آخر لیل میں پڑھے، تطبیق یہ ہے کہ اگر اخیر رات میں اُٹھنے کا اعتماد ہو تو پھر سونے کے بعد اور اگر اُٹھنے کا اعتماد نہ ہو تو پھر سونے سے پہلے پڑھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوِتْرِ مِنْ أَوَّلِ اللَّيْلِ وَآخِرِهِ وتر اوّل شب اور آخر شب دونوں میں پڑھنا درست ہے

عَنْ مَسْرُوقٍ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ عَنْ وِتْرِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ مِنْ كُلِّ اللَّيْلِ قَدْ أَوْتَرَ أَوَّلَهُ وَأَوْسَطَهُ وَآخِرَهُ، فَانْتَهَى وِتْرُهُ حِينَ مَاتَ وَجْهَ السَّحَرِ.

ترجمہ حضرت مسروق سے روایت ہے کہ انہوں نے پوچھا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر کا حال، سو فرمایا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ساری رات میں جب چاہے وتر پڑھ لیتے اوّل شب بھی اور اوسط شب اور آخر شب میں یہاں تک کہ مقرر ہو گیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر کا وقت جب وفات ہوئی چھٹے حصے میں آخر شب کے۔

تشریح خلاصہ یہ ہے کہ عشاء کے بعد رات کے پہلے حصے میں یا اخیری حصے میں یا درمیانی حصے میں بہرکیف جس حصے میں بھی وتر پڑھے جائیں وہ اداء ہی ہوں گے۔ بشرطیکہ صبح صادق سے پہلے ہوں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوِتْرِ بِسَبْعٍ وتر کی سات رکعتوں کے بیان میں

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوتِرُ بِثَلَاثَ عَشْرَةَ فَلَمَّا كَبِرَ وَضَعُفَ أَوْتَرَ بِسَبْعٍ

ترجمہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وتر پڑھتے تھے تیرہ رکعت پھر جب بوڑھے ہوئے اور ضعف آیا تو پڑھنے لگے وتر سات رکعت۔

تشریح اختلافی مسئلہ وتر کی کتنی رکعات ہیں، ماقبل مسئلہ ۲ کے ذیل میں گزر چکا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الوِتْرِ بِخَمْسٍ وتر کی پانچ رکعات پڑھنا

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ صَلَاةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً يُوتِرُ مِنْ ذٰلِكَ بِخَمْسٍ لَا يَجْلِسُ فِي شَيْءٍ مِنْهُنَّ إِلَّا فِي آخِرِهِنَّ فَإِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ قَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ تھی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیرہ رکعت، وتر میں وتر پڑھتے اس میں سے پانچ رکعت کہ نہ بیٹھتے اس میں مگر اخیر میں پھر جب اذان دیتا موذن کھڑے ہوکر دو رکعت پڑھتے بہت ہلکی یعنی قرأت اس میں کم ہوتی۔

تشریح: سوال: حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دو، چار رکعتوں کے بعد تشہد نہیں ہوتا تھا، ایک تحریمہ کے ساتھ اور پانچ رکعتیں ایک تشہد سے پڑھنا یہ شوافع کے نزدیک تو جائز ہے لیکن یہ حدیث احناف کے خلاف ہے۔

جواب (۱): جلوس للتشہد کی نفی نہیں ہے بلکہ جلوس للاستراحت کی نفی ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ تیرہ رکعتوں میں آٹھ تہجد کی ہوتیں، چار کے بعد آرام کر لیتے، جب آخری پانچ رکعتیں بچ جاتیں جن میں سے تین وتر اور دو نوافل کے بعد تو ان تین رکعت کے بعد جلوس للاستراحت نہ ہوتا بلکہ پانچ رکعت پڑھنے کے بعد آرام فرماتے۔

توجیہ ثانی: پہلی آٹھ رکعت تہجد کی ہوتی، عموماً کھڑے ہوکر پڑھتے یعنی قرأت قائماً ہوتی لیکن اخیر میں وفات سے ایک برس پہلے آٹھ رکعت میں بیٹھ کر قرأت کرتے لیکن اخیری پانچ رکعتوں میں وتروں کی قرأت ہمیشہ کھڑے ہوکر کرتے، پھر دو رکعت میں بیٹھ کر قرأت کرتے، جلوس للقرأت کی نفی ہے۔

توجیہ ثالث: اس حدیث کو عروہ سے نقل کرنے والے جیسے ہشام ہیں، اسی طرح زہری بھی ہیں اور ہشام کے مقابلے میں زہری زیادہ فائق ہے۔ ان کی حدیث میں یہ مضمون والفاظ نہیں، یہ صرف ہشام کی روایت میں ہیں۔ لہٰذا زہری کی حدیث راجح ہے۔

توجیہ رابع: امام مالک سے منقول ہے۔ ابن عبدالبر نے نقل کیا ہے کہ جب تک ہشام مدینہ میں رہے تو روایت کو زہری کی طرح بیان کرتے رہے، جب وہاں سے چلے گئے تو پھر یوں بیان کرتے جیسے ترمذی میں موجود ہے تو معلوم ہوا کہ اس کا منشاء راوی کا اشتباہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الوِتْرِ بِثَلَاثٍ وتر میں تین رکعتیں ہیں

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوتِرُ بِثَلَاثٍ يَقْرَأُ فِيهِنَّ بِتِسْعِ سُوَرٍ مِنَ الْمُفَصَّلِ يَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ بِثَلَاثِ سُوَرٍ آخِرُهُنَّ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے وتر کی تین رکعت اور پڑھتے تھے اس میں سے نو سورتیں مفصل سے پڑھتے ہر رکعت میں تین سورتیں کہ اخیر میں ان کی قل ھو اللہ احد ہوتی۔

تشریح اس حدیث کی شرح بھی ماقبل مسائل کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

"کان یصلی الرکعتین والاذان فی اذنہ" اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سنت پڑھتے کہ جب اقامت ہو رہی ہوتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شخص کی طرح سنتیں پڑھتے کہ اُدھر اقامت اس کے کانوں پڑ رہی ہو تو پھر وہ بہت اختصار کرے گا، ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی سنتوں میں مختصر قرأت کرتے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الوِتْرِ بِرَكْعَةٍ وتر میں ایک رکعت پڑھنا

عَنْ أَنَسِ بْنِ سِيرِينَ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ فَقُلْتُ أُطِيلُ فِي رَكْعَتَي الفَجْرِ فَقَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى وَيُوتِرُ بِرَكْعَةٍ وَكَانَ يُصَلِّي الرَّكْعَتَيْنِ وَالأَذَانُ فِي أُذُنِهِ

ترجمہ حضرت انس بن سیرین سے روایت ہے کہ پوچھا میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کیا دراز کروں میں قرأت کو فجر کی سنتوں میں؟ سو فرمایا انہوں نے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے رات کو دو دو رکعت اور وتر پڑھتے ایک رکعت اور دو رکعت پڑھتے اس وقت کہ اذان کی آواز ان کے کان میں آتی یعنی قرأت نہایت کم ہوتی۔

تشریح:...... "قال ابو عیسی" امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انسان دو رکعتیں پہلے ادا کرلے، پھر ایک رکعت ملائے، یہی قول امام مالک، امام شافعی، احمد، اسحاق کا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا يُقْرَأُ فِي الوِتْرِ وتر نماز میں کیا پڑھے؟

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الوِتْرِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الأَعْلَى وَقُلْ يَا أَيُّهَا الكَافِرُونَ وَقُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ فِي رَكْعَةٍ رَكْعَةٍ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے وتر میں "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الأَعْلٰی" اور "قُلْ یَا أَیُّهَا الکَافِرُونَ" اور "قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ" ایک ایک سو ایک ایک رکعت میں

عَنْ عَبْدِ العَزِيزِ بْنِ جُرَيْجٍ قَالَ سَأَلْنَا عَائِشَةَ بِأَيِّ شَيْءٍ كَانَ يُوتِرُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ يَقْرَأُ فِي الأُولَى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الأَعْلَى وَفِي الثَّانِيَةِ بِقُلْ يَا أَيُّهَا الكَافِرُونَ، وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ وَالمُعَوِّذَتَيْنِ.

ترجمہ حضرت عبدالعزیز بن جریج سے روایت ہے کہ پوچھا میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کیا پڑھتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں؟ فرمایا انہوں نے پڑھتے تھے پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلی اور دوسری میں قل یایها الکافرون اور تیسری میں قل ھو اللہ احد اور معوذتین

یعنی قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس۔

تشریح "قل ھو اللہ الخ" اور معوذتین کے درمیان واؤ مطلق جمع کے لیے ہے ورنہ ترتیب خراب ہوگی، یعنی اگر واؤ کو ترتیب کے لیے مانا جائے۔

سوال: اگر اس ترتیب کے مطابق قرأت کی جائے تو آخری میں تین سورتیں اور دوسری میں ایک یہ تو تیسری رکعت لمبی ہو جائے گی اور یہ ضابطہ کے خلاف ہے؟

جواب (۱): پہلا شفعہ مستقل نماز ہے اور دوسرا شفعہ مستقل نماز ہے لہٰذا ضابطہ کے خلاف نہیں ہے۔

جواب (۲): جن میں صرف قل ھو اللہ کا ذکر ہے وہ روایات راجح ہیں۔

"عن عبد العزیز بن جریج" اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ عبد العزیز جریج کے بیٹے ہیں اور لاحق والی کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ عبد العزیز والد ہیں اور جریج بیٹا ہے؟

جواب: اس کا مطلب یہ ہے کہ عبد العزیز اس کے والد ہیں جو ابن جریج کے نام سے مشہور ہے اور وہ عبد الملک ہے اس کی نسبت دادا کی طرف ہے، نسب یوں ہے عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي القُنُوتِ فِي الوِتْرِ وتر میں قنوت پڑھنے سے متعلق

عَنْ أَبِي الحَوْرَاءِ قَالَ قَالَ الحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ عَلَّمَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَاتٍ أَقُولُهُنَّ فِي الوِتْرِ اللَّهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْطَيْتَ وَقِنِي شَرَّ مَا قَضَيْتَ فَإِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضَى عَلَيْكَ وَإِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ۔

ترجمہ حضرت ابی الحوراء سے روایت ہے کہ کہا حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے سکھائے مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ کلمات کہ کہا کروں میں ان کو وتر میں اللھم سے آخر تک اور معنی اس کے یہ ہیں: یا اللہ! ہدایت کر مجھ کو ان میں جن کی ہدایت کی تو نے اور عافیت دے مجھے ان میں جن کو عافیت دی تو نے اور ضامن ہو جا میرا ان میں جن کی ضمانت کی تو نے اور برکت دے مجھ کو اس میں جو دیا ہے تو نے مجھ کو اور بچا اس کے شر سے جو تقدیر میں لکھا ہے تو نے اس لیے کہ تو حکم کرتا ہے اور تجھ پر کوئی حکم نہیں کرسکتا اور نہیں ذلیل ہوتا جس کا تو متکفل ہو بڑی برکت والا ہے تو رب ہمارا اور بلندی والا۔

تشریح مسئلہ اولی: جمہور کے نزدیک قنوت فی الوتر مشروع ہے لیکن مالکیہ کا ایک غیر مشہور قول یہ بھی ہے کہ قنوت فی الوتر مشروع نہیں۔

مسئلہ ثانیہ: قنوت فی الوتر میں وجوب کے درجے میں کوئی دُعا متعین ہے یا نہیں؟ اس پر تو اجماع ہے کہ وجوب کے درجہ میں کوئی دُعا متعین نہیں، البتہ اولویت کے درجہ میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: احناف کے ہاں اولویت کے درجہ میں دُعائے استعانت یعنی "اللّٰھمّ انا نستعینک الخ" افضل ہے۔

قول ثانی: حضرات شوافع کے نزدیک دُعائے ہدایت افضل ہے جو حدیث میں موجود ہے "اللّٰھمّ اھدنی فیمن ھدیت ... الخ"

وجہ افضلیت: احناف کی وجہ افضلیت یہ ہے کہ حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے الاتقان میں ذکر کیا ہے کہ حقیقت میں یہ قرآن کی دو سورتیں ہیں، کسی زمانے میں ان کو وحی الٰہی کا شرف حاصل تھا، اب ظاہر ہے کہ وہ الفاظ جن کو وحی الٰہی کا شرف حاصل ہے ان کو زیادہ فضیلت حاصل ہوگی، ان کے مقابلے میں جن کو وحی متلو کا شرف حاصل نہ ہو۔ شوافع کے ہاں وجہ افضلیت کی دلیل حدیث الباب ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات سکھائے، یعنی دُعائے ہدایت۔

جواب: یہ جواز پر محمول ہے اگر منفرد ہو تو دونوں کو جمع کر سکتا ہے۔

مسئلہ ثالثہ: قنوت فی الوتر دائمی ہے یا رمضان کے نصف اخیر کے ساتھ مختص ہے؟

قول اوّل: احناف وحنابلہ کے نزدیک دائمی ہے۔ یہ قول عبداللہ بن مسعود کا ہے "القنوت فی الوتر فی السنۃ کلھا ... وھو قول بعض اھل العلم وبہ یقول سفیان ثوری"

قول ثانی: شوافع و مالکیہ کے ہاں یہ مختص ہے رمضان کے نصف اخیر کے ساتھ۔ اس کی طرف امام ترمذی کا قول ہے "وقد ذھب بعض اھل العلم الی ھذا وبہ یقول الشافعی واحمد"

احناف کی دلیل اوّل: احادیث متعلقہ بقنوت الوتر جن میں زمانہ کی تخصیص نہیں۔ مثلاً حدیث حسن بن علی رضی اللہ عنہما کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت سکھلائی یہ مطلق ہے۔

شوافع کی دلیل: وہ روایات جن میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے نصف اخیر میں ہی قنوت پڑھتے جیسے عمل علی بن ابی طالب۔ "وقد روی عن علی بن ابی طالب انہ کان لایقنت الافی النصف الاخر"

احناف کی دلیل ثانی: تعامل صحابہ امام ترمذی نے عمل ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو نقل کیا، ان کا عمل پورے سال میں قنوت پڑھنے کا تھا۔

شوافع کی دلیل کا جواب (۱): اس قنوت سے مراد قنوت متعارضہ نہیں بلکہ قیام طویل مراد ہے کہ رمضان کے اخیر میں قیام طویل کرتے۔

جواب (۲): اگر قنوت متعارضہ مراد لیں تو یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنا اجتہاد ہے۔

جواب (۳): امام ترمذی رحمہ اللہ نے احناف کا مستدل بصیغہ معروف ذکر کیا یعنی فرأی کے ساتھ نقل کیا اور شوافع کا مستدل بصیغہ مجہول ذکر کیا۔ لہٰذا احناف کا مستدل اقویٰ ہے۔

مسئلہ رابع: قنوت قبل از رکوع ہے یا بعد از رکوع ہے۔
قول اوّل: احناف کے نزدیک قبل از رکوع ہے واختار قبل الرکوع۔
قول ثانی: شوافع کے ہاں بعد از رکوع ہے۔
احناف کی دلیل اوّل: عمل ابن مسعود رضی اللہ عنہ "واخبار القنوت قبل الرّکوع"
دلیل ثانی: حدیث ابی بن کعب "اخرجه ابو داؤد، ان رسول الله کان یوتر ویقنت قبل الرّکوع"
دلیل ثالث: علقمہ کا قول کہ ابن مسعود اور اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے۔

شوافع کا مستدل:

عمل حضرت علی رضی اللہ عنہ۔
جواب (۱): قنوت نازلہ مراد ہے۔
جواب (۲): اپنا اجتہاد ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ۔
جواب (۳): امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کو بصیغہ مجہول ذکر کے ضعف کی طرف اشارہ کردیا۔ باقی یہ مسئلہ جواز عدم جواز کا نہیں بلکہ افضلیت اور عدم افضلیت کا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَنَامُ عَنِ الوِتْرِ، أَوْ يَنْسَاهُ جو شخص وتر پڑھنا بھول جائے یا پڑھے بغیر سوجائے

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنِ الوِتْرِ أَوْ نَسِيَهُ فَلْيُصَلِّ إِذَا ذَكَرَ وَإِذَا اسْتَيْقَظَ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو سوجائے اور وتر نہ پڑھے ہوں یا بھول جائے تو پڑھ لے جب یاد آئے یا نیند سے بیدار ہو۔

زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَامَ عَنْ وِتْرِهِ فَلْيُصَلِّ إِذَا أَصْبَحَ

ترجمہ: حضرت زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو سوجائے بے وتر پڑھے اور وقت جاتا رہے تو پڑھ لے جب صبح کو اُٹھے۔

تشریح: اس پر تو اجماع ہے کہ وتروں کی قضاء ہے اور جو لوگ سنت کے قائل ہیں وہ بھی قضاء کے قائل ہیں۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ قضاء کے لیے کوئی زمانہ بھی متعین ہے یا نہیں؟
قول اوّل: احناف کے ہاں کوئی تعین زمانہ نہیں، صبح صادق کے بعد فجر سے پہلے ہو یا بعد یا طلوع شمس کے بعد

کوئی وقت کی تخصیص نہیں۔

قول ثانی: دیگر آئمہ کہتے ہیں کہ صبح صادق کے طلوع کے بعد فجر کی نماز سے پہلے پہلے قضاء ہے اس کے بعد کوئی قضا نہیں۔ یہ قول صرف حنابلہ اور مالکیہ کا ہے، شوافع کا اصح قول بھی احناف والا ہے۔

احناف کی دلیل: حدیث ابوسعید خدری روایت الباب "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم من نام عن الوتر او نسیہ فلیصل اذا ذکر و اذا استیقظ" اس میں تعیم ہے۔ "وھذا اصح من حدیث الاول"

سوال: ابوسعید کی سند میں عبد الرحمن بن زید ضعیف راوی ہیں۔

جواب: چنانچہ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ "سألت احمد بن حنبل عن عبد الرحمن بن زید بن اسلم" میں نے ان کے بارے میں امام احمد سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ ضعیف ہے لیکن ان کے بھائی عبد اللہ بن زید ثقہ ہیں، امام بخاری نے بھی علی بن مدینی کا یہی قول نقل کیا ہے۔

جواب: اس کا متابع موجود ہے اس کا بھائی عبد اللہ بن زید، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو عبد اللہ بن زید بھی نقل کر رہے ہیں، اگر چہ وہ مرسل ہے لیکن تائید تو ہو سکتی ہے۔ لہٰذا ثقہ کی تائید حاصل ہوئی۔ نیز تعدد طرق کی وجہ سے یہ حدیث بسند عبد الرحمن بن زید حسن کے درجے کو پہنچ جاتی ہے۔

دیگر آئمہ کی دلیل: امام ترمذی رحمہ اللہ نے تعلیقاً نقل کی "وروی عن النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لا وتر بعد الصلوٰۃ الصبح" اس کا یہی معنی ہے کہ فجر کی نماز کے بعد وتر نہیں، عام ازیں اداءً ہو یا قضاءً

جواب: فجر کی نماز کے بعد اداءً کی نفی ہے قضاءً کی نفی نہیں اور دیگر آئمہ کی دلیل تب ہو جب فجر کی نماز کے بعد وتر نہ اداءً اور نہ قضاءً ہوں۔......

سوال: اگلے باب کی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے معلوم ہوتا ہے کہ وتروں کی میرے نزدیک قضاء ہے ہی نہیں "اذا طلع الفجر فقد ذھب کل صلوٰۃ اللیل و الوتر فاوتروا قبل طلوع الفجر" مطلب یہ ہے کہ طلوع فجر کے بعد وتر نہ پڑھ کہ اس کا وقت ختم ہو چکا جس طرح تہجد کا نہ اداء وقت رہتا ہے نہ قضاء وقت؟

جواب: مؤول ہے کہ بطریق اداء وقت نہیں رہتا تاویل واجب ہے تا کہ پہلی حدیث کے ساتھ تعارض نہ ہو، یہ ضروری نہیں کہ معطوف اور معطوف علیہ کا حکم ایک ہو، معطوف الیہ کی جانب معارض نہیں اور معطوف کی جانب معارض موجود ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مُبَادَرَةِ الصُّبحِ بِالوِتْرِ صبح سے پہلے وتر پڑھ لینا چاہیے

عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَادِرُوا الصُّبْحَ بِالوِتْرِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبح سے پہلے پڑھ لیا کرو وتر۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْتِرُوا قَبْلَ أَنْ تُصْبِحُوا.

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب طلوع ہو چکی فجر تو جاتا رہا سب رات کی نمازوں کا وقت اور وتر کا بھی سو وتر پڑھ لیا کرو طلوع فجر سے پہلے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا طَلَعَ الفَجْرُ فَقَدْ ذَهَبَ كُلُّ صَلَاةِ اللَّيْلِ وَالوِتْرُ فَأَوْتِرُوا قَبْلَ طُلُوعِ الفَجْرِ.

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب فجر طلوع ہوئی تو رات کی نمازوں (تہجد وغیرہ) اور وتر کا وقت ختم ہو گیا۔ لہٰذا فجر کے طلوع ہونے سے پہلے وتر پڑھ لیا کرو۔

تشریح اس باب کی احادیث سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ بظاہر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ وتر کی قضاء نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فجر سے پہلے وتر پڑھو۔ معلوم ہوا فجر کے بعد وتر نہیں۔ اس لیے پہلے پڑھنے کا حکم دیا۔ احناف اور وہ فقہاء جو وجوب قضائے وتر کے قائل ہیں۔ وہ ان احادیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہاں جو فجر سے پہلے وتر پڑھنے کا حکم ہے یہ وجوب کے لیے ہے کہ وتر کو وقت کے اندر پڑھنا واجب ہے۔ دوسرا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تاکید کر رہے ہیں کہ وتر کو وقت کے اندر ادا کرنا چاہیے۔ باقی یہ جو کہا کہ فجر کے بعد وتر نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وتر کی نماز فجر کے بعد ادا نہیں۔ باقی قضاء ہے یا نہیں اس کے ساتھ اس حدیث کا تعلق نہیں۔

یہ بات ماقبل والے باب سے معلوم ہوتی ہے کہ فجر کے بعد پڑھیں گے اور وہ پڑھنا قضاء کہلائے گا۔ اس صورت میں دونوں بابوں کی احادیث میں تضاد اور تعارض نہ رہے گا۔ "وبه يقول الشافعي واحمد واسحٰق الخ" یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول ہے کہ وتر کی قضاء فجر کی نماز کے بعد نہیں لیکن دوسرا قول ان کا احناف کی طرح ہے کہ وتر کی قضاء علی الاطلاق ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا وِتْرَانِ فِي لَيْلَةٍ ایک رات میں دو وتر نہیں ہیں

عَنْ قَيْسِ بْنِ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا وِتْرَانِ فِي لَيْلَةٍ.

ترجمہ حضرت قیس بن طلق بن علی سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہا ان کے باپ نے سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرماتے تھے دو وتر نہیں ہیں ایک رات میں۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي بَعْدَ الوِتْرِ رَكْعَتَيْنِ.

ترجمہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے بعد وتر کے دو رکعت۔

تشریح......مسئلہ اختلافی:

نقض وتر، اس کی صورت یہ ہے کہ سونے سے پہلے کسی شخص نے وتر پڑھ لیے پھر سو گیا، پھر اخیر رات میں بیدار ہو گیا، اب ارادہ ہے کہ نماز تہجد پڑھے تو ایسے شخص کو چاہیے کہ ایک رکعت اس ارادے سے پڑھے کہ پڑھے ہوئے وتروں سے اس کا ضم ہو جائے تو وہ شفعہ ہو جائے گا تو یہ نقض وتر ہے، پھر تہجد کی نماز پڑھے، پھر از سر نو وتروں کی نماز پڑھے۔ یہ نقض وتر جائز ہے یا نہیں؟

قول اوّل: آئمہ اربعہ کا اجماع ہے کہ یہ جائز نہیں ہے۔ اس کی طرف امام ترمذی نے اشارہ کیا "وقال بعض اهل العلم... الخ" سے۔ یہ قول سفیان ثوری، مالک بن انس واحمد وابن المبارک کا بھی ہے۔

قول ثانی: اسحاق بن راہویہ: یہ نقض وتر کے قائل ہیں۔ اس کی طرف امام ترمذی رحمہ اللہ نے اشارہ کیا "فرأى بعض اهل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلّم ومن بعدهم نقض الوتر"

جمہور کی دلیل: حدیث الباب، حدیث طلق بن علی "لا وتران فی لیلة ای لا یجوز وتران فی لیلة لا یصحّ" یا "لا مشابه بلیس" اس کا اسم مرفوع ہوتا ہے یا پھر لاء نفی جنس ہی ہے لیکن بجائے وترین کے وتران پڑھا، ان لغات کے مطابق قبائل عرب کہتے ہیں کہ "لاء نفی جنس" کے بعد تثنیہ کی نصب بھی الف کے ساتھ ہوتی ہے جیسے "اِنّ هذان لساحران" تہجد ابتدائے شب میں بھی پڑھ لے، پھر تہجد کے بعد بھی پڑھے تو "وتران فی لیلة واحدہ" لازم آئے گا۔ باقی یہ خیال کہ ایک رکعت پڑھنے سے وتروں کا نقض ہو جائے گا، یہ خیال خام ہے درمیان میں نوم کا تخلل ہو گیا، معتدبہ وقفہ ہو گیا، اب کیسے وتروں کا نقض ہو گا۔

سوال: صلوٰۃ الخوف میں بھی تو وقفہ ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود ضم ہو جاتا ہے؟

جواب: وہاں ضرورت ہے جبکہ یہاں ضرورت نہیں۔ لہٰذا اس حالت کو صلوٰۃ الخوف پر قیاس نہ کیا جائے، یہ حالت اختیاری ہے اور صلوٰۃ الخوف حالت اضطراری ہے، لہٰذا نقض وتر کا قول حدیث کے خلاف ہے۔

اسحاق بن راہویہ کی دلیل: یہاں پر دو قسم کی حدیثیں ہیں۔ (۱) "اجعلوا آخر صلوتکم باللیل وترًا" یعنی آخری نماز وتر پڑھو۔ (۲) احادیث متعلقہ بفضائل تہجد، ان دونوں حدیثوں پر عمل کی کیا صورت ہے؟ اب اگر جو آدمی وتر پڑھ چکا، اخیر شب میں تہجد نہ پڑھے تو فضائل والی حدیث پر عمل نہ ہو گا اور اگر پڑھ لے تو "اجعلوا آخر صلوتکم الخ" والی حدیث پر عمل نہ ہو گا تو دونوں حدیثوں پر عمل کرنے کی ایک ہی صورت ہے اور وہ ہے نقض وتر، مزید اس کی تائید عمل ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی ہوتی ہے کہ ان کا عمل بھی نقض وتر کا تھا۔ امام ترمذی نے اسحاق بن راہویہ کے اس مبنی علیہ کو توڑا کہ "اجعلوا آخر صلوتکم اللیل" کا امر استحباب کے لیے ہے وجوب کے لیے نہیں یا پھر مؤوّل ہے کہ فرضوں کے اعتبار سے اخیری نماز وتر ہونی چاہیے۔

استحباب اور تاویل کی دلیل: خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وتروں کے بعد نفلی نماز پڑھنا ثابت ہے۔ چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث اُم سلمہ، حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہن، حدیث ابو امامہ ان تین صحابہ رضی اللہ عنہم کا حوالہ دیا، پھر کہا

"غیر واحد عن النبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم" اس کے تحت کتنی تعداد داخل ہے، ان سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وتروں کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ باقی اس میں کلام ہے کہ وتروں کے بعد دو رکعتیں ہیں یا نہیں تو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ثابت کر کے دکھلا دیا اور مشکوٰۃ شریف حدیث ثوبان جو کہ قولی حدیث ہے، فرماتے ہیں کہ "اذا اوتر احدکم فلیر کع رکعتین" اگر پڑھ لے تو "فبھا" اور اگر رات کو بیدار ہو گیا تو سونے پہ سہاگہ، باقی ان کو قائماً پڑھا جائے یا جالس تو حضرت شاہ صاحب کی رائے یہ ہے کہ جالساً پڑھا جائے اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر ابتدائے شب میں، وتر پڑھے ہیں تو بعد کی دو رکعتیں پڑھے اور اگر اخیر شب میں پڑھے ہیں تو پھر دو نفل نہ پڑھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الوِتْرِ عَلَى الرَّاحِلَةِ سواری پر وتر پڑھنا

عَنْ سَعِيدِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ كُنْتُ أَمْشِي مَعَ ابْنِ عُمَرَ فِي سَفَرٍ فَتَخَلَّفْتُ عَنْهُ فَقَالَ أَيْنَ كُنْتَ فَقُلْتُ أَوْتَرْتُ فَقَالَ أَلَيْسَ لَكَ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوتِرُ عَلَى رَاحِلَتِهِ.

ترجمہ حضرت سعید بن یسار سے روایت ہے کہ میں سفر میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا جو پیچھے رہ گیا میں نے ان سے پوچھا کہاں تھا تو؟ تو کہا میں نے وتر پڑھتا تھا تو کہا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کیا نہیں ہے تجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ریس اچھی (عمل پیرا ہونا) میں نے دیکھا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وتر پڑھتے ہوئے اپنی سواری پر۔

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ وتر کی نماز راحلہ پر جائز ہے یا نہیں؟ یعنی اس میں قیام ضروری ہے اور وتر کی نماز اُتر کر پڑھی جائے گی، اس میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فقہائے کوفہ اور وہ فقہاء جو وجوب وتر کے قائل ہیں، ان کے ہاں بغیر عذر کے راحلہ پر وتر جائز نہیں بلکہ راحلہ سے اُتر کر پڑھے جائیں گے۔

قول ثانی: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، امام اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وتر سواری پر پڑھنا جائز ہیں، ان کی دلیل باب مذکورہ والی ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو راحلہ پر وتر پڑھتے ہوئے دیکھا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مستدل بھی ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ وہ وتر پڑھنے کے لیے سواری سے نیچے اُترتے تھے۔ اسی طرح طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ اور تابعین کے کچھ آثار نقل کیے ہیں کہ وہ حضرات اُتر کر وتر پڑھتے تھے۔ باب کی حدیث کے متعلق احناف چند باتیں ذکر کرتے ہیں۔

(۱) ایک بات تو یہ ہے کہ وتر پر کئی ادوار گزرے ہیں۔ پہلے وتر کا حکم اُترا مگر تعداد نہ اُتری تھی، اسی طرح ابتداء میں اس کا حکم وجوب کا بھی نہ تھا۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم راحلہ پر پڑھتے تھے لیکن جب وتر کے حکم میں تشدید آئی تو پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سواری سے اُتر کر پڑھتے تھے۔ اس لیے باب کی حدیث اوّل زمانے کی ہے اور طحاوی نے جو نقل کیا ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل ہے اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی اسی پر عمل کرتے تھے۔ (۲) دوسری بات یہ ہے کہ وتر کا اطلاق صلوٰۃ اللیل پر بھی ہوتا ہے۔ اس لیے جہاں ہے "یوتر علی راحلۃ" اس سے صلوٰۃ اللیل مراد ہے۔ اصطلاح وتر مراد نہیں اصطلاح وتر کے لیے اُترنا ضروری ہوگا۔ ہاں اگر کوئی عذر ہو تو الگ بات ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَلَاةِ الضُّحَى نمازِ چاشت کے بیان میں

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى الضُّحَى ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً بَنَى اللهُ لَهُ قَصْرًا فِي الْجَنَّةِ مِنْ ذَهَبٍ.

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو پڑھے دن چڑھے بارہ رکعت بنادے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک محل جنت میں سونے سے۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ مَا أَخْبَرَنِي أَحَدٌ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الضُّحَى إِلَّا أُمَّ هَانِئٍ فَإِنَّهَا حَدَّثَتْ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ بَيْتَهَا يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ فَاغْتَسَلَ فَسَبَّحَ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ مَا رَأَيْتُهُ صَلَّى صَلَاةً قَطُّ أَخَفَّ مِنْهَا غَيْرَ أَنَّهُ كَانَ يُتِمُّ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ.

ترجمہ حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے روایت ہے کہ کسی نے خبر نہیں دی مجھ کو کہ اس نے دیکھا ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازِ چاشت پڑھتے ہوئے مگر اُم ہانی نے کہا بیان کیا انہوں نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے ان کے گھر میں فتح مکہ کے دن اور غسل کیا اور پڑھیں آٹھ رکعتیں میں نے نہیں دیکھا کبھی پڑھی ہو نماز اس سے ہلکی فقط اتنا تھا کہ پورا کرتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجدہ یعنی ہلکا پن فقط قرأت کی کمی سے تھا نہ یہ کہ رکوع وسجدہ برابر نہ ہو۔

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ وَأَبِي ذَرٍّ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَنَّهُ قَالَ ابْنَ آدَمَ ارْكَعْ لِي أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ مِنْ أَوَّلِ النَّهَارِ أَكْفِكَ آخِرَهُ.

ترجمہ حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابی ذر سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

وہ اللہ تعالیٰ سے کہ ارشاد کیا پروردگار نے اے بیٹے آدم کے! پڑھ میرے لیے چار رکعت دن کے شروع میں کفایت کروں گا تیرے کاموں کو۔

عَنْ نَهَّاسِ بْنِ قَهْمٍ عَنْ شَدَّادٍ أَبِي عَمَّارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَافَظَ عَلَى شُفْعَةِ الضُّحٰى غُفِرَ لَهُ ذُنُوبُهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ.

ترجمہ حضرت نہاس بن قہم وہ شداد بن ابی عمار سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ہمیشہ پڑھا کرے دو رکعت ضحیٰ کی بخشے جائیں گے گناہ اس کے خواہ وہ دریا کی جھاگ کی طرح ہی کیوں نہ ہوں۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الضُّحٰى حَتّٰى نَقُولَ لَا يَدَعُ وَيَدَعُهَا حَتّٰى نَقُولَ لَا يُصَلِّي.

ترجمہ حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے ضحیٰ کی یہاں تک کہ ہم کہتے اب کبھی نہ چھوڑیں گے اور چھوڑ دیتے یہاں تک کہ ہم کہتے اب کبھی نہ پڑھیں گے۔

تشریح صلوٰۃ ضحیٰ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس میں آئمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: اکثر شوافع کے نزدیک صلوٰۃ الضحیٰ مسنون ہے۔

قول ثانی: مالکیہ، حنابلہ کے نزدیک مستحب ہے۔ حنفیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ یہ مستحب یا سنت غیر مؤکدہ ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مداومت نہیں فرمائی۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی دو روایات نقل کی ہیں ان میں سے ایک میں صلوٰۃ ضحیٰ کا اثبات ہے اور ایک میں نفی ہے۔

بعض حضرات نے دونوں میں یوں تطبیق دی ہے کہ یہ نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سامنے نہیں پڑھتے تھے بلکہ دوسروں سے معلوم ہوا ہوگا، لہٰذا جن روایات میں نفی کا تذکرہ ہے وہ اپنی روایت کے اعتبار سے ہے اور اثبات نفس الامر میں نماز پڑھنے کا ہے۔ بعض حضرات نے صلوٰۃ الضحیٰ کی نماز پر قرآن پاک کی اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ "انا سخرنا الجبال معه یسبحن بالعشی و الاشراق" (ص:۱۸)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے خلافِ عادت وفی الباب کے تحت احادیث کا حوالہ دے کر پھر چھ حدیثوں کو صراحتاً ذکر کر دیا ورنہ تو عموماً ایک یا تو دو ذکر کرتے ہیں۔ شاید پس منظر یہ ہے کہ اس کی ترغیب دینا چاہتے ہیں کہ صلوٰۃ الضحیٰ کو پڑھا جائے۔ "واختلفوا فی نعیم" اس کا مطلب یہ ہے کہ نُعیم کے والد میں اختلاف ہوگیا، بعض نے خمار اور بعض نے ہمّار اور بعض نے ہبار، بعض نے ہمام، امام ترمذی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ صحیح ہمّار ہے اور بعض نے تردد کی وجہ سے نام ہی نہیں لیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عِنْدَ الزَّوَالِ زوال کے وقت نماز پڑھنا

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي أَرْبَعًا بَعْدَ أَنْ تَزُولَ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ وَقَالَ إِنَّهَا سَاعَةٌ تُفْتَحُ فِيهَا أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَأُحِبُّ أَنْ يَصْعَدَ لِي فِيهَا عَمَلٌ صَالِحٌ

ترجمہ حضرت عبداللہ بن سائب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے چار رکعت آفتاب ڈھلنے کے بعد اور ظہر سے پہلے اور فرماتے یہ ایسی گھڑی ہے کہ کھلتے ہیں اس وقت دروازے آسمان کے سو چاہتا ہوں میں کہ چڑھیں میرے نیک عمل۔

تشریح طلوع الشمس کے بعد زوال تک کا وقت مہمل ہے۔ اس کا اختتام ہوتا ہے استواء شمس تک۔ استواء شمس سے زوال کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ اس لیے مکروہ وقت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعات پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس وقت آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ میرا عمل سب سے پہلے دروازے کھلتے ہی چڑھے۔ یہ چار رکعات مستحب ہیں۔ یہ وہ چار رکعات نہیں جو ظہر کی نماز سے پہلے پڑھی جاتی ہیں جو سنن قبلیہ کہلاتی ہیں بلکہ یہ اس کے علاوہ ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ چار رکعت مستقل زوال کی ہیں اور ظہر کی سنن قبلیہ اس کے علاوہ ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَلَاةِ الْحَاجَةِ نمازِ حاجت پڑھنا

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهُ إِلَى اللّٰهِ حَاجَةٌ أَوْ إِلَى أَحَدٍ مِنْ بَنِي آدَمَ فَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيُحْسِنِ الْوُضُوءَ ثُمَّ لِيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ لِيُثْنِ عَلَى اللّٰهِ وَلْيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لِيَقُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، أَسْأَلُكَ مُوجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ، وَالْغَنِيمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ إِثْمٍ لَا تَدَعْ لِي ذَنْبًا إِلَّا غَفَرْتَهُ وَلَا هَمًّا إِلَّا فَرَّجْتَهُ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا إِلَّا قَضَيْتَهَا يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو حاجت ہو طرف اللہ کی یا کام ہو کسی ابن آدم سے تو چاہیے کہ وضو کرے اچھی طرح پھر دو رکعت نماز پڑھے پھر تعریف کرے اللہ تعالیٰ کی اور درود پڑھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پھر کہے لا الٰہ الا اللہ سے آخر تک اور معنی اس کے یہ ہیں کوئی

معبود نہیں سوائے اللہ کے بردبار ہے بزرگی والا پاک ہے اللہ پروردگار بڑے عرش کا سب تعریف ہے اللہ کی جو پالنے والا ہے سارے جہانوں کا مانگتا ہوں میں سبب تیری رحمتوں کے اور جس سے ضرور ہو تیری بخشش اور لوٹ ہر نیکی سے اور سلامتی ہر گناہ سے نہ چھوڑ میرے لیے کوئی گناہ مگر بخش دے اور نہ چھوڑ کوئی فکر مگر کھول دے اس کو یعنی دور کر دے اس کو اور نہ چھوڑ کوئی حاجت جو پسند ہو تجھ کو مگر پورا کر دے اس کو اے بڑے رحم کرنے والے سب رحم کرنے والوں سے۔

تشریح مسئلہ اختلافی: "صلوٰۃ الحاجۃ" یعنی انسان اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرے تو اس کا یہ طریقہ ہے کہ پہلے وضو کرے، پھر دو رکعت نماز پڑھے، پھر دُعا کرے۔ یہ طریقہ باب کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ حدیث سنداً ضعیف ہے کیونکہ فائد بن عبدالرحمن راوی ضعیف ہے لیکن دوسری احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی کام پیش آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی طرف جلدی کرتے تھے جس طرح صحیح حدیث میں ہے کہ "اذافزعه الامر بادرٗ الی الصلوٰۃ" اسی طرح قرآن میں ہے "واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ" اس کی تشریح میں لکھا گیا ہے کہ کوئی حاجت پیش آ جائے تو نماز پڑھے اور دُعا کرے۔ اس لیے قرآن وحدیث سے صلوٰۃ حاجت کا ثبوت ملتا ہے۔ اسی طرح احناف اور شوافع کی کتابوں میں بھی اس کا ذکر ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَلَاةِ الِاسْتِخَارَةِ نمازِ استخارہ کی نماز

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا الِاسْتِخَارَةَ فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ يَقُولُ إِذَا هَمَّ أَحَدُكُمْ بِالْأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيضَةِ ثُمَّ لِيَقُلِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ، اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِي فِي دِينِي وَمَعِيشَتِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي أَوْ قَالَ فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ، فَيَسِّرْهُ لِي، ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيهِ، وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِي فِي دِينِي وَمَعِيشَتِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي - أَوْ قَالَ فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ، فَاصْرِفْهُ عَنِّي، وَاصْرِفْنِي عَنْهُ وَاقْدُرْ لِي الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ أَرْضِنِي بِهِ قَالَ وَيُسَمِّي حَاجَتَهُ.

ترجمہ حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استخارہ سکھاتے ہم کو ہر کام میں جیسے سکھاتے تھے سورت قرآن کی فرماتے تھے جب قصد کرے کوئی تم میں سے کسی کام کو تو چاہیے پڑھے دو رکعت

سوائے فرض کے پھر کہے "اَللّٰھُمَّ" سے "اَرْضِنِیْ بِہٖ" تک اور معنی اس کے یہ ہیں یا اللہ! میں خیر طلب کرتا ہوں تجھ سے تیرے علم کے ساتھ اور طلب کرتا ہوں تیری قدرت کے ساتھ اور مانگتا ہوں تجھ سے تیرے بڑے فضل سے کہ تو قدرت رکھتا ہے اور میں قدرت نہیں رکھتا اور تو خوب جانتا ہے اور میں کچھ نہیں جانتا اور تو جاننے والا ہے غیبوں کا یا اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام بہتر ہے میرے دین اور دُنیا میں اور انجام کار میں یا فرمایا عاجل امری و آجلہ اور معنی اس کے بھی یہی ہیں۔ پس آسان کر مجھ پر یہ کام پھر برکت دے مجھ کو اس میں اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام برا ہے میرے دین میں اور دُنیا میں یا انجام کار میں یا فرمایا فی عاجل امری و آجلہ اور معنی اس کے بھی وہی ہیں تو دور کردے اس کو مجھ سے اور دور کردے مجھ کو اس سے اور قدرت دے مجھ کو خیر پر جہاں ہو پھر راضی کر مجھ کو اس کے ساتھ اور کہا نام لے اپنی حاجت کا یعنی ھذا الامر کی جگہ پر جیسے نکاح، سفر وغیرہ جو کام ہو۔

تشریح اس حدیث میں صلوٰۃ الاستخارہ کا ذکر ہے نماز استخارہ کے متعلق چند مسائل کا مختصراً وضاحت کردینا مناسب ہے۔

کسی اہم مباح کام کرنے سے پہلے دو سرا مستحب ہیں ایک استشارہ دوسرا استخارہ۔

استشارہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی اہم قدم اُٹھانے سے پہلے کسی ایسے شخص سے مشورہ کرلیا جائے جو دیانت دار اور خیر خواہ بھی ہو اور متعلقہ معاملہ کو سمجھتا بھی ہو۔ استخارہ کا مطلب یہ ہے کہ دو رکعت نفل پڑھ کر یہ دُعا کرلی جائے کہ حق تعالیٰ صحیح جانب قدم اُٹھانے کی توفیق عطا فرمائیں اور جس کام کا میں نے ارادہ کیا ہے اگر اس میں میرا کوئی دنیوی یا اخروی نقصان ہو تو مجھے اس سے بچالیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے استخارہ کی حکمت پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عرب کو جب کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے میں تردد ہوتا تھا تو ایک جانب کو متعین کرنے کے لیے مختلف جاہلانہ طریقوں سے کام لیتے تھے، ان میں سے ایک اہم طریقہ "استقسام بالازلام" کا بھی تھا یعنی تیروں کے ذریعے سے اس کام کا مفید یا مضر ہونا معلوم کرتے تھے۔ اس کی بھی مختلف صورتیں ہوتی تھیں۔ اسلام نے ان تمام صورتوں سے منع کردیا اور اس کے بدلے میں مسلمانوں کو صلوٰۃ الاستخارہ کا طریقہ عنایت فرمایا۔ اس میں بندہ ان مشرکانہ اور جاہلانہ طریقوں کو اپنانے کے بجائے براہِ راست اس قادر مطلق اور علام الغیوب ذات کی بارگاہ میں یہ عرض کرتا ہے کہ اے اللہ! میرا علم بھی ناقص اور میری قدرت بھی ناقص اس لیے نہ تو میں خود اپنی بھلائی کا فیصلہ کرسکتا ہوں اور نہ ہی اس کو عملی جامہ پہنا سکتا ہوں لیکن آپ کا علم بھی کامل ہے اور قدرت بھی کامل ہے اس لیے آپ کو میری بھلائی خوب معلوم بھی ہے اور اس کو پورا کرنے پر آپ قادر بھی ہیں، اس لیے آپ کے علم میں اگر یہ معاملہ میری دُنیا و آخرت کے لیے مفید ہے تو یہی میرے مقدر کردیجئے اور اس کو بسہولت پورا فرما دیجئے اور اگر یہ معاملہ آپ کے کامل علم میں میرے لیے مضر ہے تو آپ خود ہی میری توجہ اس سے پھیر دیجئے اور میرے لیے وہ راستہ مقدر کیجئے جس میں میرے لیے خیر ہو، ظاہر ہے کہ جب بندہ اپنے خالق کے سامنے عاجزانہ انداز میں یہ درخواست کرے گا تو وہ اس کی ضرور رہنمائی فرمائیں گے اور اس کام کے دینی یا دنیوی نقصانات سے محفوظ رکھیں گے۔ اس کا یہ کام بھی درست ہوجائے گا

اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا تعلق اپنے مولیٰ کے ساتھ پہلے سے زیادہ مضبوط ہو جائے گا۔ اس کے برعکس دوسرے جاہلانہ طریقوں میں بھلائی کی بھی کوئی توقع نہیں ہوتی، اس لیے ان طریقوں میں انسان ایسی چیزوں سے رہنمائی طلب کرتا ہے جو علم و قدرت میں اس سے بھی کم تر ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ طریقے بندے کو اپنے مالک حقیقی سے بھی دور کر دیتے ہیں۔

استخارہ کن اُمور میں کرنا چاہیے؟ استخارہ صرف مباحات یا واجبات غیر مؤقتہ میں کرنا چاہیے۔ واجبات مؤقتہ یا مندوبات میں استخارہ کی ضرورت نہیں بلکہ بغیر استخارہ کے ہی ان کو کر لینا چاہیے، ایسے ہی محرمات یا مکروہات میں بھی استخارہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ بغیر استخارہ کے ہی ان کاموں سے بچنا چاہیے، اس لیے کہ واجبات و مندوبات کا نافع ہونا اور محرمات و مکروہات کا ضار ہونا پہلے ہی معلوم ہے۔

استخارہ کا طریقہ حدیث میں واضح طور پر بیان کر دیا گیا یعنی دو رکعت نفل پڑھ کر دُعا استخارہ پڑھ لے۔ صرف اتنا کر لینے سے استخارہ کی سنت ادا ہو جائے گی، سونا وغیرہ ادا سنت کے لیے ضروری نہیں، البتہ مشائخ نے اپنے تجربات کی روشنی میں یہ لکھا ہے کہ یہ دُعا پڑھنے کے بعد کچھ دیر لیٹ بھی جانا چاہیے۔

اسی طرح حدیث میں کوئی جواب وغیرہ نظر آنے کا بھی کوئی وعدہ نہیں ہے۔ بعض اوقات اس دُعا کی قبولیت کا ظہور اس طرح بھی ہوتا ہے کہ اس کام کے کرنے یا چھوڑنے کا شدید داعیہ دل میں پیدا ہو جاتا ہے یا اسباب و حالات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ اگر وہ کام مفید ہو تو استخارہ کرنے والا اس کو کر ہی لیتا ہے اور اگر مضر ہو تو یہ شخص وہ کام کر ہی نہیں پاتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو بعض اوقات خواب میں بھی اس کا مفید یا مضر ہونا دکھلا دیتے ہیں یا ایسی علامات دکھلا دیتے ہیں جن سے ایک جانب کا رُجحان ہو جاتا ہے لیکن ہر شخص کے لیے یا ہر وقت میں ایسا ہونا ضروری ہے۔

اگر استخارہ کے بعد بھی اس امر میں تحیر و تردد ختم نہ ہو تو بار بار استخارہ کرنا چاہیے، بعض نے سات مرتبہ تک استخارہ کرنا لکھا ہے۔ بعض روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اصل سنت استخارہ تو وہی ہے جو حدیث میں مذکور ہے اس کے علاوہ بعض مشائخ نے اپنے تجربات سے اس کے کچھ اور آداب بھی بتائے ہیں اور دُعائیں اور طریقے بھی لکھے ہیں، ان میں سے بعض تجربہ سے مفید بھی ثابت ہوئے ہیں، ان کو سنت تو نہیں سمجھنا چاہیے بغیر اعتقاد سنت کے عملیات کے درجہ میں ان کو کر لیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

"ان کنت تعلم" یہ شک نفس علم کے اعتبار سے نہیں بلکہ علم کے تعلق مع الخیر او الشر کے اعتبار سے ہے۔ "واقدرْ لی الخیر" یہ مطلب نہیں کہ اب مقدر کر دے، مقدر تو ازلی ہے مطلب یہ ہے کہ آسانی کر دے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَلَاةِ التَّسْبِيحِ صلوٰۃ التسبیح کے بیان میں

عَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْعَبَّاسِ يَا عَمِّ أَلَا أَصِلُكَ أَلَا أَحْبُوكَ أَلَا أَنْفَعُكَ قَالَ بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ يَا عَمِّ صَلِّ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ تَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ

وَسُورَةٍ فَإِذَا انْقَضَتِ الْقِرَاءَةُ فَقُلِ اللهُ أَكْبَرُ، وَالْحَمْدُ لِلهِ ، وَسُبْحَانَ اللهِ، وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ خَمْسَ عَشْرَةَ مَرَّةً قَبْلَ أَنْ تَرْكَعَ ثُمَّ ارْكَعْ فَقُلْهَا عَشْرًا، ثُمَّ ارْفَعْ رَأْسَكَ فَقُلْهَا عَشْرًا، ثُمَّ اسْجُدْ فَقُلْهَا عَشْرًا، ثُمَّ ارْفَعْ رَأْسَكَ فَقُلْهَا عَشْرًا، ثُمَّ اسْجُدْ فَقُلْهَا عَشْرًا، ثُمَّ ارْفَعْ رَأْسَكَ فَقُلْهَا عَشْرًا قَبْلَ أَنْ تَقُومَ، فَتِلْكَ خَمْسٌ وَسَبْعُونَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ وَهِيَ ثَلَاثُمِائَةٍ فِي أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ، وَلَوْ كَانَتْ ذُنُوبُكَ مِثْلَ رَمْلِ عَالِجٍ غَفَرَهَا اللهُ لَكَ، قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ وَمَنْ يَسْتَطِيعُ أَنْ يَقُولَهَا فِي يَوْمٍ، قَالَ إِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ أَنْ تَقُولَهَا فِي يَوْمٍ فَقُلْهَا فِي جُمُعَةٍ فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ أَنْ تَقُولَهَا فِي جُمُعَةٍ فَقُلْهَا فِي شَهْرٍ فَلَمْ يَزَلْ يَقُولُ لَهُ حَتَّى قَالَ فَقُلْهَا فِي سَنَةٍ.

ترجمہ حضرت ابی رافع رضی اللہ عنہسے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عباس رضی اللہ عنہ سے اے چچا میرے کیا نہ کروں سلوک میں تمہارے ساتھ، کیا نہ دوں میں تم کو، کیا نفع نہ پہنچاؤں میں تم کو کہا عباس رضی اللہ عنہ نے کیوں نہیں یارسول اللہ! فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے چچا میرے پڑھو چار رکعت اور پڑھو ہر رکعت میں فاتحہ اور کوئی سورت پھر جب پوری ہو جائے قرأت تو کہو اللہ اکبر والحمد للہ وسبحان اللہ پندرہ بار قبل رکوع کے پھر رکوع کرو اور کہہ دو وہی کلمہ دس بار پھر اُٹھاؤ سر اپنا کہو دس بار پھر سجدہ کر اور کہہ دس بار پھر اُٹھا سر اپنا اور کہہ دس بار پھر سجدہ کر دوسرا اور کہہ دس بار پھر اُٹھا سر اپنا اور کہہ دس بار قبل کھڑے ہونے کے یعنی جلسہ استراحت میں سو یہ پچھتر بار ہوئی ہر رکعت میں اور تین سو ہوئے چار رکعت میں، اگر ہوں گے گناہ تیرے مثل ریگ درہم برہم کے تو بھی بخشے گا اس کو اللہ تعالیٰ۔ کہا عباس رضی اللہ عنہ نے یارسول اللہ! کون کہہ سکتا ہے اس کو ہر روز؟ فرمایا اگر نہیں کہہ سکتے تم ہر روز تو کہو ہر جمعہ میں اور اگر نہیں ہو سکتا کہو تم ہر جمعہ میں تو کہو ہر مہینے میں پھر یونہی فرماتے رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تک کہ فرمایا ہر سال میں ایک بار۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ غَدَتْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ عَلِّمْنِي كَلِمَاتٍ أَقُولُهُنَّ فِي صَلَاتِي فَقَالَ كَبِّرِي اللهَ عَشْرًا وَسَبِّحِي اللهَ عَشْرًا وَاحْمَدِيهِ عَشْرًا ثُمَّ سَلِي مَا شِئْتِ، يَقُولُ نَعَمْ نَعَمْ.

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اُم سلیم حاضر ہوئیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صبح کو اور عرض کیا سکھلایئے مجھ کو ایسے کلمات کہ کہوں میں ان کو نماز میں۔ سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اکبر کہہ دس بار اور سبحان اللہ دس بار اور الحمد للہ دس بار پھر مانگ جو مانگنا ہو کہ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ ہاں ہاں یعنی قبول کرتا ہوں تیری دُعا کو۔

صلوٰۃ تسبیح کا طریقہ اور اس کا حکم

تشریح یہ نماز تین سو تسبیحات پر مشتمل ہوتی ہے کثرت تسبیحات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اس کا نام صلوٰۃ التسبیح ہو گیا، باقی اس کے پڑھنے کے دو طریقے ہیں۔

(۱) رکوع میں جانے سے پہلے قرأت سے فارغ ہونے کے بعد پندرہ (۱۵) مرتبہ، پھر دس مرتبہ رکوع میں اور پھر دس مرتبہ قومہ میں، پھر دس مرتبہ سجدہ اولیٰ میں، پھر دس مرتبہ جلسہ میں، پھر دس مرتبہ سجدہ ثانیہ میں، پھر دس مرتبہ دوسرے سجدے سے فارغ ہونے کے بعد جلسہ استراحت میں، اس ایک رکعت میں (۷۵) ہوگئیں۔ پھر اسی طریقے سے دوسری میں بھی، تیسری رکعت میں بھی، چوتھی میں اسی طرح کل تین سو ہو جائیں گی۔ اس طریقے کے مطابق جلسہ استراحت ہے تو نوافل میں احناف بھی اس کے قائل ہیں جبکہ فرائض میں نہیں ہیں کیونکہ نوافل میں توسع ہے۔

(۲) ابن مبارک فرماتے ہیں کہ ثناء کے بعد فاتحہ سے پہلے پندرہ دفعہ، پھر رکوع سے پہلے دس مرتبہ الخ۔ اب جلسہ استراحت کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔

رمل عالج، اس کو اضافت کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے موصوف صفت کے ساتھ بھی۔ "حدّثنا احمد بن محمّد فقالت علمنی کلمات اقولھن" اس کا تعلق اگرچہ صلوٰۃ التسبیح کے ساتھ نہیں لیکن من جملہ تسبیح ہونے کی وجہ سے یہاں ذکر کر دیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کس طرح درود بھیجا جائے

عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ هَذَا السَّلَامُ عَلَيْكَ قَدْ عَلِمْنَا فَكَيْفَ الصَّلَاةُ عَلَيْكَ قَالَ قُولُوا اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ، وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ، قَالَ مَحْمُودٌ قَالَ أَبُو أُسَامَةَ وَزَادَنِي زَائِدَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ وَنَحْنُ نَقُولُ وَعَلَيْنَا مَعَهُمْ.

ترجمہ حضرت کعب بن عجرہ سے روایت ہے کہ عرض کیا ہم نے یا رسول اللہ! سلام بھیجنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تو ہم جان چکے اب درود کیونکر بھیجنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر؟ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہو تم اللھم سے حمید مجید تک (ترجمہ): یا اللہ! رحمت بھیج محمد پر اور آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جیسے رحمت بھیجی تو نے ابراہیم

پر تو بڑا تعریف والا اور بزرگی والا ہے اور برکت بھیج او پر محمد کے اور آل محمد کے جیسی برکت بھیجی تو نے ابراہیم پر تو بڑا خوبیوں والا اور بزرگی والا ہے کہا محمود نے کہا ابو اُسامہ نے اور زیادہ بتایا مجھ کو زائدہ نے ایک لفظ اعمش سے وہ روایت کرتے ہیں حکم سے وہ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے کہا عبدالرحمن نے اور کہتے تھے ہم درُود میں "وَعَلَيْنَا مَعَهُمْ" یعنی رحمت اور برکت بھیج ہمارے او پر بھی ان سب کے ساتھ۔

تشریح پہلی بات: پوری زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درُود پڑھنا فرض ہے مجلس میں نام آنے پر، امام کرخی کی رائے یہ ہے کہ ایک مرتبہ کافی ہے لیکن امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر مرتبہ پڑھے جتنی مرتبہ نام نامی آئے تو ہر مرتبہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھے۔

دوسری بات: نماز میں درُود کی کیا حیثیت ہے؟

قول اوّل: جمہور کے نزدیک سنت ہے۔

قول ثانی: شوافع کا قول صاحب ہدایہ نے فرضیت کا نقل کیا ہے۔

جمہور کی دلیل اوّل: حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ "اذا قلت هذا أو فعلت هذا فقد تمت صلوتک" اگر درُود فرض ہے تو محض التحیات پڑھنے سے نماز کیسے تام ہوگئی؟

دلیل ثانی: حدیث اعرابی "المسیئ فی الصّلوۃ" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی تعلیم دی، اگر درُود فرض ہوتا تو مقام تعلیم میں اس کو بیان کرتے۔

شوافع کی دلیل اوّل: آیت کریمہ "یایها الذین امنوا صلّوا علیه وسلّموا تسلیمًا" صلوا امر کا صیغہ وجوب بتلا رہا ہے خارج از صلوٰۃ تو وجوب کا حکم نہیں لیکن داخل صلوٰۃ میں وجوب کا حکم ہے۔

جواب: خارج صلوٰۃ میں عدم وجوب مسلم نہیں۔

دلیل ثانی: حدیث سہل بن سعد "لا صلوۃ لمن لم یصل علی محمد صلی اللہ علیه وسلّم"

جواب: نفی کمال کی ہے نفس صلوٰۃ کی نفی نہیں۔

دلیل ثالث: وہ احادیث جن میں قولوا کا صیغہ ہے، یہ امر ہے، الخ

جواب (۱): خارج صلوٰۃ پر محمول ہے۔

جواب (۲): استحباب کے لیے ہے۔

"کما صلّیت علی ابراهیم" درُود میں مشبہ بہ ابراہیم علیہ السلام کی تخصیص یا تو آپ کے جدامجد ہونے کی وجہ سے ہے یا پھر اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہی ابراہیم علیہ السلام کی دُعا تھی یا پھر اس وجہ سے شب معراج میں اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سلام بھیجا "هل جزاء الاحسان الاّ الاحسان" کے قبیل سے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی درُود بھیجنے کا حکم دیا۔

سوال: تشبیہ میں مشبہ ادنیٰ ہوتا ہے اور مشبہ بہ اعلیٰ ہوتا ہے، جیسے زید کالاسد، لیکن یہاں معاملہ برعکس ہے؟ یہاں پر ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت معلوم ہو رہی ہے۔

جواب (۱): ممکن ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشبیہ دینا علم بفضلہ سے پہلے ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب تمام انبیاء علیہم السلام سے فضیلت کا علم نہیں دیا تھا اس سے پہلے کا واقعہ ہے۔

جواب (۲): یہ بھی ممکن ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تشبیہ تواضعاً ہو۔

جواب (۳): یہ مسلم ہی نہیں کہ تشبیہ سے مقصود الحاق الناقص بالکامل ہے بلکہ کبھی مقصود غیر مشہور کا مشہور کے ساتھ الحاق ہوتا ہے چونکہ صلوٰۃ علی ابراہیم مشہور تھا، اس وجہ سے تشبیہ دے دی۔

جواب (۴): یہاں تشبیہ میں آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تشبیہ دینا اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سب اولیاء ہیں، نبی تو کوئی نہیں جبکہ آل ابراہیم میں انبیاء ہیں، اب ظاہر اولیاء کی صلوٰۃ کو ابراہیم علیہ السلام کی تشبیہ دینا اب مشبہ بہ اعلیٰ ہے۔۔ شبہ کے اعلیٰ صلوٰۃ علی آل محمد کو تشبیہ دی ہے ابراہیم اور آل ابراہیم کے ساتھ، اب آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں صرف اولیاء ہیں اور آل ابراہیم میں نبی بھی ہیں اور اولیاء بھی ہیں تو مشبہ بہ اعلیٰ ہوا۔

جواب (۵): یہ تشبیہ المجموع بالمجموع ہے اس میں اقویٰ اور ضعیف کا لحاظ نہیں ہوتا۔

جواب (۶): اس تشبیہ سے مقصود نفس تمثیل ہے جیسے مثل نورہ کمشکوٰۃ۔

جواب (۷): یہ کاف تشبیہ کے لیے نہیں بلکہ تعلیل کے لیے ہے، اب معنی ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت نازل فرما اس لیے کہ آپ نے رحمت نازل فرمائی ابراہیم علیہ السلام پر۔

فائدہ: حضرت مولانا موسیٰ خان صاحب نے اس پر مستقل کتاب لکھی ہے "فتح العلیم فی تشبیہ کما صلیت علی ابراهیم" اس میں سو ۱۰۰ کے قریب جواب دیئے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درُود کی فضیلت

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَوْلَى النَّاسِ بِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلَاةً.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے زیادہ دوست آدمیوں سے میرے نزدیک قیامت کے دن وہ ہے جس نے بہت درُود بھیجا مجھ پر۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ عَشْرًا

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو درُود بھیجتا ہے مجھ پر ایک بار رحمت بھیجتا ہے اللہ عزوجل اس پر دس بار۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ إِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا يَصْعَدُ مِنْهُ شَيْءٌ حَتَّى تُصَلِّيَ عَلَى نَبِيِّكَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ دُعا لٹکی ہوئی ہے آسمان اور زمین کے بیچ میں ذرا نہیں چڑھتی جب تک درُود نہ بھیجے تو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر۔

حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْعَظِيمِ الْعَنْبَرِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَعْقُوبَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَا يَبِعْ فِي سُوقِنَا إِلَّا مَنْ قَدْ تَفَقَّهَ فِي الدِّينِ.

ترجمہ ہم سے عباس بن عبدالعظیم عنبری نے روایت کی انہوں نے مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے علاء بن عبدالرحمن بن یعقوب سے انہوں نے اپنے باپ عبدالرحمن سے انہوں نے علاء کے دادا یعقوب سے کہا یعقوب نے فرمایا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہ خرید وفروخت کرے کوئی ہمارے بازار میں جب تک خوب سمجھ نہ پیدا کرے دین میں یعنی مسائل ومعاملات سے خوب آگاہ نہ ہو۔

تشریح اس حدیث کا اوّلین مصداق محدثین ہیں۔ "حدثنا عباس بن عبدالعظیم" سند میں ایک لطیفہ ہے کہ علاء بن عبدالرحمن بن یعقوب، یہ تینوں تابعی ہیں، فرق یہ ہے کہ بیٹا صغار تابعین میں سے ہے والد اوساط تابعین میں سے ہے، دادا یعقوب کبار تابعین میں سے ہے، یعقوب کے کبار تابعین میں سے ہونے کو بتلانے کے لیے دلیل ذکر کی۔ "حدثنا عباس بن عبدالعظیم... عن جدہ قال قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ" یعنی مطلب یہ ہے کہ اس روایت کو علاء اپنے باپ سے یعنی عبدالرحمن سے روایت کررہے ہیں اور وہ یعقوب سے روایت کرتے ہیں اور یعقوب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کررہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان کو سماع ہے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے۔ معلوم ہوا کہ یہ کبار تابعین میں سے ہیں، پس اس کو بتلانے کے لیے یہ روایت کی ورنہ اس کا تعلق صلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں۔

أَبْوَابُ الْجُمُعَةِ جمعہ کے متعلق ابواب

پہلی بات: لفظ "جمعہ" جو ہفتہ کے ایک دن کا نام ہے فصیح زبان ولغت کے اعتبار سے جیم اور میم دونوں کے پیش کے

ساتھ ہے لیکن جیم کے پیش اور میم کے سکون کے ساتھ بھی مستعمل ہوا ہے۔

دوسری بات جمعہ کی وجہ تسمیہ: اس دن کو جمعہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق جمع اور پوری کی گئی تھی۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس دن کو جمعہ کا نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب بہشت سے دُنیا میں اُتارے گئے تو اسی دن زمین پر وہ حضرت حوا علیہا السلام کے ساتھ جمع ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ علماء نے اور بھی وجہ تسمیہ بیان کیے ہیں۔ چنانچہ بعض حضرات کا قول ہے کہ اس دن چونکہ تمام لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور نماز کے لیے جمع ہوتے ہیں اس لیے اسے یوم الجمعہ کہا جاتا ہے۔

تیسری بات: جمعہ اسلامی نام ہے، زمانہ جاہلیت میں اس دن کو عروبہ کہا جاتا تھا۔ لیکن بعض علماء کی تحقیق یہ ہے کہ عروبہ بہت قدیم نام تھا مگر زمانہ جاہلیت ہی میں یہ نام بدل دیا گیا تھا اور اس دن کو جمعہ کہا جانے لگا تھا۔ جمعہ کا روز نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے زمانہ جاہلیت میں بھی ایک امتیازی اور شرف وفضیلت کا دن مانا جاتا تھا مگر اسلام نے اس دن کو اس حقیقی عظمت وفضیلت کے پیش نظر بہت ہی زیادہ باعظمت وبافضیلت دن قرار دیا ہے۔

چوتھی بات، نماز جمعہ کی فرضیت: نماز جمعہ فرض عین ہے۔ قرآن مجید، احادیث متواترہ اور اجماع اُمت سے ثابت ہے اور اسلام کے شعائر اعظم میں سے ہے، نماز جمعہ کی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر اور اس کو بلا عذر چھوڑنے والا فاسق ہے۔ نماز جمعہ کے بارے میں ارشاد ربانی ہے: "یایھا الذین اٰمنوا اذا نودی للصلوٰۃ الخ" ...... "اے ایمان والو! جب نماز جمعہ کے لیے اذان کہی جائے تو تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے "ذکر" سے مراد نماز جمعہ اور اس کا خطبہ ہے۔ "دوڑنے" سے مراد اس نماز کے لیے نہایت اہتمام کے ساتھ جانا۔ نماز جمعہ کی فرضیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ ہی میں معلوم ہوگئی تھی مگر غلبہ کفر کے سبب اس کے ادا کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ تشریف لاتے ہی آپ نے نماز جمعہ شروع کردی۔ مدینہ منورہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے حضرت اسعد ابن زرارہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد صائب اور کشف صادق سے جمعہ کی نماز شروع کردی تھی۔ (علم الفقہ)

ارشاد گرامی "فاختلفوا فیہ" کی وضاحت وتشریح میں شارحین حدیث کا اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہود و نصاریٰ پر جمعہ کے روز کو فرض کرنے سے کیا مراد ہے؟ اور یہ کہ اہل کتاب نے اس میں کیا اختلاف کیا؟

چنانچہ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح مسلمانوں پر جمعہ کی نماز فرض کی ہے بعینہ اسی طرح اہل کتاب پر بھی جمعہ کے روز عبادت کرنا فرض قرار دیا تھا اور انہیں یہ حکم دیا تھا کہ وہ اسی روز عبادت خداوندی کے لیے آپس میں جمع ہوا کریں۔ جیسا کہ حدیث کے الفاظ سے مفہوم ہوتا ہے مگر انہوں نے اپنی عادت کے مطابق اسی معاملہ میں بھی خدا

کے حکم سے اعراض کیا اور اپنی سرکشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا جمعہ کو فرض کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں تمہارے لیے ایک ایسا دن فرض قرار دیا ہے جس میں تم اپنے دنیوی اُمور سے فارغ ہو کر اور تمام کام کاج چھوڑ کر خدا کی عبادت اور ذکر میں مشغول رہو۔ لہٰذا تم اپنے اجتہاد اور فکری قوت سے کام لیتے ہوئے اس دن کو متعین کرلو کہ وہ کون سا دن ہے؟ گویا اس طرح اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ اہل کتاب کے اجتہاد و فکر کا امتحان تھا کہ آیا یہ حق اور صحیح بات دریافت کرلینے اور اس پر مطلع ہو جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں یا نہیں؟ چنانچہ یہود نے تو سنیچر کے دن کو متعین کیا اور کہا کہ یہی دن عبادت خداوندی میں اجتماعیت کے ساتھ مشغول ہونے کا دن ہے اور اسی دن کی سب سے زیادہ فضلیت ہے کیونکہ اسی دن اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کے پیدا کرنے سے فارغ ہوا تھا۔ لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اس دُنیا کے کاروبار سے فراغت حاصل کر کے عبادت میں مشغول رہیں۔

نصاریٰ نے اتوار کا دن مقرر کیا، انہوں نے اس دن کو بایں طور پر تمام دنوں سے زیادہ افضل و بابرکت جانا کہ یہی دن ابتدائے آفرینش کا ہے۔ انہوں نے سوچا کہ مبداء کمالات و انعامات ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ جل شانہ مخلوق پر اپنے فیض اور اپنی نعمتوں کے ساتھ متوجہ ہوا۔ لہٰذا اس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت و پرستش بہت زیادہ کی جائے اور بندے دُنیا کی مصروفیتوں سے منہ موڑ کر اپنے پیدا کرنے والے اور اپنے پالنہار کی بندگی میں مصروف رہیں۔ یہی دن سب سے زیادہ مناسب اور بہتر ہوسکتا ہے۔ لیکن یہود و نصاریٰ دونوں اپنے اجتہاد اور اپنی رائے میں ناکام رہے، ان کی طبیعت اور ان کے مزاج میں چونکہ تمرد و سرکشی کا مادہ زیادہ تھا۔ سعادت و بھلائی کے نور سے ان کے قلوب پوری طرح مستفید نہ تھے، اس لیے وہ اصل مقصد اور اصل دن جو خدا کے علم میں تھا اس کو تو پہچان نہ سکے بلکہ اپنی اپنی دلیلوں کا سہارا لے کر دوسرے دنوں کو اختیار کر بیٹھے۔

برخلاف اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت سے نوازا اور اپنے فضل و کرم سے اصل دن یعنی جمعہ کی معرفت عطا فرمائی۔ چنانچہ جب اللہ جل شانہ نے اس آیت "یایھا الذین اٰمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللّٰہ" کے ذریعے مسلمانوں کو حکم دیا کہ جمعہ کو خدا کی عبادت کی جائے تو اس کے ساتھ انہیں اس حکم کی بجا آوری کی توفیق بھی عطا فرمائی اور اس اُمت کو اس مرحلے میں بھی تمرد و سرکشی اور خود ساختہ دلیلوں کے ذریعے گمراہ نہیں کیا۔ چنانچہ مسلمانوں نے خدا کے اس حکم کے آگے گردن اطاعت جھکا دی اور ایک سچی فرمانبردار اُمت ہونے کے ناطے جمعہ ہی کے دن کو خدا کی عبادت و بندگی کیلئے اختیار کرلیا۔

"لوگ ہمارے تابع ہیں" کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ کا روز چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا دن ہونے کی وجہ سے نسل انسانی کے لیے مبداء اور انسانی زندگی کا سب سے پہلا دن ہے اس لیے اس دن عبادت کرنے والے عبادت کے اعتبار سے متبوع اور اس کے بعد کے دو دن یعنی سنیچر و اتوار کو عبادت کرنے والے تابع ہوئے۔ اسی بناء پر یہ حدیث اس بات کی دلالت کرتی ہے کہ شرعاً اور اُصولاً جمعہ کا دن ہی ہفتہ کا پہلا دن ہے لیکن تعجب ہے کہ عرف عام اس کے برخلاف ہے۔

بَابُ فَضْلِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ روزِ جمعہ کی فضیلت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ فِيهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيهِ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِيهِ أُخْرِجَ مِنْهَا وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب دنوں سے بہتر کہ جس میں آفتاب نکلتا ہے دن جمعہ کا ہے اسی میں پیدا ہوئے آدم علیہ السلام اسی میں داخل ہوئے جنت میں اسی دن نکلے جنت سے اور قائم نہ ہوگی قیامت مگر جمعہ کے دن۔

تشریح مسئلہ اختلافی ہے کہ یوم الجمعہ علی الاطلاق افضل ہے یا ایام اسبوع کے اعتبار سے افضل ہے تو قول یہ ہے کہ ایام اسبوع میں سے جمعہ کا دن اور ایام سنویہ کے اعتبار سے یوم عرفہ افضل ہے اور اگر یوم عرفہ کا دن وہی جمعہ کا دن بھی ہو تو سونے پہ سہاگہ ہے۔ ”وفیہ اخرج منھا“

سوال: دخول جنت تو باعث فضیلت ہے لیکن خروج تو باعث فضیلت نہیں؟

جواب: ”اخراج من الجنۃ بنفسہ“ تو فضیلت نہیں لیکن مقدمۃ الخیر ہونے کے اعتبار سے فضیلت ہے وہ یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کا دُنیا میں آنا ہزاروں انبیاء کرام علیہم السلام کے وجود کا سبب بنا اور خیر کا مقدمہ بھی خیر ہوتا ہے۔

سوال: ”ولا تقوم الساعۃ الا فی یوم“ قیامت تو تخریب عالم کا نام ہے پھر یہ باعث فضیلت کیسے ہے؟

جواب (۱): یہ بھی مقدمۃ الخیر ہے اس کا قیام محسنین کو جزا کے ملنے کا سبب بنے گا اور خصوصاً سبب ہوگا رؤیت باری تعالیٰ کا۔

جواب (۲): یہ بتلانا مقصود ہے کہ اس میں (جمعہ کے دن میں) امور عظیمہ کا وقوع ہوگا اور ظاہر ہے کہ اخراج عن الجنۃ اور قیامت کا قیام امور عظیمہ میں سے ہیں۔ ”یوم الجمعۃ“ یہ قدیمی نام ہے یا اسلامی ہے؟ دونوں قول ہیں۔

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہی یہی نام تھا۔

(۲) پہلے اس کا نام یوم العروبہ تھا، اسلام میں یوم الجمعہ رکھ دیا۔

بَابٌ فِي السَّاعَةِ الَّتِي تُرْجَى فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ جمعہ کے دن قبولیت کی گھڑی

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْتَمِسُوا السَّاعَةَ الَّتِي تُرْجَى فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ بَعْدَ الْعَصْرِ إِلَى غَيْبُوبَةِ الشَّمْسِ.

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ڈھونڈو وہ گھڑی جس کی اُمید ہے جمعہ کے دن میں بعد عصر کے آفتاب ڈوبنے تک۔

حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ أَيُّوبَ الْبَغْدَادِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا كَثِيرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ الْمُزَنِيُّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ فِي الْجُمُعَةِ سَاعَةً لَا يَسْأَلُ اللهَ الْعَبْدُ فِيهَا شَيْئًا إِلَّا آتَاهُ اللهُ إِيَّاهُ، قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ أَيَّةُ سَاعَةٍ هِيَ قَالَ حِينَ تُقَامُ الصَّلَاةُ إِلَى انْصِرَافٍ مِنْهَا.

ترجمہ: ہم سے زیادہ بن ایوب بغدادی نے روایت کی، انہوں نے ابو عامر عقدی سے انہوں نے کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف مزنی سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے اپنے دادا سے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک جمعہ میں ایک ساعت ہے کہ نہیں مانگتا ہے اللہ سے کوئی بندہ کوئی چیز مگر دیتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ وہ چیز پوچھا صحابہ رضی اللہ عنہم نے یارسول اللہ! وہ کون سی گھڑی (ساعت) ہے؟ فرمایا جس وقت سے تکبیر ہوتی ہے نماز کی یعنی نماز جمعہ وغیرہ کی اس وقت سے لوگوں کے پھرنے تک۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ فِيهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيهِ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِيهِ أُهْبِطَ مِنْهَا وَفِيهِ سَاعَةٌ لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ يُصَلِّي فَيَسْأَلُ اللهَ فِيهَا شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ، قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَلَقِيتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ سَلَامٍ فَذَكَرْتُ لَهُ هَذَا الْحَدِيثَ فَقَالَ أَنَا أَعْلَمُ بِتِلْكَ السَّاعَةِ فَقُلْتُ أَخْبِرْنِي بِهَا وَلَا تَضْنَنْ بِهَا عَلَيَّ، قَالَ هِيَ بَعْدَ الْعَصْرِ إِلَى أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ، قُلْتُ فَكَيْفَ تَكُونُ بَعْدَ الْعَصْرِ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ يُصَلِّي؟ وَتِلْكَ السَّاعَةُ لَا يُصَلَّى فِيهَا فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ أَلَيْسَ قَدْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَلَسَ مَجْلِسًا يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ فَهُوَ فِي صَلَاةٍ، قُلْتُ بَلَى، قَالَ فَهُوَ ذَاكَ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ طَوِيلَةٌ.

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہتر سب دنوں میں کہ نکلتا ہے اس میں آفتاب جمعہ کا دن ہے کہ اس میں پیدا ہوئے آدم علیہ السلام اور اس میں گئے جنت میں اور اسی دن اُتارے گئے جنت سے اور اس دن میں ایک گھڑی (ساعت) ہے کہ نہیں پاتا اس کو کوئی بندہ مسلمان کہ نماز پڑھتا ہو پھر مانگے اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مگر دیتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کہا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر ملا میں عبداللہ بن سلام سے اور بیان کی یہ حدیث سو کہا انہوں نے میں خوب جانتا ہوں اس گھڑی کو سو کہا میں نے۔ خبر دو مجھ کو اور بخیلی نہ کرو فرمایا انہوں نے وہ بعد عصر کے ہے غروب آفتاب تک کہا میں نے کیونکر ہو سکتی ہے بعد عصر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نہیں پاتا کوئی بندہ مسلم حالت نماز میں اور بعد عصر کے تو

کوئی نماز نہیں پڑھتا کہا عبد اللہ بن سلام نے کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ جو بیٹھے کہیں انتظار میں نماز کے تو وہ گویا نماز ہی میں ہے؟ کہا میں نے ہاں یہ تو فرمایا ہے کہا عبد اللہ نے یہی مراد ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یعنی بعد عصر کے جو منتظر بیٹھا رہے مغرب کا وہ بھی نماز میں ہے اور وہ گھڑی بھی اسی وقت میں ہے اور اس حدیث میں ایک قصہ دراز ہے۔

تشریح جمعہ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ساعت اجابت کا پایا جانا ہے۔ باقی ساعت الاجابت کون سا لحظہ ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے دو قول نقل کیے ہیں۔

قول اوّل: عصر کے بعد غروب تک اس وقت میں یہ لحظہ خفیہ پایا جاتا ہے، یہی قول امام احمد واسحاق بن راہویہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

قول ثانی: امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد نماز سے فراغت تک کے وقت میں وہ لحظہ خفیہ پایا جاتا ہے اور یہ قول ہے شوافع کا، باقی احناف کے ہاں پہلا راجح ہے۔

قول اوّل کی دلیل اوّل: حدیث انس بن مالک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تلاش کرو اس گھڑی کو عصر کے بعد سے لے کر سورج کے غروب تک۔

دلیل ثانی: حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ مابعد والی "قال (عبد السلام) ھی بعد العصر الی ان یغرب الشمس"

قول ثانی کی دلیل: حدیث عمرو بن عوف کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس گھڑی کے بارے میں سوال ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب نماز کھڑی ہو جائے، اس سے فراغت تک اور اس سے بھی واضح حدیث ابو موسیٰ "لا تضنن" بخل نہ کریں یعنی مجھے نا اہل نہ سمجھے۔ باقی حضرت عبد اللہ بن سلام نے فرمایا کہ یہ ساعت عصر کے بعد ہے اس پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لا یوافقھا عبد مسلم یصل" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حالت صلوٰۃ میں ہے حالانکہ یہ تو نماز کا وقت نہیں ہے، اس کا حضرت عبد اللہ بن سلام نے جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ منتظر صلوٰۃ بھی مصلی کے حکم میں ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تطبیق زمانہ قدیم زمانہ سے چلی آرہی ہے، اس پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کوئی سوال نہ کیا اور آگے اسی حدیث میں کعب احبار کا قصہ ہے، اس قصہ کا تذکرہ نہیں کیا اور حدیث ابو موسیٰ میں ہے کہ وہ ساعت امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد نماز سے فراغت تک اس میں ایک لحظہ خفیہ ہوتا ہے اور لیلۃ القدر میں وہ ساعت طویلہ ہوتی ہے۔

حدیث عمرو بن عوف کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ امام ترمذی نے اس کی تصحیح کی ہے لیکن اس کی سند میں کثیر بن عبد اللہ ہیں، امام شافعی نے فرمایا کہ یہ جھوٹ یعنی رکن من الارکان الکذب ہیں اور امام نسائی اور امام بیہقی نے بھی تضعیف کی ہے۔ باقی رہی حدیث ابو موسیٰ اشعری، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اگرچہ مسلم کی حدیث ہے لیکن مسلم کی جن حدیثوں پر مواخذہ کیا جاتا ہے ان

میں سے ایک یہ بھی ہے۔ فتح الملہم میں مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب نے اس کی تضعیف بھی کی ہے اور مضطرب بھی کہا ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے تطبیق دی ہے کہ یہ ساعت اجابت بدلتی رہتی ہے یعنی کسی جمعہ میں عصر کی نماز سے سورج کے غروب ہونے تک اور کسی جمعہ میں امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد نماز سے فارغ ہونے تک۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاغْتِسَالِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ جمعہ کے روز غسل کرنا

عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ أَتَى الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ.

ترجمہ سالم نے اپنے باپ سے روایت کی کہ سنا انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے تھے کہ جو آئے جمعہ کی نماز کو تو چاہیے کہ نہالے۔

تشریح پہلا اختلافی مسئلہ: جمعہ کے غسل کی کیفیت کیا ہے؟ اس میں آئمہ کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: جمہور کے نزدیک مستحب ہے۔

قول ثانی: اہل ظواہر کے نزدیک واجب ہے۔

جمہور کی پہلی دلیل: مابعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ذکر کیا کہ وہ خطبہ دے رہے تھے پھر حضرت عثمان تشریف لائے تو فرمایا کہ تاخیر سے کیوں آئے ہو تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے وضو کے بعد کوئی تاخیر نہیں کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک دیر سے آئے ہو، دوسرا وضو پر اکتفاء کیا ہے، ان کا غسل کو ترک کرنا دلیل ہے کہ غسل واجب نہیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دوبارہ غسل نہ کرنے کا حکم دینا یہ بھی دلیل ہے کہ غسل واجب نہیں اور شوقانی کہتے ہیں کہ انہوں نے کہہ تو دیا کہ وضوء پر اکتفاء کیا ہے؟

جواب: اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ غسل کر کے آؤ اور موجودہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے انکار بھی نہ کیا، اب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا غسل نہ کرنا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واپس نہ بھیجنا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا انکار نہ کرنا یہ دلیل ہے عدم وجوب غسل کی۔

دوسری دلیل: آگے باب فی الوضوء یوم الجمعۃ میں حضرت سمرۃ بن جندب کی روایت ہے "قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم من توضأ یوم الجمعۃ فبھا و نعمت و من اغتسل فالغسل افضل" اگر غسل کرنا ضروری ہوتا تو فالغسل افضل نہ فرماتے بلکہ غسل کا حکم فرماتے۔

تیسری دلیل: اسی باب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے "من توضأ فاحسن الوضوء... الخ"

اہل ظواہر کی دلیل اوّل: جن احادیث میں امر کا صیغہ ہے یعنی احادیث متعلقہ "بغسل یوم الجمعۃ" جواب یہ ہے کہ استحباب پر محمول ہے۔

دلیل ثانی: وہ احادیث جن میں غسل یوم الجمعہ واجب علی کل مسلم یا ثابت کے الفاظ ہیں۔

جواب (۱): یہاں پر وجوب اصطلاحی معنی میں نہیں بلکہ استحباب علی وجہ التاکید کا بیان ہے۔

جواب (۲): اس کی علت جو حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں ہے وہ یہ ہے کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم پر تنگی کا دور تھا اون وغیرہ کے کپڑے ہوتے لوگ کام کاج سے فارغ ہوکر مسجد میں آجاتے اور مسجد بھی وسیع نہ تھی تو بدبو آنے لگتی پسینہ کی وجہ سے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہانے اور غسل کا حکم دیا لیکن جب یہ علت ختم ہوگئی یعنی جب وسعت کا زمانہ آگیا تو علت نہ پائی گئی اور قاعدہ ہے "اذافات العلۃ فات المعلول" نیز بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں بھی استحباب کے طور پر حکم دیا نہ کہ وجوب کے طور پر۔

دوسرا اختلافی مسئلہ: غسل لیوم الجمعۃ ہے یا لصلوٰۃ الجمعۃ

قول اوّل: جمہور کے نزدیک لصلوٰۃ الجمعۃ ہے۔

قول ثانی: حسن بن زیاد کی روایت لیوم الجمعۃ کی ہے۔ ثمرہ اختلاف یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک ان لوگوں پر مستحب ہے جن پر جمعہ فرض ہے اور حسن بن زیاد کی روایات کے مطابق ان لوگوں پر بھی مستحب ہے جن پر جمعہ فرض نہیں ہے۔ باقی یہ بات تو اتفاقی ہے کہ سنت تب ادا ہوگی جب صلوٰۃ الجمعہ سے پہلے غسل کرے، خصوصاً مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ سنت تب ادا ہوگی جب اسی غسل سے حاصل شدہ طہارت سے نماز ادا کرے جبکہ جمہور کے نزدیک صلوٰۃ جمعہ سے پہلے غسل کیا اور درمیان میں حدث لاحق ہوگیا تو تب بھی سنت کا اجر ملے گا۔

حضرت شیخ الحدیث فرماتے ہیں کہ شارح کی جانب سے تین غسل ہیں۔ (۱) اسبوعی (۲) غسل یوم الجمعۃ (۳) غسل لصلوٰۃ الجمعۃ، اگر لصلوٰۃ الجمعۃ کرے تو تینوں کا ثواب مل جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الغُسْلِ يَوْمَ الجُمُعَةِ جمعہ کے دن غسل کرنے کی فضیلت

عَنْ أَوْسِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اغْتَسَلَ يَوْمَ الجُمُعَةِ وَغَسَّلَ، وَبَكَّرَ وَابْتَكَرَ، وَدَنَا وَاسْتَمَعَ وَأَنْصَتَ كَانَ لَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ يَخْطُوهَا أَجْرُ سَنَةٍ صِيَامُهَا وَقِيَامُهَا قَالَ مَحْمُودٌ قَالَ وَكِيعٌ اغْتَسَلَ هُوَ وَغَسَّلَ امْرَأَتَهُ، وَيُرْوَى عَنِ ابْنِ المُبَارَكِ أَنَّهُ قَالَ فِي هَذَا الحَدِيثِ مَنْ غَسَّلَ وَاغْتَسَلَ: يَعْنِي غَسَلَ رَأْسَهُ وَاغْتَسَلَ.

ترجمہ: اوس بن اوس سے روایت ہے کہ فرمایا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے غسل کیا جمعہ کے دن اور غسل کروایا اور سویرے چلا مسجد کو اور پایا ابتدائی خطبہ اور نزدیک ہوا امام سے اور سنا خطبہ کو اور چپ رہا ہوگا اس کو ہر ہر قدم پر کہ رکھے اس نے راہ میں ثواب ایک برس کی عبادت کا کہ دن کو روزہ رکھتا ہو اس میں اور رات بھر نماز پڑھی ہو، کہا محمود نے اس حدیث کے معنی میں وکیع نے کہا کہ "اغْتَسَلَ" یعنی

خود نہایا اور غسل یعنی اپنی بیوی کو نہلایا اور مروی ہے کہ ابن مبارک سے کہا انہوں نے معنی اس حدیث کے یہ ہیں "وَاغْتَسَلَ" یعنی آپ نہایا اور غسل یعنی سر دھویا۔

تشریح اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جمعہ کے دن غسل کرنا، جلدی جانا، خطبہ کو ابتداء سے سننا، کان دھرنا اور خاموشی سے سننا، اگر یہ تمام کر لیے تو ہر قدم پر ایک سال کے روزے اور ایک سال کے قیام کا ثواب ملے گا۔ احادیث میں الفاظ ہیں "من اغتسل و غسّل" اب مسئلہ یہ ہے کہ "غسل من اغتسل" کے لیے تاکید ہے یا تاسیس ہے۔

قول (۱): تاکید ہے۔

قول (۲): تاسیس کا ہے یعنی خود بھی غسل کیا اور دوسرے کو بھی غسل کرایا۔ یعنی دوسرے کے (بیوی) غسل کا سبب بنا، مطلب یہ ہے کہ جمعہ کی طرف جانے سے پہلے جماع کیا تاکہ نظر کی حفاظت ہو جائے اور تاسیس کی دوسری صورت یہ ہے کہ دوسرے کو غسل کرنے کا حکم دیا اور تیسری صورت یہ ہے کہ "من اغتسل" سر کو دھویا اور غسل جسم کے بقیہ اعضاء کو دھویا۔ دوسرا لفظ "بکرَ و ابتکر" اس میں بھی یہی کلام ہے ایک قول یہ ہے کہ تاکید ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ تاسیس ہے یعنی سویرے جامع مسجد میں گیا اور خطبہ کی ابتداء کو پالیا اور دوسرا معنی یہ ہے کہ خود بھی چلا گیا اور دوسرے کو بھی جلدی جانے کا حکم دیا۔

بَابُ فِي الْوُضُوءِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ جمعہ کے دن وضو کے بیان میں

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَبِهَا وَنِعْمَتْ وَمَنْ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ أَفْضَلُ.

ترجمہ سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے وضو کیا جمعہ کے دن تو خیر اور خیر کیا اور جس نے غسل کیا تو غسل افضل ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ فَدَنَا وَاسْتَمَعَ وَأَنْصَتَ غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ وَزِيَادَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَمَنْ مَسَّ الْحَصَى فَقَدْ لَغَا.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا پھر آیا جمعہ کی نماز کے واسطے اور نزدیک ہوا امام سے اور خوب سنا خطبہ اور چپ رہا خطبہ ہوتے وقت بخشے جائیں گے اس کے گناہ اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور تین دن اور زیادہ اور جو کھیلتا ہٹاتا رہا کنکریوں کو تو اس نے بے فائدہ کام کیا۔

تشریح حاصل حدیث، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بھی ایک وقت ہوتا ہے، اگر خطبہ کے دوران کوئی شخص بات کر رہا ہے تو اس کو نہ روکا جائے۔ یہ روکنا ایسے ہی ہے جیسے نماز کے دوران کسی کو بات کرنے سے منع کرتا ہے لیکن اگر اشارے سے روک دیا جائے تو اس میں گنجائش ہے اور کوئی حرج نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّبْكِيرِ إِلَى الْجُمُعَةِ نماز جمعہ میں اوّل وقت جانے کی فضیلت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ رَاحَ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّانِيَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ كَبْشًا أَقْرَنَ، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الْخَامِسَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَيْضَةً، فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ حَضَرَتِ الْمَلَائِكَةُ يَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو غسل کرے جمعہ کے دن جیسا نہاتے ہیں جنابت سے یعنی بخوبی احتیاط سے نہائے اور اوّل گھڑی مسجد کو جائے گویا قربانی کی اونٹ کی یعنی ایسا ثواب پائے اور جو جائے دوسری گھڑی تو گویا قربانی کی ایک گائے کی اور جو جائے تیسری گھڑی میں تو گویا قربانی کی ایک سینگ دار مینڈھے کی اور جو آیا چوتھی گڑی میں تو گویا ذبح کی ایک مرغی اور جو آیا پانچویں گھڑی میں تو گویا خدا کی راہ میں دیا ایک بیضہ پھر جب نکلے امام خطبہ پڑھنے کو تو آ جاتے ہیں فرشتے خطبہ سننے کو یعنی پھر فرشتے اس آنے والے کا نام نہیں لکھتے اور خود خطبہ سننے میں مشغول رہتے ہیں۔

تشریح اس حدیث میں ساعات خمسہ کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جمعہ کے دن فرشتے مسجد کے دروازوں پر کھڑے ہو جاتے ہیں جو پہلے آتا ہے اس کا ثواب اونٹ صدقہ کرنے کے برابر لکھ دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد آنے والے کا ثواب گائے صدقہ کرنے والے کے برابر اور اس کے بعد تیسرے نمبر پر آنے والے کا ثواب دُنبہ صدقہ کرنے کے برابر، پھر چوتھے نمبر پر آنے والے کا ثواب مرغی صدقہ کرنے والے کے برابر اور پھر پانچویں نمبر پر آنے والے کا ثواب انڈا صدقہ کرنے والے کے برابر لکھ دیا جاتا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ یہ ساعات خمسہ کس وقت سے شروع ہوں گی، اس میں دو قول ہیں۔ (۱) طلوع شمس سے لے کر خطبہ شروع ہونے تک اس کے پانچ حصے کر دیئے جاتے ہیں جو جس حصہ میں آئے اس کے مطابق ثواب لکھ دیا جاتا ہے۔ (۲) زوال کے وقت سے شروع ہو جاتا ہے خطبہ کے شروع ہونے تک۔ اس وقت کے پانچ حصے کر دیئے جاتے ہیں جو جس کے حصے میں آئے گا اس کے مطابق اس کے لیے ثواب لکھ دیا جاتا ہے اور یہی راجح ہے۔

"قولہ کبشا اقرن" اس سے مراد ذاقرن والی ہے۔ بعض حضرات نے اس حدیث کی وجہ سے مرغی کی قربانی کو جائز قرار دیا ہے، ہم ان کو جواب دیتے ہیں کہ اگر یہ ایسے ہے تو اس حدیث میں انڈے کا ذکر بھی ہے تو جو جواب تم انڈے کی قربانی کا دو گے وہی جواب مرغی کی قربانی کا ہم تمہیں دیں گے۔

"قولہ فاذا خرج الامام" اس سے مراد یہ ہے کہ جب امام خطبہ کے لیے مسجد میں آجائے، ہاں اگر وہ پہلے سے مسجد میں موجود ہے تو خطبہ کے لیے صف سے اُٹھنا مراد ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الْجُمُعَةِ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ بغیر عذر نمازِ جمعہ ترک کرنا

عَنْ عَبِيدَةَ بْنِ سُفْيَانَ عَنْ أَبِي الْجَعْدِ يَعْنِي الضَّمْرِيَّ وَكَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ فِيمَا زَعَمَ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ اللهُ عَلَى قَلْبِهِ.

ترجمہ حضرت عبیدہ بن سفیان سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں ابی الجعد سے کہ مراد لیتے ہیں ان سے ضمری کو اور محمد بن عمر کے قول میں ان کو صحبت بھی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ابی الجعد نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے چھوڑ دیا جمعہ کی نماز کو تین بار سستی سے یا اس کو حقیر جان کر تو مُہر کر دیتا ہے اللہ اس کے دِل پر۔

تشریح یہاں "تہاونا" کا معنی استخفافاً اور اہاناً کا نہیں اس لیے کہ استخفاف کے طور پر ایک مرتبہ چھوڑنا کفر کے لیے کافی ہے جبکہ حدیث میں تین جمعوں کی قید ہے۔ پس یہاں تھاون سے مراد تکاسل اور سستی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ مِنْ كَمْ يُؤْتَى الْجُمُعَةُ کتنی دور سے جمعہ میں شرکت کے لیے آنا واجب ہے

عَنْ ثُوَيْرٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ قُبَاءَ عَنْ أَبِيهِ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَشْهَدَ الْجُمُعَةَ مِنْ قُبَاءَ.

ترجمہ حضرت ثویر سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں ایک مرد سے اہل قباء کہ وہ اپنے باپ سے کہ تھے صحابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کہا ان کے باپ نے حکم دیا ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حاضر ہوا کریں ہم جمعے کے واسطے قباء سے۔

حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ نُصَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُعَارِكُ بْنُ عَبَّادٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَعِيدِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجُمُعَةُ عَلَى مَنْ آوَاهُ اللَّيْلُ إِلَى أَهْلِهِ.

ترجمہ روایت کی ہم سے حجاج بن نصیر نے کہا روایت کی ہم سے معارک بن عباد نے انہوں نے عبداللہ بن سعید مقبری سے، انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ واجب ہوتا ہے اس پر جو رات کو پہنچ سکے اپنے گھر تک۔

تشریح خلاصہ یہ ہے کہ فناء مصر کے رہنے والے شہر کی حدود سے دور رہنے والے کتنی دور ہوں تو جمعہ واجب ہوگا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے دو قول ذکر کیے ہیں۔ (۱) جمعہ کے اداء کرنے کے بعد بآسانی گھر پہنچنے والے پر نماز جمعہ فرض ہے۔

(۲) شہر کے کنارے پر دی جانے والی اذانوں کی آواز جہاں تک سنائی دیتی ہے، ان لوگوں پر جمعہ فرض ہے یہ تو دو قول امام ترمذی نے ذکر کیے۔ (۳) ایک میل کی مسافت پر رہنے والے پر جمعہ فرض ہے۔

(۴) ایک فرسخ تک (۵) دو فرسخ کی مقدار پر رہنے والے (۶) تین فرسخ کی مقدار پر رہنے والے۔

قول اوّل کے قائلین، صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت ہے۔

ان کی دلیل: حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ "الجمعه علی من آواه اللیل الی اهله"

"قوله اسناده ضعیف انما یروی من حدیث" یہ حدیث سنداً ضعیف ہے کیونکہ اس میں مبارک بن عباد روایت کر رہے ہیں۔ عبداللہ بن سعید مقبری سے اور عبداللہ بن سعید مقبری ضعیف ہیں، امام احمد اور یحییٰ بن سعید نے اس کی تضعیف کی ہے۔ چنانچہ امام ترمذی نے احمد بن حسن کا قول نقل کیا ہے کہ احمد بن حسن کہتے ہیں کہ ہم امام احمد کے پاس تھے وہاں پر یہی تذکرہ چل پڑا تو امام احمد نے کہا کہ اس بارے میں کوئی حدیث منقول نہیں، میں نے کہا حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ تو موجود ہے اس پر وہ چونک اُٹھے "عَنِ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم" میں نے کہا، پھر میں نے پوری سند کے ساتھ سنائی اور یہاں پر حدثنا سے احمد بن حسن کی کلام ہے۔ امام احمد اس پر آگ بگولہ ہوگئے۔ "استغفر ربک استغفر ربک" یہ انکار اس حدیث کی سند کی وجہ سے کیا لیکن حضرت بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کیونکہ تابعین وصحابہ کی ایک جماعت کا اس پر عمل ہے لہٰذا یہ حدیث حسن کے درجے میں ہے۔

دوسرا مسئلہ: جمعہ فی القریٰ یہ مشہور اختلافی مسئلہ ہے۔

قول اوّل: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فقہاء احناف کہتے ہیں کہ صلوٰۃ الجمعہ کے لیے جو شرائط ہیں ان میں ایک شرط شہر اور مصر کا ہونا ہے۔ اس لیے جب مصر کا ہونا شرط ہے تو اس بناء پر احناف کے ہاں دیہاتوں میں جمعہ کی نماز جائز نہ ہوگی۔

قول ثانی: امام شافعی رحمہ اللہ کا قول مضطرب ہے مگر کتاب الام میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے ہاں مصر میں اور بڑے گاؤں میں جائز ہے چھوٹے دیہاتوں میں جائز نہیں۔

مگر عام شوافع امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے جمعہ فی القریٰ کا جواز نقل کرتے ہیں۔ احمد اور مالک رحمہما اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

پہلی دلیل: آیت ہے "اذا نودی للصلاة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر اللّٰہ" یہاں مصر کی شرط نہیں لگائی گئی۔

جواب: احناف کہتے ہیں یہاں صراحتاً مصر کی شرط نہیں ہے مگر اشارۃ النص سے یہ شرط معلوم ہوتی ہے کیونکہ آیت میں ہے "وذروا البیع" اور بیع وشراء شہر کی منڈی میں ہوتی ہے۔

دوسری دلیل: صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ "اول جمعة جمعت بعد جمعة جمعت فی مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بجواثی" اور جواثی کے متعلق مشہور ہے کہ "ھی قریة من قری البحرین"

جواب: احناف کہتے ہیں۔(۱) قریہ کا اطلاق دیہات پر بھی ہوتا ہے مگر بڑے شہر پر بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "لولا انزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم" یہاں قریتین سے مراد مکہ اور طائف ہیں جو شہر تھے۔ سورۃ یوسف میں ہے "واسأل القریة التی کنا فیھا" یہاں اس قریہ سے مراد مصر ہے جو شہر ہے۔ اس لیے قریہ کا اطلاق شہر پر بھی ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا جواثی بحرین کی تجارتی منڈی اور فوجی چھاؤنی تھی۔ اس لیے یہ کوئی چھوٹا دیہات نہ تھا۔

(۳) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جزیرۃ العرب تقریباً فتح ہوگیا تھا مگر جمعہ صرف تین جگہوں پر پڑھا جاتا تھا۔ مدینہ، مکہ اور جواثی میں۔ اگر ہر قریہ میں جائز ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قریوں میں پڑھنے کا حکم دیتے۔

(۴) علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موقوف حدیث ہے "لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع" یہ سنداً بالکل صحیح ہے مگر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر موقوف ہے مگر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر موقوف ہونا خلل واقع نہیں کرتا کیونکہ یہ اجتہادی مسئلہ نہیں اور غیر اجتہادی مسائل میں صحابی کا قول مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے۔

(۵) شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں تقریباً ۳۶ ہزار علاقے فتح ہوئے تھے مگر جمعہ صرف ۹۰۰ مقامات پر ہوتا تھا۔ اب ظاہر ہے ہر علاقے میں مسجد ہوگی مگر جمعہ صرف ۹۰۰ مقامات پر ہوتا تھا۔

دوسری بات: مصر کی تعریف کیا ہے تو احناف کے کئی اقوال ہیں۔ مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جس گاؤں کی آبادی تقریباً ڈیڑھ ہزار ہو، سکول ہو، ہسپتال ہو، اور انسانی ضروریات کی چیزیں وہاں موجود ہوں۔ مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ یہ ہے کہ کسی گاؤں میں جمعہ کی شرائط نہ ہوں لیکن لوگوں نے شروع کردیا ہو تو اس کے بعد بند نہ کرنا چاہیے۔ اس سے فتنہ پیدا ہوسکتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي وَقْتِ الْجُمُعَةِ جمعہ کی نماز کا وقت

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْجُمُعَةَ حِينَ تَمِيلُ الشَّمْسُ.

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے نماز جمعہ کی جب ڈھلتا تھا آفتاب۔

تشریح مسئلہ اختلافی: جمعہ کا وقت کون سا ہے؟

اس مسئلہ میں آئمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: جمہور حضرات کے نزدیک جمعہ کا وقت وہی ہے جو ظہر کا وقت ہے۔

قول ثانی: امام احمد اور بعض اہل ظواہر کے نزدیک جمعہ زوال شمس سے پہلے پڑھنا جائز ہے۔

امام احمد کی پہلی دلیل: سہل بن سعد کی مشہور روایت ہے "ما کنا نتغدی فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ولا نقیل الا بعد الجمعۃ" تغدی اس کھانے کو کہا جاتا ہے جو طلوع شمس کے بعد زوال شمس سے پہلے پہلے کھایا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زوال سے پہلے کا کھانا جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد کھاتے تھے۔ اس طرح جمعہ لازماً زوال سے پہلے ہوا۔

جواب: اگر کوئی شخص یہ کھانا زوال کے بعد بھی کھائے تو اس پر بھی تغدی کا اطلاق ہوتا ہے۔ لہٰذا اس سے استدلال کرنا درست نہیں۔

امام احمد کی دوسری دلیل: عبداللہ بن سیدان سلمی کی روایت ہے "قال شہدت یوم الجمعۃ مع ابی بکر و کانت صلوۃ و خطبۃ قبل نصف النہار"

جواب: یہ ضعیف راویت ہے۔

جمہور کا استدلال، پہلی دلیل: بخاری شریف کی روایت "اذا راحوا الی الجمعۃ راحوا فی ہیئتہم" اس میں جمعہ کے لیے رواح سے تعبیر کیا گیا ہے اور لفظ رواح زوال کے بعد جانے کو کہتے ہیں۔

دوسری دلیل: "عن جابر کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اذا زالت الشمس صلی الجمعۃ"

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخُطْبَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ منبر پر خطبہ پڑھنا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْطُبُ إِلَى جِذْعٍ فَلَمَّا اتَّخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِنْبَرَ حَنَّ الْجِذْعُ حَتَّى أَتَاهُ فَالْتَزَمَهُ فَسَكَنَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھتے تھے ایک کھجور کے تنے کے پاس پھر جب بنایا منبر رونے لگا وہ تنا کھجور کا یہاں تک کہ آئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس اور اسے چمٹا لیا، اس طرح وہ چپ ہوا۔

تشریح: منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دینا زہد کے خلاف نہیں۔ "حَنَّ الجذع" استوانہ رونے لگا اور ایک دوسری حدیث میں ہے ایسا رونے لگا جیسے اونٹنی اپنے بچے کے گم ہونے پر چیختی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الجُلُوسِ بَيْنَ الخُطْبَتَيْنِ دونوں خطبوں کے درمیان میں بیٹھنا

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْطُبُ يَوْمَ الجُمُعَةِ ثُمَّ يَجْلِسُ ثُمَّ يَقُومُ فَيَخْطُبُ قَالَ مِثْلَ مَا يَفْعَلُونَ اليَوْمَ.

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھتے تھے جمعہ کے دن پھر بیٹھ جاتے تھے یعنی ایک خطبے کے بعد پھر کھڑے ہوتے اور خطبہ پڑھتے یعنی دوسرا۔ کہا راوی نے جیسا آج کے دن لوگ کرتے ہیں۔

تشریح **اختلافی مسئلہ، قول اوّل:**

جلوس بین الخطبتین کے متعلق امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ یہ سنت ہے۔ جمہور کا بھی یہی قول ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول فرضیت کا ہے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں جہاں خطبے کا ذکر ہے وہاں "فاسعوا الی ذکر اللہ" اس کو ذکر اللہ کہا ہے۔ اس لیے خطبہ میں دو چیزیں فرض ہوں گی۔ ایک یہ کہ جمعہ کا وقت ہو، دوسرا یہ کہ وہ ذکر اللہ پر مشتمل ہو۔ باقی جلوس وغیرہ خبر واحد سے ثابت ہے یہ سنت ہوگا۔ اگر اس کو بھی فرض مانیں تو قرآن سے جو چیز جس درجہ میں ثابت ہوئی ہے۔ اسی درجہ میں وہ چیز خبر واحد سے کچھ ثابت کر کے قرآن پر زیادتی جائز نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَصْرِ الخُطْبَةِ خطبہ مختصر پڑھنا

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كُنْتُ أُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَتْ صَلَاتُهُ قَصْدًا وَخُطْبَتُهُ قَصْدًا.

ترجمہ حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ میں نماز پڑھتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سو ہو جاتی تھی نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی متوسط اور خطبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا متوسط یعنی نہ بہت دراز اور نہ بہت کم۔

تشریح پہلی بات: خطبے کے متعلق ہمارے فقہاء کہتے ہیں کہ خطبہ نماز سے لمبا ہونا چاہیے۔ بعض نے لکھا ہے کہ طوال مفصل کی جو سورتیں ہیں ان میں سے کسی ایک سورت کے برابر ہونا چاہیے۔ اس سے زیادہ اگر ہو تو وہ سنت کے خلاف ہوگا۔

دوسری بات: خطبہ کن چیزوں پر مشتمل ہونا چاہیے تو احناف کہتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ اس میں ذکر اللہ ہو، درود ہو، وعظ ہو، بشارت و انذار ہو، لوگوں کو تقویٰ کی وصیت ہو اور ایک دو آیت ہوں۔ یہ سب مسنون و مستحب ہے۔ باقی فرض چند الفاظ سے ادا ہو جاتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِرَاءَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ منبر پر قرآن پڑھنا

عَنْ صَفْوَانَ بْنِ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ عَلَى الْمِنْبَرِ {وَنَادَوْا يَا مَالِكُ} [الزخرف: 77].

ترجمہ حضرت صفوان بن یعلی بن اُمیہ سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہا سنا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ آیت پڑھتے ہوئے: "وَنَادَوْا يَا مَالِكُ"

تشریح خطبہ میں آیات قرآنیہ کی تلاوت کا کیا حکم ہے؟

قول اوّل: جمہور کے نزدیک مسنون ومستحب ہے۔

قول ثانی: امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں فرض ہے۔

جمہور کی دلیل: قرآن میں خطبہ کو ذکر اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے یہ عام ہے قرآن اور قرآن کے ماسواء کو بھی شامل ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں خطبہ سے مقصود وعظ ونصیحت ہے اور یہ تب نافع ہوگا جب سامعین کو سمجھ آئے۔ لہٰذا اُردو زبان میں ہونا چاہیے۔

جواب: اگرچہ مقصود وعظ ونصیحت ہے لیکن اس کا غالب پہلو ذکر اللہ ہے، اس میں ترمیم نہیں ہوسکتی، اس لیے یہ عربی ہوگا۔

بَابُ فِي اسْتِقْبَالِ الْإِمَامِ إِذَا خَطَبَ خطبہ دیتے وقت امام کی طرف چہرہ رکھنا

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَوَى عَلَى الْمِنْبَرِ اسْتَقْبَلْنَاهُ بِوُجُوهِنَا.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چڑھتے منبر پر یعنی خطبہ پڑھنے کو تو ہم سامنے کر لیتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے منہ۔

تشریح مسئلہ: امام جب خطبہ دے تو لوگوں کا چہرہ امام کی طرف ہونا چاہیے یہ مستحب ہے مگر ان کے لیے جن تک خطبہ کی آواز پہنچ رہی ہو لیکن جن تک آواز نہ پہنچے اور وہ خطبہ سمجھ نہ سکیں۔

تو ان کے لیے امام کی طرف متوجہ ہونا مستحب نہیں۔ اس لیے قبلہ رُخ بیٹھیں۔ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ آج کل قبلہ رُخ بیٹھنا چاہیے کیونکہ استقبال امام کا مقصد یہ تھا کہ اس کی بات سنے اور سمجھے لیکن آج کل لوگ عربی سمجھتے نہیں اس لیے استقبال امام کا کوئی فائدہ نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ إِذَا جَاءَ الرَّجُلُ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ

امام کے خطبہ دیتے ہوئے آنے والا شخص دو رکعت پڑھے

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ بَيْنَمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَلَّيْتَ قَالَ لَا قَالَ قُمْ فَارْكَعْ.

ترجمہ حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے جمعہ کے دن کہ آیا ایک آدمی سو فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا نماز پڑھی تو نے تحیۃ المسجد یا سنت جمعہ، عرض کیا اس نے نہیں، فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑا ہو اور پڑھ لے۔

عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي سَرْحٍ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ دَخَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَمَرْوَانُ يَخْطُبُ فَقَامَ يُصَلِّي فَجَاءَ الْحَرَسُ لِيُجْلِسُوهُ فَأَبَى حَتَّى صَلَّى فَلَمَّا انْصَرَفَ أَتَيْنَاهُ فَقُلْنَا رَحِمَكَ اللهُ إِنْ كَادُوا لَيَقَعُوا بِكَ فَقَالَ مَا كُنْتُ لِأَتْرُكَهُمَا بَعْدَ شَيْءٍ رَأَيْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ ذَكَرَ أَنَّ رَجُلًا جَاءَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي هَيْئَةٍ بَذَّةٍ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَأَمَرَهُ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ.

ترجمہ حضرت عیاض بن عبداللہ بن ابی سرح سے روایت ہے کہ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے جمعہ میں اور مروان خطبہ پڑھتا تھا سو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے، پس آئے چوکیدار کہ بٹھادیں ان کو پس نہ مانا انہوں نے یہاں تک کہ پڑھ چکے پھر جب فارغ ہوئے نمازِ جمعہ سے آئے ہم ان کے پاس اور کہا ہم نے۔ اللہ رحم کرے تم پر یہ تو گرے پڑتے تھے تمہارے اوپر سو فرمایا انہوں نے میں کبھی نہ چھوڑوں گا اس چیز کو جس کو دیکھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پھر ذکر کیا کہ ایک مرد آیا جمعہ کے دن میلی کچیلی صورت میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھتے تھے جمعہ کا پھر حکم کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سو پڑھی اس نے دو رکعتیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھتے تھے۔

تشریح مسئلہ اختلافی: خطبہ کے دوران داخل فی المسجد کے لیے تحیۃ المسجد کی رکعتین جائز ہیں یا نہیں؟

قول اوّل: امام صاحب و امام مالک فرماتے ہیں لا یجوز۔

قول ثانی: امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دوران خطبہ مستحب ہیں۔

قول ثالث: اہل ظواہر کہتے ہیں کہ دورانِ خطبہ تحیۃ المسجد رکعتین واجب ہیں۔

احناف و مالکیہ کی دلیل اوّل: اگلے باب میں حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن خطبہ کے دوران اگر کوئی آدمی کسی کو کہے کہ چپ ہو جاؤ تو اس نے لغو کام کیا جب خطبہ کے دوران امر بالمعروف جو کہ واجب ہے یہ منہی عنہ ہے تو تحیۃ المسجد جو کہ مستحب ہے یہ بطریق اولیٰ منہی عنہ ہوگا اور جیسے نماز کے دوران کسی کو روکو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

دلیل ثانی: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خطبہ والا واقعہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تاخیر پر بھی مواخذہ کیا اور صرف وضو پر اکتفاء پر بھی مواخذہ کیا لیکن تحیۃ المسجد کی دو رکعتوں کا حکم نہیں دیا، اگر مستحب ہوتیں تو لامحالہ ان کو یہ بھی حکم فرماتے کہ دو رکعتیں پڑھ لو۔

دلیل ثالث: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب امام خطبہ کے لیے آجائے تو نہ نماز جائز ہے نہ کلام جائز ہے "اذا جاء احدکم والامام یخطب فلا صلٰوۃ ولا کلام، اخرجہ الطبرانی"

دلیل رابع: واقعات اربعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ کے دوران داخل فی المسجد کے لیے رکعتین جائز نہیں۔

واقعہ (١): یہ بسند صحیح ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے، کچھ لوگ بیٹھے تھے اور کچھ کھڑے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اجلسوا" حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد کے دروازے سے داخل ہو رہے تھے وہیں بیٹھ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تَعَال" اب ان کو یہ تو فرمایا کہ اندر آجاؤ، یہ نہیں فرمایا کہ دو رکعتیں پڑھ لو۔

واقعہ (٢): ابواب الاستقاء سے متعلق احادیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے، ایک شخص آیا، اُس نے کہا کہ مال ہلاک ہو گئے اور بچے بھوک سے تڑپ گئے، آپ دُعا فرما دیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے دوران دُعا فرمائی اور اس کو یہ نہیں فرمایا کہ تحیۃ المسجد کی رکعتین پڑھ لو، اس کو یہ حکم اس لیے نہیں دیا کہ خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد رکعتین مستحب نہیں۔

واقعہ (٣): یہی دوسرے واقعہ والا شخص یا دوسرا شخص اگلے جمعہ پھر مسجد میں داخل ہوا اور عرض کیا کہ راستے بند ہو چکے ہیں، آپ بارش رُکنے کی دُعا فرما دیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا کی تو فوراً بادل منتشر ہو گئے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔

واقعہ (٤): حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے، ایک شخص گردنیں پھلانگ کر داخل ہوا اور سوال کیا "متی الساعۃ" تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ما اعددت لھا" اس نے کہا حب اللہ ورسولہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "المرء مع من احب" اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس داخل فی المسجد کو تحیۃ المسجد کا حکم نہیں دیا یہ چاروں واقعات دال ہیں اس بات پر کہ رکعتین داخل فی المسجد کے لیے مستحب نہیں ہیں۔

شوافع وحنابلہ کی دلیل اوّل:

حدیث جابر بن عبداللہ کہ خطبہ کے دوران ایک شخص جن کا نام سلیک غطفانی ہے مسجد میں داخل ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا نماز پڑھی ہے تو اس نے کہا "لا" پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قُم فارکع"

دلیل ثانی: عمل ابوسعید خدری کہ جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوئے، مروان خطبہ دے رہا تھا، ابوسعید کھڑے ہوکر نماز پڑھنے لگے تو مروان کے سپاہی پہنچ آئے تا کہ ان کو بٹھائیں تو ابوسعید خدری نے انکار کر دیا، جب فارغ ہوئے تو ہم ابوسعید کے پاس آئے، رحمک اللہ یہ مروان کے سپاہی تھے، یہ تو آپ پر گر پڑے تھے، آپ کو ان کی بات مان لینی چاہیے تھی تو فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جس چیز کو میں نے دیکھا ہے میں اسے کیسے چھوڑ دوں۔

دلیل ثالث: واقعہ ہے ایک آدمی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تحیۃ المسجد رکعتین پڑھنے کا حکم دیا۔

دلیل رابع: سفیان بن عیینہ کا عمل بھی یہی تھا اور عبدالرحمن مقری بھی اس کو جائز سمجھتے تھے۔

جواب (۱): حدیث جابر بن عبداللہ میں آنے والے سلیک غطفانی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی خطبہ شروع نہ کیا تھا منبر پر تشریف فرما تھے۔ چنانچہ امام نسائی نے سنن کبریٰ میں اس حدیث پر باب قائم کیا ہے اور اس میں یہی بتلایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی خطبہ شروع نہیں کیا۔

جواب (۲): اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ روک لیا تھا۔ چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت ہے جو کہ دال ہے اس بات پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ روک لیا تھا۔

جواب (۳): ممکن ہے اس زمانہ کا واقعہ ہو جس وقت ابھی کلام فی الصلوٰۃ اور کلام فی الخطبہ منسوخ نہ ہوا ہو، بعد میں جب کلام فی الصلوٰۃ کا نسخ ہوا تو کلام فی الخطبہ کا بھی نسخ ہو گیا۔

جواب (۴): اس سلیک غطفانی کے واقع کا حاصل اباحت ہے اور نصوصِ احناف کا مدلول حرمت ہے اور ترجیح حرمت کو ہوتی ہے۔

جواب (۵): یہ سلیک غطفانی کی خصوصیت تھی۔ سلیک غطفانی فقیر الحال تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ اس کی حالت صحابہ رضی اللہ عنہم کو معلوم ہو جائے تا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اس کا مالی تعاون کریں۔

جواب (۶): اس کو جو ارشاد فرمایا کہ نماز پڑھ لو، یہ تحیۃ المسجد نہ تھی بلکہ فجر کی فوت شدہ نماز اس کے ذمہ تھی جس کے فوت ہونے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحیاً علم ہوا اور قرینہ ابن ماجہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اَصَلَّیتَ قبل ان یجیئ" اور ظاہر ہے کہ مسجد میں آنے سے پہلے تحیۃ المسجد تو نہیں پڑھی جاتی۔ لامحالہ یہ تحیۃ المسجد کے ماسوا تھی۔

باقی دلائل کے جوابات: دوسری اور تیسری اور چوتھی دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے۔ لہٰذا یہ ہمارے خلاف حجت نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الكَلَامِ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ جب امام خطبہ پڑھتا ہو تو کلام کرنا مکروہ ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ يَوْمَ الجُمُعَةِ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ أَنْصِتْ فَقَدْ لَغَا

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کہے جمعہ کے دن اور امام خطبہ پڑھتا ہو چپ رہ تو اس نے بھی لغوبات کی یعنی کسی کو چپ بھی کرائے تو اشارہ سے۔

تشریح "قوله اختلفوا فی رد السلام و تشمیت العاطس ... الخ" خطبہ کے دوران چھینکنے کا جواب دینا یا سلام کرنے والے کا جواب دینا جائز ہے یا نہیں؟ امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک لایجوز، باقی ساعت اجابت میں دل سے دُعا کرے، امام احمد و امام اسحٰق کے نزدیک سلام کا جواب دینا جائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ التَّخَطِّي يَوْمَ الجُمُعَةِ

جمعہ کے دن لوگوں کے اوپر سے پھاند کر صفیں چیر کر جانا مکروہ ہے

عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ الجُهَنِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَخَطَّى رِقَابَ النَّاسِ يَوْمَ الجُمُعَةِ اتَّخَذَ جِسْرًا إِلَى جَهَنَّمَ.

ترجمہ حضرت سہل بن معاذ بن انس جہنی سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو پھاندے گردنیں لوگوں کی جمعے کے دن بنایا جائے گا پل جہنم کا یعنی اس پر سے چڑھ کر لوگ جہنم کو عبور کریں گے۔

تشریح:...... گردنوں کو پھلانگنا گناہ کبیرہ ہے باقی یوم الجمعہ کی قید لگائی کہ جمعہ کے دن ہجوم ہوتا ہے جب ضرورت کے ہوتے ہوئے تخطی رکاب جائز نہیں تو عدم ضرورت میں تو بطریق اولیٰ جائز نہیں۔ "قوله اتخذ جسراً الی جهنم" اس نے لوگوں کی گردنوں کو پُل بنایا قیامت کے دن خود اس کو جہنم پر پُل بنایا جائے گا، یہ تب ممنوع ہے جب اگلی صفوں میں جگہ نہ ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الِاحْتِبَاءِ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ امام کے خطبہ دینے کے دوران احتباء مکروہ ہے

عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الحَبْوَةِ يَوْمَ الجُمُعَةِ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ

ترجمہ حضرت سہل بن معاذ سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے حبوہ سے جمعے کے دن جب امام خطبہ پڑھتا ہو۔

تشریح گوٹھ مار کر بیٹھنا اس کے متعلق احادیث دونوں طرح کی ہیں۔ اگر احتباء جالب نوم ہو تو ممنوع ہے اور اگر جالب

نوم نہ ہو تو جائز ہے۔باقی احتباء دو قسم پر ہے۔(۱) انشاء احتباء (۲) ابقائے احتباء، اگر خطبہ سے پہلے احتباء ہو تو خطبہ میں اسی حالت کو باقی رکھنا یہ ابقاء احتباء ہے اور اگر دورانِ خطبہ احتباء کیا تو انشاء احتباء ہے، اب جن احادیث میں ہے کہ جائز ہے وہ ابقاء احتباء ہے اور جن میں ممانعت ہے وہ انشاء احتباء کی ہے۔باقی احتباء دو قسم پر ہے۔(۱) مقصود تکبر و بڑائی ہو (۲) رفع تعصب یعنی تھکاوٹ کو دور کرنا، اب ثانی مباح ہے اور اوّل حرام ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ رَفْعِ الأَيْدِي عَلَى المِنْبَرِ منبر پر دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھانا مکروہ ہے

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ قَالَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ قَالَ أَخْبَرَنَا حُصَيْنٌ قَالَ سَمِعْتُ عُمَارَةَ بْنَ رُوَيْبَةَ وَبِشْرُ بْنُ مَرْوَانَ يَخْطُبُ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فِي الدُّعَاءِ فَقَالَ عُمَارَةُ قَبَّحَ اللهُ هَاتَيْنِ الْيُدَيَّتَيْنِ الْقُصَيِّرَتَيْنِ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا يَزِيدُ عَلَى أَنْ يَقُولَ هٰكَذَا وَأَشَارَ هُشَيْمٌ بِالسَّبَابَةِ.

ترجمہ ہم سے روایت کی احمد بن منیع نے کہا انہوں نے روایت کی ہم سے ہشیم نے انہوں نے حصین سے کہا سنا میں نے عمارہ بن رویبہ کو اس وقت میں کہ بشر بن مروان خطبہ پڑھتا تھا اور اُٹھاتے تھے اپنے ہاتھوں کو دُعا میں تو کہا عمارہ نے خراب کرے اللہ تعالیٰ دونوں ہاتھوں نکموں، چھوٹوں کو بے شک دیکھا ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں زیادہ کرتے تھے اتنے پر اور اشارہ کیا ہشیم نے کلمے کی اُنگلی سے۔

تشریح مسئلہ اختلافی: رفع الایدی علی المنبر کا کیا حکم ہے؟ اس مسئلہ میں آئمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: شافعیہ، مالکیہ کے نزدیک "رفع الایدی علی المنبر "مکروہ ہے۔

قول ثانی: بعض مالکیہ کے ہاں جائز ہے۔یہ دلیل دیتے ہیں کہ "لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدیہ فی خطبۃ الجمعۃ حین استسقی" جمہور اس کا جواب یہ دیتے ہیں۔یہ واقعہ جزئیہ ہے، دوسرا یہ کہ یہ رفع ایدی ایک عارض کی وجہ سے ہوا اور وہ عارضہ استسقاء تھا۔خطبہ کے دوران وعظ و نصیحت کرنے کیلئے اشارہ کی ہوتی ہے ضرورت تو صرف انگلی سے اشارہ کرے مبالغہ نہ کرے، مبالغہ کرنا مکروہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَذَانِ الْجُمُعَةِ جمعہ کی اذان

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كَانَ الأَذَانُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ إِذَا خَرَجَ الإِمَامُ وَإِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ زَادَ النِّدَاءَ الثَّالِثَ عَلَى الزَّوْرَاءِ.

ترجمہ حضرت سائب بن یزید سے روایت ہے کہا اذان تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقت میں جب نکلتا امام اور تکبیر ہوتی نماز کی پھر جب ہوا زمانہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا تو زیادہ ہوئی تیسری اذان منارہ پر یعنی معہ تکبیر۔

تشریح حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کے زمانہ میں جمعہ کے دن ایک اذان ہوتی تھی، مسجد کے دروازے پر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو تیسری اذان کا اضافہ کردیا، اقامت کو بھی تغلیباً اذان کہا، اس کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اضافہ کیا، اس اذان کا ثالث ہونا مشروعیت کے اعتبار سے ہے ورنہ عملاً یہ اول الاذان ہے۔ وقت کے داخل ہونے پر دی جائے گی، باقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور شیخین کے زمانہ میں جو اذان مسجد کے دروازے پر دی جاتی تھی وہ منبر کے سامنے کردی گئی۔ باقی اِس اذان کو بدعت کہنا جائز نہیں بلکہ یہ اذان مشروع ہے کیونکہ اس کو ایجاد کرنے والے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "علیکم بِسنّتی و سنة الخلفآء الرّاشدین المھدیین" اور خلفاء راشدین کی سنت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرح واجب الاتباع ہے۔ نیز کسی صحابی نے انکار بھی نہیں کیا، لہٰذا اس کو بدعت کہنا خود بدعت ہے۔

سوال: متن حدیث پر ہے کہ "کان الاذان علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اذا خرج الامام اقیمت الصلٰوۃ" جب امام منبر پر آتا ہے تو اذان کہی جاتی ہے اور روایت میں "أقیمت الصلٰوۃ"

جواب: یہاں پر اختصار ہے اصل میں دونوں چیزیں ہیں کہ جب امام آجائے تو اذان و اقامت دونوں ہوں گی لیکن بعض نے صرف اذان کو ذکر کیا جیسے بخاری میں ہے اور بعض نے اقامت کو ذکر کیا جیسے ترمذی میں ہے اور بعض نے دونوں کو ذکر کیا ہے جیسے ابن خزیمہ میں ہے اور حضرت علامہ گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اقیمت الصلٰوۃ" سے صلٰوۃ حکمی ہے اور وہ خطبہ ہے کہ جب امام آجاتا تو خطبہ شروع ہوجاتا، اب اشکال نہ ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْكَلَامِ بَعْدَ نُزُولِ الإِمَامِ مِنَ الْمِنْبَرِ امام کے منبر سے اُترنے کے بعد بات کرنا

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَلَّمُ بِالْحَاجَةِ إِذَا نَزَلَ عَنِ الْمِنْبَرِ.

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ باتیں کرتے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ضرورت کی جب اُترتے منبر پر سے (لیکن فقط بوقت ضرورت)۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَا تُقَامُ الصَّلَاةُ يُكَلِّمُهُ الرَّجُلُ يَقُومُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ فَمَا يَزَالُ يُكَلِّمُهُ وَلَقَدْ رَأَيْتُ بَعْضَهُمْ يَنْعَسُ مِنْ طُولِ قِيَامِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُ

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ دیکھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد تکبیر نماز کے باتیں کرتے ہوئے ایک آدمی سے کہ کھڑا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قبلے کے مابین پھر باتیں کرتا رہا وہ حضرت صلی اللہ

علیہ وسلم سے یہاں تک کہ دیکھا میں نے بعضوں کو اونگھتے ہوئے بہت دیر تک کھڑے رہنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

تشریح مسئلہ اختلافی: امام کے خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد قبل الاقامت مقتدیوں کے لیے کلام جائز ہے یا نہیں؟

قول اوّل: جمہور فرماتے ہیں کہ خطبہ کے بعد اقامت سے پہلے مقتدیوں کیلئے کلام کرنا جائز ہے۔

قول ثانی: امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام کے خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد قبل الاقامت مقتدیوں کو کلام کرنا جائز نہیں۔

جمہور کی دلیل: حدیث الباب حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نزول کے بعد حاجت کے لیے کلام فرماتے ہیں۔

سوال: یہ تو کلام الامام ہے یہ تو محل نزاع نہیں ہے؟

جواب اوّل: امام کی کلام پر مقتدی کو قیاس کر لیتے ہیں جیسے امام کا کلام کرنا جائز ہے، اسی پر قیاس کرتے ہوئے کہیں گے کہ مقتدی کا بات کرنا بھی جائز ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے جواب کہ مقتدی کو امام پر قیاس نہیں کر سکتے کیونکہ امام تو خطبہ کے دوران بھی کلام کر سکتا ہے اور مقتدی نہیں۔ لہٰذا بعد الخطبہ بھی ایسا ہی ہوگا۔

جواب ثانی: یہ حدیث سنداً معلول ہے کیونکہ اس میں جریر بن حازم ہیں، یہ اگرچہ ثقہ ہیں لیکن کئی وہم ہوئے۔

(۱) اصل میں یہ واقعہ عشاء کی نماز کے متعلق تھا یعنی عشاء کی تکبیر کے بعد کسی آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرنا شروع کی، بعد الاقامت اس پر قرینہ یہ ہے کہ روایت میں ہے "حتی نَعَسَ بعض القوم" لیکن جریر سے وہم ہوا کہ اس واقعہ کو جوڑ دیا صلوٰۃ الجمعہ کے ساتھ اور خطبہ جمعہ کے ساتھ تعبیر کر دیا جیسے حدیث میں ہے۔

(۲) یہ عشاء والا واقعہ بھی ایک جزئیہ تھا لیکن جریر سے یہ وہم ہوا کہ اس کو قاعدہ کلیہ بیان کر دیا۔

"کان النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم اذا نزل من المنبر یتکلم بالحاجة" اور اس جیسی عبارت استمرار پر دال ہوتی ہے جب تک اس کا معارض نہ ہو۔

(۳) جس طرح عشاء کی نماز کے متعلق واقعہ تھا لیکن جریر نے اس کو جمعہ کے ساتھ جوڑ دیا۔ اسی طرح ایک دوسری حدیث کی سند میں بھی وہم ہو گیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ ثابت بنانی کی مجلس میں حجاج الصواف نے اس سند کے ساتھ حدیث بیان کی، "عَنْ یحی بن کثیر عن عبداللہ بن ابی قتادہ عن ابیہ" وہ حدیث یہ ہے کہ جب نماز کھڑی ہو جائے تو تم کھڑے ہو جاؤ، میرا انتظار نہ کرو، ممکن ہے مجھے تاخیر ہو جائے تمہیں مشقت ہو لیکن جریر سے وہم ہوا کہ اس کو یوں بیان کیا۔ "عن ثابت عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلّم قال الحدیث الخ" اور وہم یہ ہوا کہ شاید اس کو بیان کرنے والے خود ثابت بنانی تھے۔ باقی اس حدیث کو صرف یہ بات بتلانے کے لیے ذکر کیا کہ یہاں بھی وہم ہے ورنہ تو اس حدیث کا جمعہ سے کوئی تعلق نہیں۔ لہٰذا جریر سے وہم صادر ہوتے رہتے ہیں، ان کی حدیث پر عمل نہ کیا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِرَاءَةِ فِي صَلَاةِ الْجُمُعَةِ جمعہ کی نماز میں قرأت

عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ مَوْلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اسْتَخْلَفَ مَرْوَانُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَلَى الْمَدِينَةِ وَخَرَجَ إِلَى مَكَّةَ فَصَلَّى بِنَا أَبُو هُرَيْرَةَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَرَأَ سُورَةَ الْجُمُعَةِ وَفِي السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالَ عُبَيْدُ اللهِ فَأَدْرَكْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ لَهُ تَقْرَأُ بِسُورَتَيْنِ كَانَ عَلِيٌّ يَقْرَأُ بِهِمَا بِالْكُوفَةِ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهِمَا.

ترجمہ حضرت عبید اللہ بن ابی رافع سے روایت ہے جو مولیٰ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہا انہوں نے خلیفہ کیا مروان نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ میں اور آپ گیا مکے کو سو نماز پڑھائی ہم کو ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمعہ کی سو پڑھی سورۂ جمعہ اور دوسری رکعت میں اذا جاءک المنافقون کہا عبداللہ نے پھر میں ملا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور کہا میں نے پڑھی تم نے دو سورتیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پڑھتے تھے کوفہ میں۔ سو فرمایا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میں نے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دونوں سورتیں پڑھتے ہوئے۔

تشریح اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اوقات مختلفہ میں مختلف سورتیں پڑھیں، ان سورتوں کا التزام بھی صحیح نہیں اور چھوڑ دینا بھی صحیح نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَا يَقْرَأُ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے دن نماز صبح میں کیا پڑھنا چاہیے؟

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ تَنْزِيلُ السَّجْدَةَ وَهَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے جمعہ کے دن نماز صبح (فجر) میں تنزیل السجدۃ اور هل اتی الانسان۔

تشریح حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن فجر کی نماز میں تنزیل سجدہ اور "هل اتی علی الانسان" پڑھتے تھے۔ بعض حضرات نے کہا کہ سجدہ والی سورۃ سری نمازوں میں مکروہ ہے۔ تا کہ اس سے مقتدیوں کو تشویش لاحق نہ ہو لیکن اس کی تصریح ہماری کتب میں موجود ہیں۔ (قوت المغتذی)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ قَبْلَ الجُمُعَةِ وَ بَعْدَهَا جمعہ سے قبل اور بعد کی نماز

عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي بَعْدَ الجُمُعَةِ رَكْعَتَيْنِ.

ترجمہ حضرت سالم سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے جمعہ کے بعد دو رکعتیں۔

عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ إِذَا صَلَّى الجُمُعَةَ انْصَرَفَ فَصَلَّى سَجْدَتَيْنِ فِي بَيْتِهِ ثُمَّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ ذٰلِكَ.

ترجمہ نافع سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہ تھے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب پڑھ چکتے جمعہ اور پھرتے تو دو رکعت پڑھتے اپنے گھر میں پھر کہتے کہ اسی طرح کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُصَلِّيًا بَعْدَ الجُمُعَةِ فَلْيُصَلِّ أَرْبَعًا.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چاہے تم میں سے نماز پڑھنا بعد جمعے کے تو پڑھے چار رکعت۔

تشریح اس میں دو مسئلے ہیں۔

(۱): جمعہ کی سنن قبلیہ (۲) جمعہ کی سنن بعدیہ۔

مسئلہ (۱): سنن قبلیہ احناف کے نزدیک چار رکعت ہیں اور جمہور کا بھی یہی مذہب ہے۔

دلیل (۱): امام ترمذی رحمہ اللہ نے جو ذکر کی ہے وہ تو عمل ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہے، "وروی عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ انہ کان یصلی قبل الجمعۃ اربعًا" اور یقیناً ان کے پاس اس کا کوئی ماخذ ہوگا اور وہ عمل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

دلیل (۲): حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما "الذی اخرجہ ابن ماجہ" فرماتے ہیں "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یرکع قبل الجمعہ اربعًا لایفصل بینھن بشیئ"

دلیل (۳): اثر ابن عمر رضی اللہ عنہما "الذی اخرجہ الطحاوی فی مشکل الآثار" حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں "من کان مصلیًا فلیصل قبل الجمعۃ وبعدھا اربعًا"

دلیل (۴): عمل ابن عمر رضی اللہ عنہما "اخرجہ الطحاوی شرح معانی الآثار" ان کا عمل بھی چار رکعت پڑھنے کا تھا۔ باقی سنن بعدیہ کے بہت سارے دلائل ہیں۔

حدیث مرفوع حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ "من کان منکم مصلیا بعد الجمعۃ فلیصل اربعًا" اور عمل ابن عمر رضی

اللہ عنہما سے دو رکعتوں کا ہونا معلوم ہوتا ہے، دونوں کو ملانے سے چھ رکعتیں ہوئیں اور چھ رکعتوں کے پڑھنے میں احتیاط ہے اور اس کی مزید تائید اثر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ہوتی ہے "وروی عن علی بن ابی طالب انه امر ان یصلی بعد الجمعة رکعتین ثم اربعا" یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھے اور پھر چار پڑھے اور ایسے ہی عمل ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

"عن عطاء رأیت ابن عمر رضی اللہ عنهما انه کان یصلّی بعد الجمعة رکعتین فی بیته، وابن عمر رضی اللہ عنهما بعد النبی صلی اللہ علیه وآله وسلّم صلی فی المسجد بعد الجمعه رکعتین وصلّی بعد الرّکعتین اربعا" باقی چھ رکعتیں کیسے پڑھی جائیں دو قول ہیں۔

قول (۱) پہلے چار پھر دو تا کہ جمعہ کے ساتھ مشابہت نہ ہو اور امام طحاوی رحمہ اللہ کا میلان بھی اسی طرف ہے اور قول ۲: قاضی ابو یوسف کے ہاں اس کے برعکس ہے۔

سوال: حدیث قولی اور فعلی میں تدافع ہے؟

جواب: حدیث قولی سے چار رکعتوں کی تعلیم دی اور فعلی سے دو رکعتوں کی دونوں کو جمع کر لیا جائے کیونکہ تعلیم قولی اور فعلی میں تضاد نہیں اور دو رکعتوں پر بھی عمل ہو جائے گا اس لیے کہ وہ زیادہ اہم ہیں لیکن اسحاق بن راہویہ نے تطبیق دی ہے، اگر گھر میں پڑھی ہیں تو دو رکعت اور اگر مسجد میں ہو چار رکعت پڑھے۔

لیکن امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس تطبیق کو پسند نہیں کیا اور رد کر دیا کہ دیکھیں ابن عمر رضی اللہ عنہما نے گھر میں دو رکعت کے پڑھنے کے بعد فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت پڑھتے لیکن باوجود اس کے ان کا اپنا عمل مسجد میں دو رکعت کے بعد چار رکعت پڑھنے کا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ تطبیق صحیح نہیں۔ باقی ابن تیمیہ، حنابلہ، مالکیہ کی بعض روایتیں ہیں کہ سنن قبلیہ سرے سے ثابت ہی نہیں ہیں۔

"حدّثنا سعید" پہلی حدیث میں زہری کے شاگرد عمرو بن دینار ہیں، عمرو کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو زہری سے زیادہ اس حدیث کو واضح بیان کرنے والا نہیں پایا، گویا کہ زہری کی عمرو مدح بیان کر رہے ہیں۔ نیز عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا، جس کے ہاں دراہم و دنانیر حقیر ہوں بنسبت زہری کے، ان کے ہاں دراہم دنانیر بمنزلہ بکری کی مینگنیوں کے تھے اتنا زہد تھا زہری میں۔

"قال ابو عیسٰی" پچھلی حدیث میں منقبت زہری بیان کرنے والے عمرو بن دینار ہیں لیکن یہاں سے امام ترمذی رحمہ اللہ خود منقبت بیان کر رہے ہیں کہ ابن ابی عمر کہتے ہیں کہ میں نے سفیان سے سنا کہ عمرو زہری سے عمر میں بڑے ہیں لیکن اس کے باوجود بڑی عمر والے چھوٹی عمر والا سے علم حاصل کر رہے ہیں، محض فضل و کمال کی وجہ سے اس سے زہری کی منقبت معلوم ہوئی۔

بَابُ فِيمَنْ يُدْرِكُ مِنَ الْجُمُعَةِ رَكْعَةً جو شخص جمعہ کی ایک رکعت پاسکے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصَّلَاةِ رَكْعَةً فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے پائی ایک رکعت نماز سے اس نے پائی وہ نماز۔

تشریح مسئلہ: آیا جمعہ کی نماز میں اگر کوئی شخص تشہد میں شامل ہو تو وہ جمعہ کی نماز پڑھے گا یا پھر ظہر کی۔

قول اوّل: شیخین فرماتے ہیں کہ جمعہ ہی پڑھے دو رکعت۔

قول ثانی: امام محمد و جمہور فرماتے ہیں کہ ظہر کی نماز پڑھے چار رکعت۔

شیخین کی دلیل: "اذا اقیمت الصلوۃ الخ" اور آگے ہے "ما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاقضوا" یہاں فاتکم رکعتین کو بھی شامل ہے اور مادون الرکعتین کو بھی شامل ہے۔اب اس حدیث کا مقتضی یہ ہے کہ جو التحیات میں شریک ہوجائے وہ وہی نماز پڑھے۔

جمہور کی دلیل: روایت الباب "من ادرک عن الصلوۃ رکعۃ فقد ادرک الصلوۃ" یہ اپنے عموم کی وجہ سے جمعہ اور جمعہ کے ماسوا دونوں کو شامل ہے۔اب معنی یہ ہوگا کہ جو آدمی جمعہ کی ایک رکعت پالے اس کو جمعہ مل جائے گا،اب جو آدمی التحیات میں ملا اس کو تو ایک رکعت نہیں ملی تو لہٰذا اس کو یہ نماز نہیں ملی،اس کو چاہیے کہ ظہر کی نماز پڑھے۔

جواب(۱): ذکر کیا رکعت کو لیکن مراد جزء من الصلوۃ ہے اور یہ التحیات کو شامل ہے۔

جواب(۲): یہ سنن کی حدیث ہے اور ہماری حدیث صحیحین کی ہے اس لیے وہ راجح ہے۔

جواب(۳): یہ استدلال بطور مفہوم مخالف کے ہے اور یہ مفہوم مخالف ہمارے معتبر نہیں ہے۔

بَابٌ فِي الْقَائِلَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ جمعہ کے دن قیلولہ

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ مَا كُنَّا نَتَغَدَّى فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا نَقِيلُ إِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ

ترجمہ حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ نہ ہم صبح کا کھانا کھاتے تھے زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور نہ قیلولہ کرتے تھے مگر بعد جمعہ کے۔

تشریح صلوٰۃ جمعہ زوال سے پہلے جائز ہے یا نہیں؟

حضرت سہل بن سعد کی روایت ماقبل مسئلہ میں امام احمد کی دلیل تھی،کچھ جوابات وہاں گزر گئے تھے کچھ کا ذکر یہاں ہو رہا ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صبح کا کھانا اور دوپہر کا آرام جمعہ کے بعد کرتے۔اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی

نماز قیلولہ اور غداء سے مقدم ہوتی اور غداء اور قیلولہ زوال سے مقدم ہوتا ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ جمعہ زوال سے مقدم ہوتا تھا۔

جواب: حدیث کا مدلول تقدیم جمعہ علی القیلولہ کو بیان کرنا نہیں بلکہ یوم الجمعہ قیلولہ اپنے وقت معتاد سے تاخیر کو بیان کرنا مقصود ہے کہ عام دنوں میں قیلولہ قبل الزوال اور جمعہ کے دن نماز سے فارغ ہونے کے بعد اسی طرح غداء بھی مؤخر ہو جاتا۔

بَابُ فِي مَنْ يَنْعَسُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ جو شخص اونگھے جمعہ میں وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے

عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَلْيَتَحَوَّلْ مِنْ مَجْلِسِهِ ذٰلِكَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اونگھنے لگے کوئی تم میں سے دن جمعہ کے تو ہٹ بیٹھے اپنی جگہ سے۔

تشریح:...... ''انه يتحول من مجلسه'' جس کو جمعہ کے دوران اونگھ آنے لگے وہ اپنی مجلس بدل لے۔ باقی مجلس بدلنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ جگہ بدل لے اور ایک مطلب یہ ہے کہ اپنی نشست بدل لے یعنی ہیئت بدل لے، نیند زائل ہو جائے گی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّفَرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ جمعہ کے دن سفر کرنے کے بیان میں

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ رَوَاحَةَ فِي سَرِيَّةٍ فَوَافَقَ ذٰلِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَغَدَا أَصْحَابُهُ فَقَالَ أَتَخَلَّفُ فَأُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ أَلْحَقُهُمْ فَلَمَّا صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَآهُ فَقَالَ لَهُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَغْدُوَ مَعَ أَصْحَابِكَ فَقَالَ أَرَدْتُ أَنْ أُصَلِّيَ مَعَكَ ثُمَّ أَلْحَقَهُمْ فَقَالَ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ مَا أَدْرَكْتَ فَضْلَ غَدْوَتِهِمْ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ بھیجا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن رواحہ کو ایک لشکر کے ساتھ اور اتفاق سے وہ دن جمعہ کا تھا۔ پس صبح کو روانہ ہو گئے رفیق عبداللہ کے اور کہا عبداللہ نے پیچھے رہتا ہوں میں اور نماز پڑھتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پھر مل جاتا ہوں رفیقوں سے پھر جب پڑھ چکے نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور فرمایا کس نے باز رکھا تجھ کو صبح سے جانے کے رفیقوں کے ساتھ؟ عرض کیا انہوں نے چاہا میں نے کہ نماز پڑھ لوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پھر مل جاؤں گا ان سے۔ سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر خرچ (صدقہ) کرے تو ساری چیزیں زمین کی نہ پائے گا تو ان کے سویرے چلنے کے ثواب کو۔

تشریح مسئلہ: جمعہ کے دن سفر کی کیا حیثیت ہے؟

قول اوّل: جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اگر زوال سے پہلے شروع کر دیا جائے تو جائز ہے زوال کے بعد قبل الصلوٰۃ مکروہ ہے۔

قول ثانی: بعض اہل علم کے نزدیک جمعہ کے دن صبح کے بعد ہی سے کراہت شروع ہو جاتی ہے حتیٰ کہ نماز پڑھ لے۔

جمہور کی دلیل: حدیث الباب کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن رواحہ کو ایک سریہ میں روانہ کیا وہ سریہ جمعہ کے دن روانہ ہوا۔ پس عبداللہ بن رواحہ کے ساتھی صبح کو روانہ ہو گئے اور عبداللہ بن رواحہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے جمعہ پڑھنے کی نیت سے رُک گئے الخ، اس سے معلوم ہوا کہ صبح کے وقت سفر جائز ہے۔ باقی اس حدیث سے اہل بدعت کے استدلال کی رگ کٹ جاتی ہے اس لیے کہ صحابیِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن رواحہ نے خیال کیا کہ میں جمعہ کی نماز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پڑھ لوں، اور یہ عمدہ سے ٹھہرے، دیکھو کتنی اونچی اور عمدہ نیت ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ثواب تمہارے ساتھیوں کو ملا ہے اگر تم پوری زمین کے خزانوں کو خرچ کر دو تو بھی تم ان کے اجر و ثواب کو حاصل نہیں کر سکتے۔

سوال: ان کا اِس ارادہ کرنے میں حرج کیا ہے؟

جواب: حرج یہی ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امر کے خلاف ہے، آج کل اہل بدعت یہی کہتے ہیں کہ آخر حرج کیا ہے تو جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امر کے خلاف ہے۔

سند پر کلام: شعبہ کہتے ہیں کہ حکم مقسم سے صرف پانچ حدیثوں کا سماع حاصل ہے اور یہ حدیث ان میں سے نہیں ہے۔

دوسرا مسئلہ:...... جمعہ کے دن سفر کرنا بعض آئمہ کا قول یہ ہے کہ جائز نہیں کیوں کہ جمعہ فوت ہونے کا خطرہ ہے۔

قول اوّل: امام اعظم، امام مالک، امام شافعی رحمہم اللہ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ زوال سے پہلے سفر کرنا چاہے تو کر سکتا ہے لیکن زوال کے بعد سفر کرنا جائز نہیں کیونکہ زوال کے بعد جمعہ کا وقت شروع ہو گیا۔ اس پر جمعہ واجب ہو گیا۔ اب بغیر پڑھے سفر کرنا جائز نہیں۔ البتہ زوال سے پہلے جا سکتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مرتبہ صحابہ کے سرایہ کو جمعہ کے دن زوال سے پہلے بھیجا تھا۔ امام مالک اور اوزاعی سے ایک قول جواز کا بھی ہے۔

بَابٌ فِي السِّوَاكِ وَالطِّيبِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ جمعہ کے دن مسواک کرنا اور خوشبو لگانا

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقٌّ عَلَى الْمُسْلِمِينَ أَنْ يَغْتَسِلُوا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلْيَمَسَّ أَحَدُهُمْ مِنْ طِيبِ أَهْلِهِ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَالْمَاءُ لَهُ طِيبٌ.

ترجمہ حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لازم ہے مسلمانوں کو کہ نہائیں جمعے کے دن اور لگائے ہر ایک تم میں سے خوشبو اپنے گھر کی پھر اگر نہ پائے تو پانی اس کے لیے خوشبو ہے۔

تشریح "من طیب اھلہ" استعمال خوشبو کو علی وجہ المبالغہ بیان کرنا ہے۔

سوال: حدیث میں تو مسواک کا ذکر ہی نہیں ہے؟

جواب: حدث کی نظافت کا ذکر ہے اور مسواک سے بھی نظافت حاصل ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ مسواک کو بھی شامل ہے۔ باقی امام ترمذی رحمہ اللہ نے جمعہ فی القریٰ کا مسئلہ ذکر نہیں کیا۔ یہ صحاح ستہ میں سے صرف دو کتابوں میں مستقل باب ہے، ایک بخاری شریف میں اور دوسرا ابوداؤد میں مستقل باب ہے کہ محل جمعہ میں تخصیص ہے یا نہیں؟ جمہور کے نزدیک تخصیص ہے کہ مصر ہو اور یا پھر قریہ عظیمہ ہو۔

أَبْوَابُ الْعِيدَيْنِ عیدین کے ابواب

عیدین یہ تثنیہ ہے عید کا۔ یہ اصل میں عود تھا۔ اس کی جمع اعیاد آتی ہے "خلاف القیاس تفرقۃ بین العود والعید" عیدین سے مراد عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ ہے۔ ہر مذہب کا ایک خاص تہوار ہوتا ہے اور یہ دو دن مسلمانوں کے تہوار ہیں۔ عام اقوام اور مسلمانوں کے تہوار میں فرق یہ ہے کہ مسلمانوں کے یہ تہوار عظیم عبادت کی تکمیل پر شکریہ ہے۔ عیدالفطر عبادت صوم کا شکریہ ہے اور عیدالاضحیٰ عبادت حج کی تکمیل کا شکریہ ہے۔

مسئلہ اختلافی، نماز عیدین کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صلوٰۃ العیدین واجب ہے۔

قول ثانی: امام شافعی اور امام مالک رحمہا اللہ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ یہ ان کی ایک ایک روایت ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک صلوٰۃ العیدین فرض کفایہ ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی پہلی دلیل: قرآن کی آیت ہے کہ "فصل لربک وانحر ... الخ" اس میں فصل سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک صلوٰۃ العید ہے اور یہ صیغہ امر ہے۔ قاعدہ ہے کہ جب صیغہ امر مجرد عن القرینہ ہو تو اس سے مراد وجوب ہوتا ہے۔

دلیل ثانی: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز پر من غیر ترک مواظبت کی ہے اور یہ وجوب کی علامت ہے۔

دلیل ثالث: عید کی نماز پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے لے کر آج تک تعامل ہے اور یہ تعامل الناس وجوب کی دلیل اور علامت ہے۔

دلیل رابع: قرآن کی آیت ہے "ولتکبروا اللہ علی ماھداکم" بعض مفسرین کے نزدیک "لتکبروا" سے مراد صلوٰۃ العید ہے اور اس کو تکبیر سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ اس میں تکبیرات زوائد ہوتی ہیں اور "لتکبروا" صیغہ امر ہے۔ قاعدہ ہے کہ جب صیغہ امر مجرد عن القرینہ ہو تو یہ وجوب کیلئے ہوتا ہے۔

بَابُ فِي الْمَشْيِ يَوْمَ الْعِيدِيْنِ عیدین کے لیے پیدل جانا

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ أَنْ تَخْرُجَ إِلَى الْعِيدِ مَاشِيًا وَأَنْ تَأْكُلَ شَيْئًا قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ.

ترجمہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا سنت ہے پیدل نکلنا عید کو اور کچھ کھالینا قبل نکلنے کے یعنی عید فطر میں۔

تشریح سارے محدثین وفقہاء نے تثنیہ کا صیغہ ذکر کیا ہے کہ عیدین صرف دو ہیں۔(۱) عید الفطر (۲) عید الاضحیٰ۔ اگر تیسری بھی ہوتی تو اعیاد کو ذکر کرتے، اس لیے کہ عید کی جمع اعیاد ہے اور عود کی جمع اعواد ہے۔ باقی عید نماز پڑھنے کے لیے جانے والے کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ پیدل جائے بغیر عذر کے یہ افضل ہے ورنہ تو راکباً بھی جائز ہے۔ یہ مستحب دونوں عیدوں میں مشترک ہے۔

"قولہ وان تأکل شیئاً قبل ان تخرج الخ" عید الفطر کے اندر مسنون یہ ہے کہ کچھ کھا کر نکلے۔ لیکن عید الاضحیٰ میں بغیر کھائے نکلے۔ "عن علی قال من السنۃ" صحابی کا "من السنۃ" کہنا مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے اور سنت سے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہوتی ہے۔

بَابُ فِي صَلَاةِ الْعِيدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ عیدین میں خطبے سے پہلے نماز پڑھنا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ يُصَلُّونَ فِي الْعِيدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ ثُمَّ يَخْطُبُونَ.

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نماز پڑھتے تھے عیدوں کی قبل خطبے کے، پھر خطبے پڑھتے۔

تشریح پہلی بات: یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ عیدین میں نماز پہلے اور خطبہ بعد میں اور جمعہ میں برعکس ہے کہ جمعہ کی نماز بعد میں اور خطبہ پہلے۔ وجہ فرق یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کی صحت کے لیے خطبہ شرط ہے اور شرط الشی شئی سے مقدم ہوتی ہے اور عمل بھی اسی پر ہے جبکہ عیدین کی نماز کے لیے خطبہ شرط نہیں، یعنی صحت صلوٰۃ کے لیے خطبہ شرط نہیں۔

دوسری بات: قولہ ویقال ان اوّل من خطب......الخ

بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عید کا خطبہ نماز سے پہلے شروع کر دیا لیکن صحیح یہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں مروان چونکہ خطبوں میں علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا بھلا کہتے تھے اس لیے لوگوں نے ان کا خطبہ سننا چھوڑ دیا اور نماز پڑھ کر چلے جاتے، اس لیے اس نے عید کا خطبہ نماز سے پہلے کر دیا تا کہ لوگ جا نہ سکیں۔

تیسری بات: صلوٰۃ العید سے پہلے خطبہ کسی نے دیدیا تو کیا حکم ہے؟

لیکن اگر کسی نے پہلے دے دیا تو احناف کے ہاں خطبہ ہو جائے گا البتہ گنہگار ہوگا۔ لیکن امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے ہاں اگر نماز عید سے پہلے خطبہ دیا تو خطبہ ہوگا ہی نہیں۔

بَابُ أَنَّ صَلَاةَ الْعِيدَيْنِ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَّلَا إِقَامَةٍ نمازِ عیدین بغیر اذان اور تکبیر کے ہے

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِيدَيْنِ غَيْرَ مَرَّةٍ وَّلَا مَرَّتَيْنِ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَّلَا إِقَامَةٍ.

ترجمہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پڑھی میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازیں عیدوں کی نہ ایک مرتبہ نہ دو مرتبہ یعنی بہت بار بغیر اذان اور اقامت کے۔

تشریح یہ بھی اجماعی مسئلہ ہے کہ عیدین کے لیے اذان اور تکبیر نہیں۔ ”وھذا دلیل علی انعقاد الاجماع قبلہ علی أنه لا یسن لھما اذان ولا اقامة“ بہرحال جمہور آئمہ کا اتفاق ہے کہ نماز عیدین بغیر تکبیر واذان کے پڑھی جائے گی۔ یاد رہے کہ یہاں پر اذان واقامت کی نفی ہے نفس اعلام میں نفی نہیں بلکہ جس طرح دوسری نمازوں صلوٰۃ کسوف، استسقاء وغیرہ کے لیے اذان واقامت کے بجائے اعلان مشروع ہے اسی طرح نماز عید کے لیے اعلان کر کے لوگوں کو باخبر کرنا درست ہے۔ جیسا کہ آج کل کا عرف ہے۔

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْعِيدَيْنِ عیدین کی نماز میں قرأت

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعِيدَيْنِ وَفِي الْجُمُعَةِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ وَرُبَّمَا اجْتَمَعَا فِي يَوْمٍ وَّاحِدٍ فَيَقْرَأُ بِهِمَا.

ترجمہ حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے عیدوں اور جمعے میں سبح اسم ربک الاعلی اور ھل اتاک حدیث الغاشیہ اور کبھی ایک ہی دن ہوتے جمعہ اور عید تو پڑھتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہی دو سورتیں۔

عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَأَلَ أَبَا وَاقِدٍ اللَّيْثِيَّ مَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهِ فِي الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى قَالَ كَانَ يَقْرَأُ بِقَافِ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ.

ترجمہ حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا ابو واقد لیثی سے کیا پڑھتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں تو کہا ابو واقد نے پڑھتے تھے: "قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ" اور "اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ"

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ ضَمْرَةَ بْنِ سَعِيدٍ بِهَذَا الإِسْنَادِ نَحْوَهُ، »وَأَبُو وَاقِدٍ اللَّيْثِيُّ اسْمُهُ الحَارِثُ بْنُ عَوْفٍ

ترجمہ امام ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ھناد ابن عیینہ سے اور وہ ضمرہ بن سعید سے اسی سند سے اسی کے مثل روایت کرتے ہیں۔ امام ترمذی کہتے ہیں ابو واقد لیثی کا نام حارث بن عوف ہے۔

تشریح پہلی بات: عیدین کی نماز میں کون سی سورتوں کی تلاوت ہے تو مذکورہ سورتوں کی تلاوت اولیٰ ہے اس کو چھوڑا بھی نہ جائے اور واجب بھی نہ سمجھے۔

دوسری بات: مسئلہ اختلافی: اگر چہ جمعہ اور عیدین دونوں جمع ہو جائیں تو دونوں واجب ہوں گی یا ایک؟ اس مسئلہ میں آئمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: جمہور حضرات کے نزدیک دونوں نمازیں ادا کی جائیں گی۔

قول ثانی: علامہ ابن قدامہ نے المغنی میں امام شعبی اوزاعی کا قول نقل کیا ہے کہ اگر عید اور جمعہ ایک دن جمع ہو جائیں تو جس شخص نے نماز عید میں شرکت کی ہوگی ان سب سے جمعہ ساقط ہو جائے گا۔ البتہ امام سے ساقط نہیں ہوگا۔

قول ثالث: امام شافعی رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ اہل قریہ سے جمعہ ساقط ہو جائے گا۔ البتہ اہل بلد سے ساقط نہیں ہوگا اور ان کی دوسری روایت جمہور کے ساتھ ہے۔ ان کا استدلال حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ سے ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عید پڑھائی، پھر خطبہ ارشاد فرمایا، اس میں فرمایا "ان هذا يوم قد اجتمع لكم فيه عيدان فمن اجب ان ينتظر الجمعة من اهل العوالى فلينتظر و من احب أن يرجع فقد أذنت له" جو جانا چاہے وہ جا سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل قریہ پر جمعہ نہیں۔

جواب: ان پر جمعہ کا ساقط ہونا اہل قریہ کی وجہ سے ہے اور ہمارے نزدیک اہل قریہ پر جمعہ فرض نہیں۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اہل مصر پر جمعہ نہ ہو۔ الحاصل یہ ہے کہ جمعہ کا ثبوت دلائل قطعیہ سے ثابت ہے۔ لہٰذا اس کے سقوط کے لیے بھی دلیل قطعی کا ہونا ضروری ہے نہ کہ دلیل ظنی۔

"قال ابو عيسى حديث النعمان بن بشير ... الخ" حبیب بن سالم اور نعمان بن بشیر کے درمیان عن ابیہ کا واسطہ ہے یا نہیں؟ بعض رواۃ اس اضافے کو نقل کر رہے ہیں اور اکثر رواۃ نقل نہیں کرتے اور امام ترمذی نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے کیونکہ حبیب کی روایتیں براہِ راست ہیں نعمان بن بشیر سے۔

بَابٌ فِي التَّكْبِيرِ فِي العِيدَيْنِ عیدین کی تکبیرات

عَنْ كَثِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ فِي العِيدَيْنِ فِي الأُولَى سَبْعًا قَبْلَ القِرَاءَةِ وَفِي الآخِرَةِ خَمْسًا قَبْلَ القِرَاءَةِ.

ترجمہ حضرت کثیر بن عبداللہ سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے وہ کثیر کے دادا سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیریں کہیں عیدوں کی نماز میں پہلی رکعت میں سات قرأت سے پہلی اور دوسری میں پانچ قرأت سے پہلے۔

تشریح اس باب میں دو مسئلے ہیں۔(۱) عیدین کی نماز میں تکبیرات زائدہ کتنی ہیں۔(۲) ان کا محل کیا ہے؟

مسئلہ اختلافی، قول اوّل: احناف کے نزدیک تکبیرات زائد چھ ہیں اور محل یہ ہے کہ پہلی رکعت میں ثناء اور فاتحہ کے درمیان تین تکبیریں اور دوسری رکعت میں قرأت سے فارغ ہونے کے بعد رکوع سے پہلے تین تکبیریں ہیں۔

قول ثانی: آئمہ ثلاثہ کے نزدیک تکبیرات زوائد بارہ ہیں اور محل یہ ہے کہ پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں فاتحہ سے پہلے پانچ تکبیریں۔ البتہ آئمہ ثلاثہ میں تھوڑا سا فرق ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک پہلی رکعت میں سات تکبیریں ہیں تکبیر تحریمہ کے علاوہ اور حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک پہلی رکعت میں سات تکبیریں ہیں تکبیر تحریمہ کے سمیت۔

احناف کا مستدل: حدیث ابوموسیٰ اشعری "الذی اخرجہ ابو داؤد" کہ ان سے تکبیرات عیدین کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا "کان یکبر اربعًا تکبیرہ علی الجنائز" پہلی رکعت میں چار تکبیریں، تکبیر تحریمہ کے ساتھ اور دوسری رکعت میں چار تکبیریں رکوع کی تکبیر کے ساتھ اور اس مجلس میں حضرت حذیفہ بھی موجود تھے کہا کہ "صَدَقَ" کہ ابوموسیٰ نے سچ کہا، گویا کہ دو حدیثیں ہوگئیں، ایک تو ابوموسیٰ نے ہی بیان کی اور دوسری حضرت حذیفہ نے بیان کی۔ گویا کہ تصدیق کرنا ہی حدیث بیان کرنا ہے۔

دلیل ثانی: حدیث قاسم تابعی ہیں، اس حدیث کی تخریج امام طحاوی رحمہ اللہ نے شرح معانی الآثار کی دوسری جلد کے آخر میں کی ہے عنوان کتاب الزیادات کے تحت ذکر کیا ہے۔

"لقد حدثنی ثم اقبل علینا بوجھہ حین انصرف ثم قال بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلّی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم العید یکبر اربعًا أربعًا فی کل رکعۃ لاتنسوا"

پہلی رکعت میں تکبیر سمیت، دوسری میں رکوع کی تکبیر سمیت، گویا کہ ہر رکعت میں چار تکبیریں کہتے تھے۔ پھر راوی نے بتلایا کہ ہاتھ کی انگلیوں سے اشارہ کیا اور انگوٹھے کو بند کرلیا۔

دلیل ثالث: اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جنازہ کی تکبیرات میں اختلاف ہوا، اس پر روایت میں موجود ہے "اجمعوا امرھم علی ان یکبر فی الجنائز مثل تکبیر الاضحی و الفطر" اس سے معلوم ہوا کہ دور

فاروقی میں جنازہ کی تکبیروں پر اجماع ہوا۔اسی طرح تکبیرات عیدین پر بھی اجماع ہوا۔

دلیل رابع: اثر ابن مسعود رضی اللہ عنہ "الذی اخرجہ الترمذی . . . وروی عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ انہ قال فی التکبیر فی العیدین تِسع تکبیراتٍ فی الرّکعۃ" تو اس طرح ہیں کہ پہلی رکعت میں پانچ، تین زائد ایک تکبیر تحریمہ اور ایک رکوع کی اور چار تکبیریں دوسری رکعت میں ایک رکوع کی۔

سوال: حدیث میں ہے قبل القرأۃ پانچ تکبیریں ہیں حالانکہ پانچویں تکبیر تو بعد القرأۃ ہے؟

جواب: پانچویں تکبیر عملاً بعد القرأۃ ہے رکوع کی چار پہلے ہیں ان کو غلبہ دے کر اس کو بھی قبل القرأۃ کہہ دیا۔"للاکثر حکم الکل"

آئمہ ثلاثہ کی دلیل:

حدیث "کثیر بن عبداللہ عن ابیہ عن جدّہ . . . ان النّبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کبر فی العیدین فی الاولٰی سبعًا وفی الاخرۃ خمسًا قبل القرأۃ"

جواب (۱): یہ حدیث سنداً کمزور ہے اس لیے کہ اس میں کثیر بن عبداللہ ہیں، امام نسائی، یحییٰ بن معین اس کی تضعیف کررہے ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں "رکن من ارکان الکذب" اگرچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے تحسین فرمائی ہے لیکن محققین کی رائے کے مقابلے میں امام ترمذی رحمہ اللہ کی تحسین قابل اعتماد نہیں، اس لیے کہ محققین کو امام ترمذی رحمہ اللہ کی تحسین پر اعتماد نہیں بلا مؤید۔

جواب (۲): ہمیں مسلم ہے کہ روایات دو قسم کی ہیں۔یعنی تکبیرات کے چھ ہونے کی بھی اور تکبیرات کے بارہ ہونے کی بھی لیکن دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اجماع چھ پر ہوگیا تھا اور تکبیرات زوائد کا چھ ہونا متفق علیہ ہے زیادتی مختلف فیہ ہے اور درایت کا مقتضی یہ ہے کہ متفق علیہ کو اختیار کیا جائے اور مختلف فیہ کو چھوڑا جائے، امام ترمذی نے بھی جو اسلوب اختیار کیا ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ چھ تکبیرات پر عمل کرنے والے متعدد صحابہ ہیں اور کثیر التعداد ہیں۔چنانچہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے بعد کہا "قد روی عن غیر واحدٍ" اور شوافع کے قول کے بعد فرمایا "والعمل علیہ عند بعض اھل العلم فی اصحاب النّبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم" لہٰذا ان کو لیا جائے جن کو نقل کرنے والے کثیر ہوں۔

دلیل ثانی: حدیث عمرو بن شعیب "عن ابیہ عن جدّہٖ الذی اخرجہ ابن ماجہ" اس کا مدلول بھی بعینہ یہی ہے کہ پہلی رعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں ہیں۔

جواب (۱): سند میں عبداللہ طائفی نامی راوی ہیں جو محدثین کے ہاں ضعیف ہیں۔

جواب (۲): وہی ماقبل والا کہ احادیث دونوں قسم کی ہیں۔الخ

بَابُ لَا صَلَاۃَ قَبلَ العِیدَینِ وَ لَا بَعْدَھَا عیدین سے قبل اور بعد کوئی نماز نہیں

عَنْ ابنِ عَبَاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ یَوۡمَ الفِطۡرِ فَصَلّٰی رَکۡعَتَیۡنِ ثُمَّ لَمۡ یُصَلِّ قَبلَهَا وَ لَا بَعْدَهَا.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نکلے عید الفطر میں اور پڑھیں دو رکعتیں یعنی عید کی اور پہلے اس کے اور بعد اس کے کوئی نماز نہیں پڑھی۔

عَنۡ ابنِ عُمَرَ أَنَّهُ خَرَجَ یَوۡمَ عِیدٍ فَلَمۡ یُصَلِّ قَبلَهَا وَ لَا بَعْدَهَا وَ ذَکَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ فَعَلَهُ

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ وہ نکلے عید میں اور نماز نہ پڑھی عید کے قبل اور نہ بعد اور ذکر کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔

تشریح: اس بات میں اُمت کا اجماع ہے کہ عیدین سے پہلے نہ سنن ہیں اور نہ ہی بعد میں۔ البتہ عید کی نماز سے پہلے نوافل پڑھنے کا کیا حکم ہے اس میں آئمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عیدین کے دن عیدگاہ میں نہ نماز عید سے پہلے نوافل جائز ہیں اور نہ بعد میں جائز ہیں لیکن گھر میں پڑھنا چاہے تو عیدین سے پہلے نہیں پڑھ سکتا۔ البتہ بعد میں پڑھ سکتا ہے۔

ان کی دلیل: ابن ماجہ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "وفیہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لایصلی قبل العید شیئاً فاذا رجع الی منزلہ صلّی رکعتین" گھر جا کر دو رکعت پڑھتے۔

دوسرا قول: امام احمد کے ہاں مطلقاً عیدین سے پہلے بھی ناجائز ہیں اور بعد میں بھی۔

دلیل: یہی حدیث الباب ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت "خرج یوم الفطر فصلی رکعتین ثم لم یصل قبلھا و لا بعدھا" کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر کی دو رکعتیں پڑھائیں نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد نماز پڑھی؟

جواب: یہ روایت اجمالی ہے اور ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت تفصیلی ہے۔ لہٰذا اجمالی کو تفصیلی پر پیش کیا جائے گا۔

تیسرا قول: امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک عید کی نماز سے قبل نوافل مطلقاً ناجائز ہیں چاہے عیدگاہ میں ہوں یا گھر میں اور عید کی نماز کے بعد مطلقاً جائز ہیں خواہ مصلی میں ہوں یا گھر میں۔

دلیل: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، اس سے استدلال یہ ہے کہ جس طرح گھر میں بعد العید نوافل جائز ہیں تو مسجد میں بطریق اولیٰ جائز ہوں گے۔

جواب (۱): اگر عید کی نماز کے بعد مسجد یا عیدگاہ میں نوافل جائز ہوئے تو کم از کم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ اس پر عمل کرتے، ایک بار بھی عمل نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مسجد میں جائز نہیں۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نہ پڑھنے سے کراہت لازم نہیں آتی کہ پڑھنا جائز نہیں۔

جواب (۲): جس طرح فعل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع لازم ہے اسی طرح ترک فعل میں بھی اتباع لازم ہے۔

بَابٌ فِي خُرُوجِ النِّسَاءِ فِي الْعِيدَيْنِ عیدین کے لیے عورتوں کا نکلنا

عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُخْرِجُ الْأَبْكَارَ وَالْعَوَاتِقَ وَذَوَاتِ الْخُدُورِ وَالْحُيَّضَ فِي الْعِيدَيْنِ، فَأَمَّا الْحُيَّضُ فَيَعْتَزِلْنَ الْمُصَلَّى، وَيَشْهَدْنَ دَعْوَةَ الْمُسْلِمِينَ، قَالَتْ إِحْدَاهُنَّ يَا رَسُولَ اللهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا جِلْبَابٌ قَالَ فَلْتُعِرْهَا أُخْتُهَا مِنْ جَلَابِيبِهَا

ترجمہ حضرت اُم عطیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ کرتے تھے کنواری لڑکیوں کو اور نوجوان (بچیوں) کو اور پردہ نشینوں کو اور حیض والیوں کو عیدین کی نماز میں اگر حیض والی عورتیں کنارے رہتی تھیں نماز سے اور حاضر رہتی تھیں دُعا میں مسلمانوں کے عرض کیا ایک نے ان میں سے یا رسول اللہ! اگر نہ ہو کسی کے پاس چادر؟ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگ دے (یعنی اُدھار دے) اس کو بہن اس کی اپنی چادر۔

تشریح عورتوں کا عیدین کے لیے نکلنے کے متعلق سلف وصالحین میں اختلاف رہا ہے۔ بعض حضرات نے مطلقاً اجازت دی اور بعض حضرات نے اس ممانعت کو جوان عورت کے ساتھ خاص کیا۔ بہرحال جمہور حضرات کے نزدیک مشابہ کو نہ ہی جمعہ کے لیے اور نہ ہی عیدین کے لیے نکلنے کی اجازت ہے اور نہ ہی کسی اور نماز کے لیے، "لقولہ تعالٰی و قرن فی بیوتکن" عجائز کے بارے میں یہ مفسد نہیں ہے لیکن موجودہ دور میں فتنہ کی وجہ سے عجائز کا نہ نکلنا بہتر ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عورتوں کا نماز کے لیے نکلنا ابتداء اسلام میں تھا۔ وجہ یہ تھی کہ دشمنانِ اسلام کی نظر میں مسلمانوں کی کثرت ہو۔ اب یہ علت باقی نہیں رہی۔

بہرحال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض مصلحتوں کی بناء پر عورتوں کا نماز عید کے لیے جانا جائز تھا، بعد میں وہ مصلحتیں نہ رہیں۔ مثلاً احکام سیکھنے کی ضرورت تھی۔ (۲) امن کا زمانہ تھا۔

(۳) مسلمانوں کی شان وشوکت ظاہر ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حالات بدلنے کی وجہ سے اب عورتوں کا عیدگاہ میں جانا مکروہ ہے، اس پر قرینہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فرمان، اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس زمانہ کی عورتوں کو دیکھ لیتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مسجد میں آنے سے روک دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں عبادت گاہوں سے روک دی

گئی تھیں۔ البتہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے عورتوں کے روکنے کا عبداللہ بن مبارک کا حیلہ بتلایا کہ اگر عورتیں اجازت لیں تو خاوند کو چاہیے کہ اجازت دے لیکن شرط لگادے کہ پرانے کپڑوں میں جائیں، اگر پھر بھی اجازت مانگے تو اجازت نہ دے۔

"قولہ عواتق" قریب البلوغ عورتیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ شادی کے بعد اپنے والدین کی پابندی سے آزاد ہو جائے گی۔

"قولہ دعوۃ المسلمین" سے مراد دُعا نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ خطبہ وغیرہ میں شریک ہو جائیں۔

"قولہ ان لم یکن لھا جلباب" اُس زمانہ میں بھی عورتوں کے ذہن میں یہ بات ہوتی تھی کہ بغیر دوپٹے کے عورت اپنے گھر سے نکلے ہی نہ۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي خُرُوجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى العِيدِ فِي طَرِيقٍ، وَرُجُوعِهِ مِنْ طَرِيقٍ آخَرَ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نماز کے لیے ایک راستے سے جاتے اور دوسرے سے واپس آتے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ يَوْمَ العِيدِ فِي طَرِيقٍ رَجَعَ فِي غَيْرِهِ

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نکلتے عید کو تو جاتے ایک راستے سے اور لوٹتے دوسرے سے۔

تشریح: مستحب طریقہ یہ ہے کہ عید کی نماز کے لیے ایک راستے سے آئے اور دوسرے طریق سے واپسی ہو۔ باقی اس میں حکمت یہ ہے کہ جو ضعفاء عید کی نماز کے لیے نہ آسکے، وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرلیں یا پھر اس لیے کہ دونوں راستے عبادت کی گواہی دیں یا پھر اس لیے کہ دشمن کے مکر سے حفاظت ہو یا پھر اس لیے کہ مسلمانوں کی شان وشوکت ظاہر ہو۔

بَابُ فِي الأَكْلِ يَوْمَ الفِطْرِ قَبْلَ الخُرُوجِ عید الفطر میں کچھ کھا کر جانا چاہیے

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْرُجُ يَوْمَ الفِطْرِ حَتَّى يَطْعَمَ وَلَا يَطْعَمُ يَوْمَ الأَضْحَى حَتَّى يُصَلِّيَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن بریدہ سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ نکلتے تھے عید فطر میں جب تک کچھ کھا نہ لیتے تھے اور نہ کھاتے تھے عید الاضحیٰ میں جب تک نماز نہ پڑھ لیتے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُفْطِرُ عَلَى تَمَرَاتٍ يَوْمَ الفِطْرِ قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ إِلَى المُصَلَّى.

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم افطار (بمعنی تناول) کرتے تھے دن فطر کے کئی کھجوروں سے قبل عیدگاہ جانے کے۔

تشریح استحبابی عمل ہے کہ عید الفطر کے دن نماز عید کے لیے کچھ کھا پی کر جائے اور عید الاضحیٰ میں مستحب یہ ہے کہ اپنی قربانی ہی سے اپنے کھانے کی ابتداء کی جائے۔

أَبْوَابُ السَّفَرِ ـــ سفر کے ابواب

بَابُ التَّقْصِيرِ فِي السَّفَرِ ـــ سفر میں قصر نماز پڑھنا

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَافَرْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَكَانُوا يُصَلُّونَ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ لَا يُصَلُّونَ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ لَوْ كُنْتُ مُصَلِّيًا قَبْلَهَا أَوْ بَعْدَهَا لَأَتْمَمْتُهَا.

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سفر کیا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ سو یہ سب ظہر اور عصر کی دو دو رکعت پڑھتے تھے اور کچھ نہیں پڑھتے تھے قبل اس کے اور نہ بعد اس کے یعنی نوافل اور سنن وغیرہ اور کہا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگر مجھے پڑھنا ہوتی کچھ نماز قبل ان کے اور بعد اس کے تو فرض ہی کو تمام کرتا۔

عَنْ أَبِي نَضْرَةَ قَالَ سُئِلَ عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ عَنْ صَلَاةِ الْمُسَافِرِ فَقَالَ حَجَجْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَحَجَجْتُ مَعَ أَبِي بَكْرٍ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَمَعَ عُمَرَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَمَعَ عُثْمَانَ سِتَّ سِنِينَ مِنْ خِلَافَتِهِ أَوْ ثَمَانِيَ سِنِينَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ.

ترجمہ حضرت ابی نضرہ سے روایت ہے کہ سوال کیا گیا عمران بن حصین سے مسافر کی نماز کا تو کہا انہوں نے حج کیا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو پڑھی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں یعنی چار کی دو پڑھیں اور حج کیا میں نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تو پڑھیں دو رکعتیں اور حج کیا میں نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تو پڑھیں دو رکعتیں اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ چھ برس تک ان کی خلافت میں یا آٹھ برس تک تو پڑھیں دو رکعتیں۔

أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ صَلَّيْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ بِالْمَدِينَةِ أَرْبَعًا وَبِذِي الْحُلَيْفَةِ الْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ.

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پڑھی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چار رکعت ظہر کی مدینہ میں اور عصر کی دو رکعت ذوالحلیفہ میں۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ لَا يَخَافُ إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نکلے مدینہ سے مکہ کی طرف یعنی حجۃ الوداع میں کسی سے ڈرتے نہ تھے مگر عالموں کے پروردگار سے سو پڑھیں دو رکعتیں۔

تشریح پہلی بات:

سفر میں قصر کی کیا حیثیت ہے؟

قول اوّل: احناف فرماتے ہیں کہ قصر واجب ہے رباعی نماز میں اتمام جائز ہی نہیں۔

قول ثانی: شوافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سفر میں قصر رُخصت ہے اور اتمام عزیمت ہے۔

قول ثالث: مالکیہ وحنابلہ فرماتے ہیں کہ سفر کے دوران قصر عزیمت ہے اتمام بھی جائز ہے۔ آئمہ ثلاثہ کا قدر مشترک یہ ہے کہ اتمام بھی جائز ہے۔

احناف کی دلیل اوّل: حدیث "یعلی بن امیہ الذی اخرجہ مسلم" فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ آیت کریمہ میں خوف کی قید لگائی ہوئی ہے، اب تو کوئی خوف نہیں کیا، امن کے زمانہ میں بھی قصر کیا جائے تو فرمایا جس چیز سے تم کو تعجب ہوا اسی چیز سے مجھے بھی تعجب ہوا، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا، "ھذہ صدقۃ تصدق اللّٰہ علیکم فاقبلوا صدقتہ" امر کا صیغہ ہے جو دال ہے وجوب پر اور قاعدہ ہے کہ "صدقۃ فیما لا یحتمل التملیک" یہ اسقاط محض ہے پس سفر کے دوران اصل نماز دو ہی رکعت ہیں، اب یہ اسقاط محض ہے۔ عام ازیں بندوں کی طرف ہے قبول ہو یا نہ ہو، اس سے معلوم ہوا کہ اصل نماز دو ہی رکعت ہے اس کو پڑھنے کا حکم امر کے صیغہ سے ہے جو دال وجوب پر۔

دلیل ثانی: حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا "الذی اخرجہ الشیخان، فرضت الصلوٰۃ رکعتین رکعتین، فلما ھاجر النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرضت صلوٰۃ الحضر اربعًا و صلوٰۃ السفر علی الفریضۃ الاولیٰ" اس سے معلوم ہوا کہ فرض نماز سفر میں ہیں، ہی دو رکعت دو رکعت سے زائد نہیں، لہٰذا اگر پڑھ لی گئی تو دیکھیں گے کہ اگر دو کے بعد قعدہ کیا ہے تو ہے نماز صحیح ہے ورنہ نہیں۔

سوال: نمازوں کی فرضیت تو ہوئی معراج کی شب میں، اس وقت تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر

چھوٹی تھی ان کو کیسے معلوم ہوا کہ ابتداء سفر کی دو رکعت فرض ہوئیں؟

جواب: ممکن ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے کے بعد نقل کر رہی ہو۔

دلیل ثالث: حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما "الذی اخرجه مسلم، فرض الله الصلوٰة علی لسان نبیکم فی الحضر اربعًا وفی السفر رکعتین وفی الخوف رکعةً ای مع الامام" اس سے بھی معلوم ہوا کہ سفر میں دو ہی رکعتیں ہیں۔

سوال: حدیث ابن عباس اور حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما میں تعارض ہے اس لیے کہ حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءً ہی دو رکعتیں فرض ہوئیں جبکہ حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءً ہی حضر میں چار رکعتیں فرض ہوئیں؟

جواب: حدیث ابن عباس میں جو کہا گیا کہ حضر میں چار رکعتیں فرض ہوئیں وہ مآل کے اعتبار سے ہے، اگرچہ تفصیل وہی ہے جو حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا والی ہے کہ ابتداءً دو رکعتیں فرض ہوئیں۔

دلیل رابع: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما "الذی اخرجه الطبرانی مرفوعًا" کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "صلوٰة السفر رکعتین فمن خالف السنة فقد کفر (کفر النعمة)" معلوم ہوا کہ اصل فرض ہی دو رکعت ہیں تاکہ یہ کہا جائے کہ چار بھی جائز ہیں۔

دلیل خامس: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا سفر میں قصر پر مداومت کرنا یہ بھی وزنی دلیل ہے کہ سفر میں قصر ہی متعین ہے۔ اگر اتمام جائز ہوتا تو بیان جواز کے لیے کبھی تو اتمام پر عمل کرتے، جیسے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ "... سافرت مع النبی صلی الله علیه وآله وسلّم و ابی بکر و عمر و عثمان رضی الله عنهم یصلون الظهر والعصر رکعتین" باقی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کہ ان کے ساتھ سفر نہ کیا کہ وہ کوفہ میں چلے گئے تھے۔ ایسے حضرت عمران بن حصین بھی کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت پڑھی، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا، آپ رضی اللہ عنہ نے دو رکعت پڑھی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا، آپ رضی اللہ عنہ نے بھی دو رکعت پڑھی، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں چھ یا آٹھ برس، آپ رضی اللہ عنہ نے بھی دو رکعت پڑھی، یہ دونوں حدیثیں دال ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی قصر پر مداومت تھی۔

آئمہ ثلاثہ کی دلیل اوّل:

آیت کریمہ "واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح اَنْ تقصروا من الصّلوٰة"

جواب: کوئی وزنی دلیل نہیں، ہم تسلیم کرتے کہ یہ بغیر وجوب کے منافی ہے اس لیے کہ اس جیسی تعبیر سعی میں الصفاء

والمروہ کے بارے میں موجود ہے "لا جناح علیہ ان یطوف بھما" حالانکہ تمہارے مذہب میں یہ فرض ہے جیسے یہاں یہ تعبیر وجوب کے منافی نہیں تو قصر کے وجوب میں بھی منافی نہیں ہونی چاہیے۔ یہ تعبیر اس لیے اختیار کی کہ شاید قصر کی وجہ سے اجر کی کمی ہو۔ جیسے کوئی شخص گھر میں چار رکعت مستقلاً پڑھ رہا ہو اور سفر میں دو پڑھنے کا حکم مل جائے تو طبیعت پر کتنا بوجھ بنے گا۔ اس ازالہ کے لیے فرمایا "لا جناح" چونکہ کمی کا خیال ہو سکتا تھا، اس لیے یہ تعبیر اختیار کی۔

سوال: احناف کا مذہب یہ ہے کہ سفر میں اصل فریضہ دو رکعت ہیں لیکن آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک زمانہ میں چار رکعتیں تھیں "ان تقصروا" تب ہی منطبق ہوگا جب پہلے چار ہوں؟

جواب (۱): یہاں قصر کی تعبیر بالکل ایسے ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے "ضیق فم البئر" اس کا معنی نہیں کہ ابتداءً کنویں کے منہ کو کشادہ رکھو، بعد میں تنگ کر دو بلکہ معنی یہ ہے کہ ابتداءً میں تنگ رکھا جاتا۔ پس "ان تقصروا" کا معنی ہوگا کہ سفر میں ابتداءً ہی سے جو فریضہ چل رہا ہے اس پر باقی رکھو۔

جواب (۲): آیت کریمہ صلوٰۃ الخوف سے متعلق ہے نہ کہ صلوٰۃ السفر سے، صلوٰۃ الخوف کی تمہید یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ ہم قرآن میں صلوٰۃ السفر نہیں پاتے اس کی بنیاد یہی تھی کہ اس آیت کا تعلق خوف سے ہے، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہمارے لیے کافی ہے اور حجت ہے یہ نہیں، فرمایا کہ یہ آیت صلوٰۃ السفر کے بارے میں نازل ہوئی اور صلوٰۃ الخوف میں اگر مسافر بھی ہو تو قصر کماً بھی ہوگا اور کیفاً بھی ہوگا اور اگر غیر مسافر ہو تو پھر قصر کیفاً ہوگا کماً نہ ہوگا اس میں قصر کیفی کا بیان ہے نہ کہ قصر کمی کا۔

جواب (۳): اگر علی سبیل التنزل مان بھی لیں کہ اس کا تعلق صلوٰۃ السفر سے ہے تو پھر معنی یہ ہے کہ نماز کو قصر پر باقی رہنے دو یعنی اصل پر بھی باقی رہنے دو، قصر سے تعبیر کیا حضر کے مقابلے میں۔

دلیل ثانی: حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو مشکوٰۃ میں شرح السنۃ کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "کلّ ذالک قد فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم قصر الصلوٰۃ وَاَتَمّ"

جواب (۱): اس کا معنی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں دونوں پر عمل کیا لیکن قاعدہ شرعی کے مطابق رہے اپنے اپنے محل میں قصر سفر کیا یعنی قصر کیا سفر میں اور اتمام کیا اپنے محل یعنی حضر میں جیسے یہ کہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو بھی کیا اور تیمم بھی کیا، اس کا معنی یہ ہے کہ اپنے اپنے محل میں کیا۔

جواب (۲): اگر تمہارا ہی معنی مراد لیں تو پھر یہ سنداً وزنی نہیں، ابراہیم بن یحییٰ نامی راوی پر محدثین نے جرح کی ہے۔

دلیل ثالث: عمل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہ اپنی خلافت کے اخیر زمانہ میں اتمام کا عمل تھا اور ظاہر ہے کہ مقام منیٰ میں مسافر ہوں گے اور حدیث میں "علیکم بسنتی وسنۃ الخلفآء الراشدین المھدین"

دلیل رابع: عمل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ان عمل بھی یہی منقول ہے کہ جب حج پر تشریف لاتیں تو اتمام کرتیں، مستقلاً، اس سے معلوم ہوا کہ دورانِ سفر اتمام عزیمت کا درجہ ہے۔

دلیل خامس: "قیاس علی الصوم" سفر میں افطار رُخصت کا درجہ ہے اور روزہ رکھنا عزیمت ہے، اس پر قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ سفر میں قصر رُخصت ہے اور اتمام عزیمت کا درجہ ہے۔

دلیل ثالث ورابع کا جواب (۱): مشترکہ جواب یہ ہے کہ حضرت عثمان اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کا یہ اپنا اجتہاد تھا کہ مسافر کے لیے دونوں باتیں جائز ہیں، قصر بھی اتمام بھی اپنے اجتہاد پر عمل کرتے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجتہاد احادیث مرفوعہ کے مقابلے میں قابل استدلال نہیں۔

جواب (۲): ان حضرات کا اجتہاد یہ تھا کہ سفر کی دو حالتیں ہیں۔ (۱) حالت نزول (۲) حالت سیران کا اجتہاد یہ تھا کہ قصر کے لیے شرط یہ ہے کہ حالت سیر ہو اور اگر حالت نزول ہو تو اتمام ہوگا، دونوں حضرات حالتِ نزول میں اتمام کرتے، یہ بھی اُن کا اپنا اجتہاد ہے۔

جواب (۳): ان حضرات کا اجتہاد یہ تھا کہ سفر میں قصر تب ہوگا جب مشقت ہو اور ہمیں مشقت لاحق نہیں۔ لہٰذا اب اتمام کریں گے صحابہ کی طرف سے ان سے سوالات کا ہونا اور دونوں حضرات کا ان کا جواب دینا بھی وزنی قرینہ ہے کہ یہ ان کا اپنا اجتہاد تھا باقی صحابہ کا اس پر عمل نہیں تھا۔

جواب (۱) عمل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اتمام کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا کہ میں نے مکہ مکرمہ میں شادی کی ہوئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جہاں شادی کرے تو وہاں جائے تو اتمام کرے۔

جواب (۲): حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حج سے فارغ ہونے کے بعد مکہ مکرمہ میں ٹھہرنے کی نیت کرلی تھی۔

جواب (۳): حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہاں اطراف عالم سے لوگ آ رہے ہیں، اگر دو دو رکعتیں پڑھی جائیں تو ممکن ہے لوگ سمجھیں کہ اصل فرض دو رکعتیں ہیں، اعرابی لوگ ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ یہاں دیکھ کر اپنے وطنوں میں جا کر دو رکعت پر عمل شروع کردیں اور ایسا ہوا۔

عمل عائشہ رضی اللہ عنہا کی مختلف توجیہات

(۱) میں اُم المؤمنین ہوں، جہاں جاتی ہوں وہاں میری اولاد ہے، میرے حق میں قصر ہے ہی نہیں۔ لہٰذا ان حضرات کا اتمام بالتاویل تھا۔ چنانچہ حضرت عروہ نے جب حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کو بیان کیا تو ان سے سوال ہوا یعنی فرضیت الصلوٰۃ رکعتین کے متعلق کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اتمام کیوں کرتی ہیں تو فرمایا "کما تاوّل عثمان تاوّلت" نفس تاویل میں تشبیہ ہے۔

دلیل خامس کا جواب: یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے سفر میں جو نماز قصر سے پڑھی جائے گی، رہی ہوئی رکعتوں کی قضاء نہیں لیکن حالت سفر میں جو رہ گئے ہوئے روزے ہیں، ان کی حالت حضر میں قضاء ہے۔ لہٰذا صلوٰۃ کو صوم پر قیاس کرنا یہ قیاس مع الفارق ہے۔

سفر کی وجہ تسمیہ (۱): سفر بمعنی اظہار ہے یہ انسان کے طبعی اخلاق کو ظاہر کرتا ہے۔ (۲) چمڑے کے دستر خوان کو بھی سفر کہتے ہیں۔ "حدثنا قتیبۃ" اس کا خلاصہ یہ ہے کہ منتہائے سفر مکہ تھا اور آغاز سفر ذوالحلیفہ سے ہوتا اس لیے قصر کرتے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَمْ تُقْصَرُ الصَّلَاةُ نماز میں کتنی مدت تک قصر کی جائے

أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، قَالَ قُلْتُ لِأَنَسٍ كَمْ أَقَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ قَالَ عَشْرًا.

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نکلے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینے سے مکے کو تو پڑھیں دو رکعتیں کہا راوی نے پوچھا میں نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کتنے دن ٹھہرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں؟ کہا دس دن۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَافَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَفَرًا فَصَلَّى تِسْعَةَ عَشَرَ يَوْمًا رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَنَحْنُ نُصَلِّي فِيمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ تِسْعَ عَشْرَةَ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ، فَإِذَا أَقَمْنَا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ صَلَّيْنَا أَرْبَعًا.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سفر کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو پڑھی انیس دن تک دو دو رکعت۔ کہا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ہم بھی پڑھتے ہیں انیس دن تک دو دو رکعت پھر جب اس سے زیادہ ٹھہریں تو چار پڑھیں گے۔

تشریح پہلی بات: اس باب میں دو احتمال ہیں۔ (۱) مراد اس سے مدت سفر ہے کہ آدمی کسی مقام پر کتنے دن ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو مسافر رہے گا اور کتنی مدت ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو مقیم شمار ہوگا۔ (۲) مقدار سفر مراد ہے کہ کتنی مقدار دور ہو تو قصر کرے گا، دونوں مسئلوں میں اختلاف ہے۔

دوسری بات: مدت اقامت کتنی ہے اس سلسلہ میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے عنوان کے بعد ایک تو مرفوع حدیث ذکر کی اس میں اقامت کی مدت دس دن ہے، آگے اثر علی نقل کیا کہ جو دس دن مقیم رہے تو اتمام کرے اور اثر ابن عمر رضی اللہ عنہ جو پندرہ دن مقیم ہو جائے تو اتمام کرے اور اس طرح اثر سعید بن مسیب ہے، اگر چار دن مقیم رہے تو اتمام کرے، اثر ابن عباس رضی اللہ

عنہما اُنیس دن کا ارادہ ہو تو اتمام کرے، یہ آثار چونکہ مختلف ہیں، اس لیے مدت اقامت میں بھی اختلاف ہے۔

تیسری بات آئمہ کے اقوال: قول اوّل: سفیان ثوری، امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی جگہ پندرہ دن ٹھہرنے یا اس سے زائد ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو مقیم شمار ہوگا۔ اس سے کم ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو مسافر ہی رہے گا۔

قول ثانی: امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بارہ یا زائد دن ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو مقیم شمار ہوگا۔

قول ثالث: مالک، شافعی، احمد رحمہم اللہ کے ہاں چار دن یا زائد ٹھہرنے کا ارادہ کرلے تو مقیم ہوگا، اس سے کم ہو تو مسافر شمار ہوگا۔

قول رابع: امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں انیس یا زائد دن ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو مقیم شمار ہوگا ورنہ مسافر شمار ہوگا۔

احناف کی دلیل: اثر ابن عمر رضی اللہ عنہما "الذی اخرجه فی الباب" اور اس کی مزید تائید اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ہوتی ہے۔ "الذی اخرجه الطحاوی" ان کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ اے مخاطب اگر تو کسی شہر میں پندرہ دن ٹھہرے تو پوری نماز پڑھ، اگرچہ اپنا عمل اس کے خلاف ہے لیکن اس سے تائید ہوسکتی ہے اور مزید تائید یہ ہے کہ مدت طہر پندرہ دن ہے مدت اقامت بھی پندرہ دن ہونی چاہیے۔

شوافع کی دلیل اوّل: حدیث انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس دن ٹھہرے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار (۴) ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ پہنچے اور آٹھ (۸) ذی الحجہ کو منیٰ کی طرف روانہ ہوگئے۔ اب یوم الاوّل کو بھی نکال دیں اور یوم الخروج کو بھی نکال دیں، باقی تین دن رہ جائیں گے۔ معلوم ہوا کہ تین دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم قصر کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر تین دن سے زائد ٹھہرتے تو اتمام کرتے۔

جواب (۱): کوئی وزنی دلیل نہیں، اس سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ تین دن تک ٹھہرنے کی صورت میں قصر کیا، یہ معلوم نہیں ہوتا کہ چوتھے دن ٹھہرنے سے مقیم بن جائے گا، ویسے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس دن ٹھہرے، پھر بھی قصر کرتے رہے یہ تو اُلٹا ہماری دلیل بن گئی اور شوافع کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس دن ایک جگہ نہیں ٹھہرے بلکہ ایک رات منیٰ میں، اگلی رات مزدلفہ میں، پھر تین دن منیٰ میں، تین سے زائد دن کسی جگہ نہیں ٹھہرے۔

جواب (۲): یہ ساری جگہیں مکہ مکرمہ میں ٹھہرنے کے حکم میں ہیں۔

دلیل ثانی: ترمذی شریف میں آگے آرہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کو مکہ مکرمہ تین دن ٹھہرنے کا حکم دیا۔ "یمکث المهاجر بعد قضاء نسکه ثلاثة ایام" اس سے معلوم ہوا کہ تین دن سے زائد ٹھہریں گے مقیم بن جائیں گے۔

جواب: اس میں صرف اتنی بات کا بیان ہے کہ قضاء نسک کے بعد مکہ مکرمہ میں تین دن ہیں، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تین دن سے زائد رہ جائیں گے، مقیم بن جائیں گے۔

امام اوزاعی رحمہ اللہ کی دلیل: اثر ابن عمر رضی اللہ عنہما "الذی اخرجه الترمذی" اس میں بارہ دن کا ذکر ہے؟

جواب: ابن عمر رضی اللہ عنہما کا پندرہ دن والا فتویٰ راجح ہے اس لیے اس کو اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مدت طہر کی تائید حاصل ہے اور بارہ دن والا فتویٰ غیر مؤید ہے۔

اسحاق بن راہو یہ کی دلیل:

اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما اس میں اُنیس دن کا ذکر ہے، اس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل سے تائید حاصل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں فتح مکہ کے موقع پر اُنیس دن تک رہے اور قصر کرتے رہے۔ معلوم ہوا کہ اگر کسی آدمی نے اُنیس دن سے زائد کا ارادہ کیا تو مقیم بن جائے گا۔

جواب: تائید میں جو عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہے یہ بنیت اقامت نہیں تھا بلکہ یہ خیال تھا کہ آج چلے جائیں گے، کل جائیں گے لیکن انتظامی ضرورت پڑ جاتی۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر روز ارادہ کرتے لیکن انتظامی امر کی وجہ سے رہنا پڑا۔ اس طور پر تو اُنیس دن کیا، اُنیس سال بھی رہے، تب بھی مقیم نہ بنے گا۔ باقی یہ حدیث تمام آئمہ کے خلاف ہے اس لیے مالکیہ اس کا جواب دیں گے کہ یہ ٹھہرنا پندرہ دن سے زائد ہے۔ احناف کے نزدیک اور شوافع کے نزدیک چار دن سے زائد ہے تو اس کا سب کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہ ان حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا اجتہاد ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کتنی مدت ٹھہرے، اس میں روایات مختلف ہیں، بعض میں اُنیس دن، بعض میں اٹھارہ اور بعض میں پندرہ اور بعض میں سترہ اور بعض میں دس۔ یہ دس والی روایت تو حجۃ الوداع کے متعلق ہے۔ باقی پانچوں روایات فتح مکہ کے سفر سے متعلق ہیں۔ لہٰذا ان میں تعارض ہے۔ پندرہ اور سولہ والی روایات میں اصل راوی نے سترہ والی روایت کو قرار دیا ہے اور پھر یوم الدخول اور یوم الخروج کو نکال کر پندرہ (۱۵) نقل کیا۔ پھر جنہوں نے ایک کو خارج کیا انہوں نے ۱۶ ذکر کیا اور جنہوں نے دونوں کو شمار کیا تو سترہ ذکر کیا، باقی رہ گیا سترہ، اٹھارہ، اُنیس، اصل روایت ۱۹ والی ہے، پھر یوم الدخول، یوم الخروج کو نکال دیا تو سترہ نقل کر دیا اور جنہوں نے ایک کو شمار کیا، اُنہوں نے ۱۸ نقل کر دیا اور جنہوں نے دونوں کو شمار کیا، انہوں نے ۱۹ نقل کر دیا اور یہی جواب صحیح ہے، یہ قول امام نووی سے منقول ہے۔ بعض نے کہا کہ پندرہ سولہ والی روایات ضعیف ہیں۔

جواب: رواۃ تو تمام ثقہ ہیں ضعیف کیسے ہیں؟

چوتھی بات: قصر کی مقدار سفر کتنی ہے، اس میں کچھ اختلاف ہے مگر معارف السنن میں ہے کہ مآل کے اعتبار سے سب کے ہاں ۴۸ میل ہے۔ احناف کا قول یہ ہے کہ تین دن یا زائد کا سفر ہو تو قصر کر سکتا ہے۔ اس سے کم ہو تو نہیں کر سکتا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے برید کے اعتبار سے ذکر کیا ہے اور وہ ۴۸ میل بنتا ہے اور وہ ۴۸ میل سے شرعی میل مراد نہیں بلکہ انگریزی میل مراد ہے اور احناف نے تین دن کا سفر مراد لیا ہے۔ اس کی مقدار بھی ۴۸ میل ہی بنتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّطَوُّعِ فِي السَّفَرِ سفر میں نوافل پڑھنا

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ صَحِبْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ سَفَرًا فَمَا رَأَيْتُهُ تَرَكَ الرَّكْعَتَيْنِ إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ.

ترجمہ حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا میں اٹھارہ سفروں میں سو کبھی نہ دیکھا میں نے کہ چھوڑی ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں جب ڈھلتا ہے آفتاب قبل ظہر کے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ فِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ پڑھی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فرض ظہر کے سفر میں دو رکعت اور اس کے بعد دو رکعت یعنی سنت۔

عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ عَطِيَّةَ، وَنَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ فِي الْحَضَرِ الظُّهْرَ أَرْبَعًا وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَصَلَّيْتُ مَعَهُ فِي السَّفَرِ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ وَلَمْ يُصَلِّ بَعْدَهَا شَيْئًا وَالْمَغْرِبَ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ سَوَاءً ثَلَاثَ رَكَعَاتٍ لَا يَنْقُصُ فِي حَضَرٍ وَلَا سَفَرٍ وَهِيَ وِتْرُ النَّهَارِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ.

ترجمہ حضرت ابن ابی لیلیٰ سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں عطیہ اور نافع سے وہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہ نماز پڑھی میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضر میں اور سفر میں تو پڑھی حضر میں ظہر کی چار رکعتیں اور بعد اس کے دو رکعتیں اور پڑھیں سفر میں ظہر کی دو رکعتیں اور بعد اس کے دو رکعتیں اور عصر کی دو رکعتیں اور بعد اس کے کچھ نہ پڑھی نماز اور مغرب حضر میں اور سفر میں برابر تین رکعت ہے کچھ کم نہیں ہوتی نہ سفر میں نہ حضر میں اور یہ وتر ہیں دن کے اور بعد اس کے پڑھیں دو رکعتیں۔

تشریح پہلی بات: قولہ بسری، سین کے ساتھ ہو تو باء کا ضم ہے یہ تابعی ہیں اور اگر بصری صاد کے ساتھ ہو تو پھر باء کا فتحہ ہے، یہ صحابی ہیں۔ باقی ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایات مختلف ہیں، یہاں "لا یتطوع فی السفر" ہے جبکہ دوسری روایت اس کے مخالف ہے۔ وجہ النہار، مغرب ہے تو رات کی نماز لیکن وجہ النہار کہہ دیا، نہار کے ساتھ متصل ہونے کی وجہ سے۔

دوسری بات: مسئلہ، سفر میں سنن مؤکدہ وغیر مؤکدہ کا کیا حکم ہے؟

مسافر سفر کی حالت میں چاشت، اشراق، اوّابین اور تہجد پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے، یہ بالاتفاق جائز ہے۔ البتہ

سنن مؤکدہ کا کیا حکم ہے؟ اس میں اختلاف ہے، ایک جماعت اس کے ترک کی قائل ہے، یہی ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بھی قول ہے۔ امام شافعی اور جمہور علماء کے نزدیک استحباب کے قائل ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک اگر گنجائش ہو تو سنن روابت کے ادا کرنے میں فضیلت ہے اور اگر چھوڑ دے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حالت سفر میں اس کی آکدیت ختم ہو جاتی ہے۔ البتہ سنت سفر اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس کی دلیل ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت "لا تدعوهما وان طردتكم الخيل" اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حالت سفر میں سنت پڑھنا ثابت ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں "وركع النبى صلى الله عليه وسلم فى السفر ركعتى الفجر"

تیسری بات: سفر کی حالت میں نوافل کا کیا حکم ہے؟

اس بارے میں روایات کے اندر اختلافات ہیں۔ خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ دیکھئے ایک روایت میں ہے "صحبت رسول الله صلى الله عليه وسلم فكان لا يزيد فى السفر على الركعتين وابابكر وعمر وعثمان كذلك" دوسری روایت میں ہے "صلّيت مع النبى صلى الله عليه وسلّم الظهر فى السفر ركعتين و بعدها ركعتين" تیسری روایت میں مغرب کی نماز کے متعلق فرماتے ہیں "والمغرب فى الحضر والسفر سوائ... وهى وتر النهار وبعدها ركعتين" چوتھی روایت میں ہے "انى صحبت رسول الله صلى الله عليه وسلّم فى السفر فلم يزد على ركعتين حتى قبضه الله" ان روایات میں تعارض ہے۔ ان میں تطبیق یہ ہے کہ نفی اکثر احوال کے اعتبار سے ہے اور اثبات بعض اقوال کے اعتبار سے ہے، سفر کی دو حالتیں ہیں۔ (۱) حالت نزول (۲) حالت سیر۔ نفی حالت سیر کے اعتبار سے ہے اور اثبات حالت نزول کے اعتبار سے ہے۔ (۳) نفی سنن مؤکدہ کے اعتبار سے ہے اور اثبات مطلق نوافل کے اعتبار سے ہے۔

(۴) نفی روایت بعدیہ کے اعتبار سے ہے اور اثبات روایت قبلیہ کے اعتبار سے ہے۔

(۵) نفی تطوع علی الارض کے اعتبار سے ہے اور اثبات علی الدابۃ کے اعتبار سے ہے۔ (۶) نفی تاکید کے اعتبار سے ہے اور اثبات نفس ثبوت کے اعتبار سے ہے، لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فقہاء کہتے ہیں کہ جن میں ترک التطوع ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ نوافل نہ پڑھنا یہ پڑھنے کے مقابلے میں افضل ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ سفر میں نوافل نہ پڑھنا یہ رُخصت ہے۔ لہٰذا رُخصت کو قبول کرنا چاہیے، جیسے دورانِ سفر افطار رُخصت ہے، لہٰذا رُخصت کو قبول کرنا چاہیے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ دو نمازوں کو جمع کرنا

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ زَيْغِ الشَّمْسِ أَخَّرَ الظُّهْرَ إِلَى أَنْ يَجْمَعَهَا إِلَى الْعَصْرِ فَيُصَلِّيَهُمَا جَمِيعًا وَإِذَا ارْتَحَلَ بَعْدَ زَيْغِ الشَّمْسِ عَجَّلَ الْعَصْرَ إِلَى الظُّهْرِ وَصَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيعًا ثُمَّ سَارَ، وَكَانَ إِذَا

ارْتَحَلَ قَبْلَ الْمَغْرِبِ أَخَّرَ الْمَغْرِبَ حَتّٰی يُصَلِّيَهَا مَعَ الْعِشَاءِ وَإِذَا ارْتَحَلَ بَعْدَ الْمَغْرِبِ عَجَّلَ الْعِشَاءَ فَصَلَّاهَا مَعَ الْمَغْرِبِ

ترجمہ حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک میں جب کوچ کرتے قبل ڈھلنے کے تو تاخیر کرتے ظہر میں یہاں تک کہ ملا کر پڑھتے عصر کے ساتھ اور جب کوچ کرتے آفتاب ڈھلنے کے بعد تو جلدی کرتے عصر میں ظہر کی طرف اور ملا کر پڑھتے ظہر اور عصر دونوں پھر چلتے اور جب کوچ کرتے مغرب کے قبل تو تاخیر کرتے مغرب میں یہاں تک کہ پڑھتے عشاء کے ساتھ اور جب کوچ کرتے بعد مغرب کے تو جلدی کرتے عشاء میں اور پڑھتے مغرب کے ساتھ۔

عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ اسْتُغِيثَ عَلٰى بَعْضِ أَهْلِهِ فَجَدَّ بِهِ السَّيْرُ فَأَخَّرَ الْمَغْرِبَ حَتّٰی غَابَ الشَّفَقُ ثُمَّ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا ثُمَّ أَخْبَرَهُمْ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ إِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْرُ.

ترجمہ حضرت نافع سے روایت ہے کہ خبر دی گئی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بعض اہل کے سکرات کی سو منظور ہوا ان کو جلدی چلنا اور تاخیر کی مغرب میں یہاں تک کہ ڈوب گئی شفق پھر اُترے اور اکٹھا پڑھا مغرب اور عشاء کو پھر خبر دی ان کو یعنی رفیقوں کو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے جب منظور ہوتا تھا ان کو جلدی چلنا۔

تشریح اس پر آئمہ کا اتفاق ہے کہ عرفات اور مزدلفہ کی جمع بین الصلوٰتین جمع حقیقی وقتی ہے (عرفات میں ظہر اور عصر کی جمع اور مزدلفہ میں مغرب وعشاء کی جمع تاخیری) البتہ ان کے ماسواء جو جمع بین الصلوٰتین احادیث میں مذکور ہے اس کی کیفیت کیا ہے۔

قول اوّل: احناف کے ہاں یہ جمع بین الصلوٰتین جمع صوری ہے یعنی ظہر کو اپنے وقت کے اخیری حصے میں اور عصر کو عصر کے ابتدائی وقت میں پڑھنا اور یہی حالت ہے مغرب وعشاء کا یہ صورۃً اور فعلاً جمع ہے جمع حقیقی نہیں ہے۔

قول ثانی: آئمہ ثلاثہ کے ہاں عرفات اور مزدلفہ کے ماسواء مسافر کے لیے یہ جمع حقیقی وقتی ہے۔ ظہر کو عصر کے وقت میں ادا کرنا اور مغرب کو عشاء کے وقت میں ادا کرنا یا اس کے برعکس کرلیں، پہلی صورت جمع حقیقی وقتی تاخیری اور دوسری صورت جمع حقیقی وقتی تقدیمی ہے۔ احناف کی دلیل اوّل چند آیات قرآنیہ ہیں:

پہلی آیت: "ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا" ہر نماز کی ادائیگی کے لیے وقت متعین ہے، اگر یوں کہا جائے کہ پہلی نماز کو دوسری نماز کے وقت میں اداء کرنا جائز ہے تو ہر نماز کا وقت تو متعین نہ ہوا۔

دوسری آیت: "حافظوا علی الصلوات" ایک معنی اس کا یہ بھی ہے کہ "ادوھا فی اوقاتھا" ہر نماز کو اپنے وقت پر اداء کرنا اگر جمع حقیقی کا قول کیا جائے تو یہ محافظت کے خلاف ہے۔

تیسری آیت: ”فخلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلوۃ“ اور اضاع الصلوٰۃ کی تفسیر بعض مفسرین نے یہ کی ہے ”یؤخرون عن وقتھا“ اس سے معلوم ہوا کہ نماز کو وقت سے مؤخر کرنا اضاع صلوٰۃ ہے اب اگر جمع حقیقی وقتی کا قول کیا جائے تو لازم آئے گا کہ یہ اضاعت صلوٰۃ نہ ہو حالانکہ آیت میں اس کو اضاع صلوٰۃ قرار دیا گیا ہے۔

چوتھی آیت: ”فویل اللمصلّین الذین ھم عن صلوٰتھم ساھون“ مفسرین نے ”ساھون“ کی تفسیر ”یؤخرون عن وقتھا“ یعنی نماز کو اپنے وقت سے مؤخر کرنے پر مذمت بیان کی گئی۔ لہٰذا اگر جمع حقیقی وقتی کا قول کیا جائے تو لازم آئے گا کہ یہ قابل مذمت نہ ہو حالانکہ اس پر مذمت واقع ہوئی ہے۔ باقی عرفات و مزدلفہ میں جمع بین الصلوٰتین جمع حقیقی یہ تواتر اور اجماع کی وجہ سے ہے وہاں پر آیات قرآنیہ کو چھوڑا جائے گا۔

دلیل ثانی: وہ حدیث عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی نماز اپنے وقت سے پہلے نہیں پڑھی، بجز عرفہ میں فجر کی نماز کہ ”ما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم صلوۃ قبل میقاتھا“ اب اگر عرفات و مزدلفہ کے ماسواء بھی جمع حقیقی وقتی ہو تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی عدالت مجروح ہوگی کیونکہ وہ کہہ رہے ہیں، میں نے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وقت سے پہلے نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔

دلیل ثالث: وہ احادیث جن میں جمع بین صلوتین کو کبیرہ من الکبائر قرار دیا گیا ہے جیسے اثر ابوموسیٰ اشعری کہ ابوموسیٰ کہتے ہیں کہ ”کبیرۃ من الکبائر“ دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنا یہ کبیرہ گناہوں میں سے ایک گناہ ہے اور اسی طرح وہ والا نامہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکمرانوں کو لکھا تھا اور اس میں یہ بتلایا کہ یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے، اگر یہ جائز ہوتی تو یہ حضرات اس کو کبیرہ من الکبائر نہ بتلاتے، یہ اگرچہ آثار ہیں لیکن غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے احادیث مرفوع کے حکم میں ہیں۔

دلیل رابع: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما جس کو امام ترمذی نے ماقبل میں ”باب ما جاء فی الجمع بین الصلوٰتین“ کے تحت ذکر کیا ہے۔ ”عن ابن عباس رضی اللہ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم من جمع بین الصلوٰتین من غیر عذر فقد اتی باباً من ابواب الکبائر“ یہ اگرچہ سنداً ضعیف ہے، البتہ مؤید بن سکتی ہے۔

شوافع کی دلیل اوّل: حدیث الباب، حدیث معاذ رضی اللہ عنہ ”ان النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کان فی غزوۃ تبوک اذا ارتحل قبل زیغ الشمس اخر الظھر الیٰ ان یجمعھا الی العصر فیصلیھما جمیعًا الخ“ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جمع حقیقی وقتی ہوئی۔

دلیل ثانی: عمل ابن عمر رضی اللہ عنہما کہ ان کی ایک زوجہ کے متعلق ان سے مدد طلب کی گئی کہ وہ قریب الوفات ہیں، یہ سفر میں تھے، جلدی سے چلے نماز مغرب میں تاخیر کی حتیٰ کہ شفق غائب ہوگئی، پھر دونوں کو عشاء کے وقت میں جمع کیا، پھر اپنے ساتھی کو خبر دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا کر لیتے، جب سفر میں جلدی ہوتی۔

دلیل اوّل کا جواب (۱): امام ترمذی نے اس کو معلول قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ اس حدیث کو لیث سے نقل کرنے والے صرف قتیبہ ہی ہیں، لہٰذا یہ غریب ہے اور غرابت بھی ایک قسم کا ضعف ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کے دو طریق ہیں۔ (۱) لیث عن یزید بن ابی حبیب عن ابی الطفیل عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم (۲) عن ابی الزبیر المکی عن ابی الطفیل عن معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہم۔ پہلے طریق ابوطفیل سے نقل کرنے والے یزید بن ابی حبیب ہیں اور دوسرے طریق میں ابی زبیر مکی ہیں، دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلے طریق میں جمع کی کیفیت کا بیان ہے کہ یہ جمع حقیقی ہے اور دوسرے طریق میں نفس جمع کا ذکر ہے لیکن کیفیت کا ذکر نہیں "اذا کان الامر کذالک" امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلا طریق غریب ہے اور دوسرا طریق معروف ہے اور استدلال کا مدار پہلے پر ہے۔ دوسرے میں غرابت تھی، اس میں کیفیت نہیں۔ اس میں دونوں احتمال ہیں، صوری ہو یا حقیقی۔ لہٰذا جو مستدل ہے وہ معروف نہیں اور جو معروف ہے اس سے استدلال نہیں۔ چنانچہ قرہ، سفیان اور مالک وغیرواحد یہ ابی الزبیر کی طرح نقل کر رہے ہیں اور خود ہی امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیا ہے۔

جواب (۲): اگر اس کو صحیح تسلیم کرلیں تو پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ اس میں کیفیت کو بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ حدیث کا مدلول ترتیب کو بیان کرنا ہے ارتحال اور جمع بین الصلوٰتین کے درمیان، جس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زوال سے پہلے سفر شروع فرمادیتے تو پھر زوال آنے پر سفر کو روکتے نہیں تھے جاری رکھتے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمع صوری پر قادر ہو جاتے، یعنی ظہر کا اخیری وقت بالکل قریب ہو جاتا اور عصر کا ابتدائی وقت پھر نزول فرماتے اور ظہر کو اخیری وقت میں اور عصر کو ابتدائی وقت میں پڑھتے۔

اس حدیث میں ارتحال پہلے اور جمع بعد میں، اگر زوال سے پہلے ٹھہرے ہوتے تو زوال کے بعد ٹھہرے رہتے۔ یہاں تک جمع صوری پر قادر ہو جاتے تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوّلاً ظہر کو اخیری وقت میں اور عصر کو ابتدائی حصہ میں پڑھتے۔ اس صورت میں جمع پہلے اور ارتحال بعد میں، راوی کا مقصد ترتیب بیان کرنا ہے اور یہی حال ہے مغرب وعشاء میں، اگر غروب سے پہلے سفر جاری ہوتا تو غروب کے وقت سفر روکتے نہیں تھے حتیٰ کہ جمع صوری پر قادر ہو جاتے، یعنی مغرب کا اخیری وقت اور عشاء کا ابتدائی وقت آ جاتا، پھر نماز پڑھتے۔ اس میں ارتحال پہلے اور جمع بعد میں اور اگر غروب سے پہلے ٹھہرے ہوتے تو پھر ٹھہرے رہتے۔ یہاں تک کہ جمع صوری پر قادر ہو جاتے۔ الخ، اس صورت میں جمع پہلے اور ارتحال بعد میں ہے۔

جواب (۳): اس حدیث معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کا دیگر تمام وہ احادیث جو دال ہیں، جمع بین الصلوٰتین پر اور جو فی الباب کے تحت مذکور ہیں، ان تمام احادیث کا قدر مشترک یہ ہے کہ یہ محمول ہیں، جمع صوری پر یعنی پہلی نماز میں تاخیر اور دوسری نماز میں تعجیل۔

سوال: جمع صوری پر محمول کرنے کا قرینہ کیا ہے؟

جواب: قرینہ(۱): تمام وہ نصوص جو جمع بین الصلوٰتین جمع حقیقی کے عدم جواز پر دال ہیں اگر ان کو جمع صوری پر محمول نہ کریں تو نصوص میں تعارض ہو جائے گا۔

قرینہ(۲): وہ بعض احادیث جمع بین الصلوٰتین جن میں بعض الفاظ نص صریح ہیں جمع صوری میں، مثلاً حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما "الذی اخرجہ ابو داؤد" اس میں ہے "حتّی اذا کان قبل یغیب الشفق نزل فصلی المغرب ثم انتظر حتی غاب الشفق فصلی العشاء" یہ نص صریح ہے کہ ہر نماز اس کے وقت میں پڑھی گئی اور پھر فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب کسی امر کی وجہ سے جلدی ہوتی "صَنَعَ مثل الذی صَنَعْتُ" اس سے معلوم ہوا کہ جہاں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آرہا ہے اس سے جمع صوری مراد ہے۔

قرینہ(۳): وہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما "المتعلق بجمع بین الصلوٰتین فی المدینۃ المنورہ من غیر خوفٍ ولا مطر" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلاعذر مدینہ منورہ میں جمع بین الصلوٰتین فرمائی۔ یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سب آئمہ کے خلاف ہے اس لیے کہ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ دو حدیثیں معمول بہا نہیں لیکن محققین کہتے ہیں کہ یہ حدیث معمول بہا ہے جمع صوری پر، چنانچہ علامہ عینی اور علامہ ابن حجر فرماتے ہیں یہ محمول جمع صوری پر جیسے یہ حدیث عند المحققین محمول ہے جمع صوری پر اس قرینہ سے دیگر حدیثیں بھی محمول ہیں جمع صوری پر۔

قرینہ(۴): احادیث جمع بین الصلوٰتین جن میں دو نمازوں کے درمیان جمع بین الصلوٰتین کا ذکر ہے وہ ایسی دو نمازیں ہیں جن کے وقت میں اقتران ہے کہ ان کے درمیان مکروہ وقت نہیں ہے اور وہ نمازیں جن کے درمیان بالکل اقتران ہے ہی نہیں یا پھر وہ نمازیں جن میں اقتران تو ہے لیکن درمیان وقت مکروہ ہے، پس ان اخیری دونوں نمازوں کے متعلق یہ تو احادیث میں جمع کا ذکر ہے نہ ہی اس کا کوئی قائل ہے بلکہ احادیث میں اوّل قسم کے بارے میں ہے۔ اب ہم سوال کرتے ہیں کہ اس تخصیص کی کیا وجہ ہے تو لامحالہ اس کی وجہ یہی ہے کہ ایسی دو نمازوں میں جمع صوری متحقق ہو سکتی ہے اور دوسری دونوں قسم کی نمازوں میں جمع صوری متحقق نہیں ہو سکتی۔ پس یہی وجہ ہے کہ نہ ہی اس کا حدیثوں میں ذکر ہے اور نہ ہی کسی امام نے اس کا قول کیا ہے۔ پس ان قرائن کی وجہ سے تمام احادیث جمع کو جمع صوری پر محمول کریں گے۔

عمل ابن عمر رضی اللہ عنہما کا جواب اوّل: یہ نص صریح ہے کہ مغرب کی نماز عشاء کے وقت میں پڑھی گئی تو ہم جواب دیں گے کہ یہ مجاز بالمشارقت پر محمول ہے "حتّی کاد ان یغیب الشفق غیبوبت الشفق" اس پر قرینہ دوسری حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما "اخرجہ ابو داؤد، حتّی اذا کان قبل غیبوبۃ الشفق"

جواب ثانی: یہ صرف امام صاحب کے مذہب پر ہے، وہ یہ ہے کہ شفق دو قسم پر ہے۔ شفق احمر شفق ابیض اور اس شفق سے مراد شفق احمر ہے اور امام صاحب کے نزدیک اس کے بعد بھی مغرب کا وقت باقی ہے اور جہاں یہ ہے "غیبوبت الشفق" اس شفق سے مراد شفق ابیض ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَلَاةِ الِاسْتِسْقَاءِ نمازِ استسقاء کے بیان میں

عَنْ عَبَادِ بْنِ تَمِيمٍ عَنْ عَمِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ بِالنَّاسِ يَسْتَسْقِي فَصَلَّى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ جَهَرَ بِالقِرَاءَةِ فِيهِمَا وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَاسْتَسْقَى وَاسْتَقْبَلَ القِبْلَةَ.

ترجمہ حضرت عباد بن تمیم سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے چچا سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے آدمیوں کے ساتھ پانی مانگنے تو پڑھیں ان کے ساتھ دو رکعتیں اور پکار کر پڑھی اس میں قرأت اور پھر کر اوڑھا اپنی چادر کو اور بلند کیا دونوں ہاتھوں کو اور پانی مانگا اور منہ کیا قبلے کی طرف۔

عَنْ عُمَيْرٍ مَوْلَى آبِي اللَّحْمِ أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ أَحْجَارِ الزَّيْتِ يَسْتَسْقِي وَهُوَ مُقْنِعٌ بِكَفَّيْهِ يَدْعُو.

ترجمہ حضرت عمیر مولی ابو اللحم سے روایت ہے کہ دیکھا انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو احجار زیت (مدینہ کا ایک مقام) کے نزدیک کہ پانی (بارش) مانگتے تھے اور وہ اُٹھائے ہوئے تھے دونوں ہاتھ اپنے دُعا کرتے تھے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ نَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ هِشَامِ بْنِ إِسْحَاقَ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ كِنَانَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَرْسَلَنِي الوَلِيدُ بْنُ عُقْبَةَ وَهُوَ أَمِيرُ المَدِينَةِ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ أَسْأَلُهُ عَنِ اسْتِسْقَاءِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَيْتُهُ فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مُتَبَذِّلًا مُتَوَاضِعًا مُتَضَرِّعًا حَتَّى أَتَى المُصَلَّى فَلَمْ يَخْطُبْ خُطْبَتَكُمْ هَذِهِ وَلَكِنْ لَمْ يَزَلْ فِي الدُّعَاءِ وَالتَّضَرُّعِ وَالتَّكْبِيرِ وَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ كَمَا كَانَ يُصَلِّي فِي العِيدِ.

ترجمہ حضرت قتیبہ سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں حاتم بن اسماعیل سے وہ ہشام بن اسحٰق سے وہ عبداللہ بن کنانہ سے وہ اپنے باپ سے کہا بھیجا مجھ کو ولید بن عقبہ نے کہ امیر تھے مدینہ کے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس کہ پوچھوں میں کیفیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استسقاء کی ان سے پھر آیا میں ان کے پاس اور فرمایا انہوں نے نکلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے زینت کے عاجزی سے اور گڑگڑاتے ہوئے یہاں تک کہ آئے نماز کی جگہ میں سو نہیں خطبہ پڑھا تمہارے خطبوں میں سے لیکن دُعا اور عاجزی ہی کرتے رہے اور تکبیر بولتے اور پڑھی دو رکعت جیسے پڑھتے عید میں۔

تشریح ......**پہلی بات:**

استسقاء، طلب سقیہ بارش طلب کرنا، تحویل رداء تفاؤل کے طور پر کی جاتی ہے یعنی قحط سالی بدل گئی۔ "آبی

اللحم“ اس کا مطلب یہ ہے کہ سرے سے گوشت ہی نہیں کھاتے تھے یا پھر مطلب یہ ہے کہ بتوں کے نام پر جو جانور ذبح ہوتے ان کا گوشت نہیں کھاتے تھے یا اس وجہ سے کہ ایک مرتبہ گوشت کھا رہے تھے کہ ایک سائل آیا، خادم نے گوشت اُٹھا کر اس کو دیا تو اس نے انکار کیا تو انہوں نے انکار کیا، اس وجہ سے ”آبی اللّحم“ کہا جانے لگا۔ ”احجاز الزیت“ جگہ کا نام ہے وہاں کے پتھر سیاہ ہیں جیسے زیتون کا تیل۔

دوسری بات: اختلافی مسئلہ (۱):

استقاء کے لیے صلوٰۃ کی حیثیت کیا ہے۔

قول اوّل: امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ الاستقاء مستحب ہے۔

قول ثانی: جمہور فرماتے ہیں کہ مسنون ہے۔

امام صاحب کی دلیل:

قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور یہی حدیث الباب ہے۔ باقی جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں مشہور ہے کہ صلوٰۃ استقاء مسنون نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ استقاء صرف نماز ہی میں منحصر نہیں بلکہ اس سے استقاء کی تین صورتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) فقط استغفار ”فقلت استغفروا ربّکم“

(۲) ”الاکتفاء بالدّعاء فی ضمن الخطبہ“ جیسے احادیث متعلقہ بالاستقاء میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے، ایک شخص نے قحط سالی کی شکایت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دُعا کی تو اگلے جمعہ تک بارش جاری رہی۔

(۳) نماز کے ذریعے استقاء جیسے وہ احادیث جو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہیں، پس جب یہ تین صورتیں ہیں تو نماز میں حصر نہیں، زیادہ سے زیادہ مستحب ہے، اس کا مزید قرینہ (۱) یہ ہے کہ بسند صحیح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق بسند شعبی منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بارش کے لیے نکلے اور دُعاء پر اکتفاء کر کے واپس تشریف لے گئے، اگر نماز سنت ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ترک نہ کرتے۔

قرینہ (۲): یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چھ مرتبہ استقاء کی نوبت آئی لیکن مرۃً یا مرتین کے علاوہ نماز نہیں پڑھی گئی، صرف استغفار پر اکتفاء کرتے یہ قرینہ ہے کہ استقاء بصورت صلوٰۃ زیادہ سے زیادہ مستحب ہے۔

جمہور کی دلیل: حدیث الباب۔ جواب: ان احادیث سے مرۃً یا مرتین ثابت ہے اس سے زیادہ سے زیادہ استحباب ثابت ہے، سنت مؤکدہ کے لیے دوام ضروری ہے۔

تیسری بات: اختلافی مسئلہ (۲)

نماز استقاء عام نمازوں کی طرح ہوگی یا عید کی طرح تکبیرات زائدہ ہیں؟

قول اوّل: جمہور کے ہاں تکبیرات زائدہ نہیں ہیں۔
قول ثانی: امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں تکبیرات استسقاء بھی ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل:

حدیث الباب، حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما جس میں ہے "صلّٰی رکعتین کما کان یصلی فی العید"
جواب: یہ تشبیہ من کل الوجوہ نہیں صرف وقت اور رکعتین کی مقدار میں ہے اس پر قرینہ یہ ہے کہ اکثر احادیث متعلقہ بصلوٰۃ الاستسقاء میں تکبیرات کا ذکر نہیں بجز حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے۔
چوتھی بات: اختلافی مسئلہ (۳): تحویل رداء کا کیا حکم ہے؟
کیا امام اور مقتدی دونوں کریں گے یا صرف امام کرے گا؟
قول اوّل: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تحویل رداء صرف امام کرے گا۔
قول ثانی: آئمہ ثلاثہ کے نزدیک تحویل رداء امام اور مقتدی دونوں کریں گے۔
امام صاحب کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے جس میں مذکور ہے کہ تحویل رداء صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مقتدی تھے، انہوں نے نہیں کیا۔
آئمہ ثلاثہ کی دلیل: مقتدی کو امام پر قیاس کرتے ہیں کیوں کہ حدیث میں ہے "انما الامام لیوتم بہ" تو یہاں پر بھی امام کے ساتھ اہتمام کریں گے۔
جواب: یہ عمل صرف امام کے ساتھ خاص ہے جو خلاف القیاس ثابت ہے اور قاعدہ ہے جو عمل خلاف القیاس ہو وہ اپنے مورد میں بند رہتا ہے اس پر غیر کو قیاس نہیں کیا جاتا۔

بَابٌ فِي صَلَاةِ الْكُسُوفِ سورج گرہن کی نماز

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ صَلَّى فِي كُسُوفٍ فَقَرَأَ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ قَرَأَ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ قَرَأَ ثُمَّ رَكَعَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَالْأُخْرَى مِثْلُهَا.
ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسوف کی نماز پڑھی، سو قرأت کی پھر رکوع کیا پھر قرأت کی پھر رکوع کیا پھر دو سجدے کیے اور اسی طرح دوسری رکعت پڑھی۔
عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ خَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ فَأَطَالَ الْقِرَاءَةَ ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ

فَأَطَالَ الْقِرَاءَةَ وَهِيَ دُونَ الْأُولَى ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ وَهُوَ دُونَ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَسَجَدَ، ثُمَّ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ خسوف ہوا آفتاب کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سو نماز پڑھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ اور لمبا کیا رکوع کو پھر اُٹھایا سر اپنا پھر دراز کیا قرأت کو اور یہ قرأت کم تھی پہلی قرأت سے پھر رکوع کیا اور دراز کیا رکوع کو اور وہ پہلے رکوع سے کم تھا۔ پھر اُٹھایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اپنا اور سجدہ کیا پھر دوسری رکعت میں بھی ایسا ہی کیا۔

تشریح ......پہلی بات:

یہاں کسوف الشمس کا ذکر ہے۔ چاند کو گرہن لگے اس کو خسوف کہتے ہیں اور سورج کو گرہن لگے تو اس کو کسوف کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ کسوف اور خسوف میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔

دوسری بات: اختلافی مسئلہ (۱):

صلوٰۃ الکسوف کی حیثیت کیا ہے؟

قول اوّل: جمہور کے نزدیک صلوٰۃ الکسوف سنت ہے جماعت کے ساتھ۔

قول ثانی: امام صاحب کی ایک روایت وجوب کی بھی ہے لیکن مشہور بین الجمہور سنت ہے۔

اختلافی مسئلہ (۲): صلوٰۃ الکسوف کی کیفیت کیا ہے؟ ہر رکعت میں ایک رکوع ہے یا دو رکوع ہیں۔

قول اوّل: احناف فرماتے ہیں کہ ایک رکعت میں ایک رکوع ہے دو رکعتوں میں دو رکوع ہیں، چار سجدوں کے ساتھ۔

قول ثانی: آئمہ ثلاثہ کے ہاں صلوٰۃ الکسوف میں فی رکعت دو رکوع ہیں جس طرح دو رکعتوں میں سجدے چار ہیں رکوع بھی چار ہیں۔

احناف کی دلیل اوّل: احادیث وحدت رکوع۔ چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے وفی الباب کے تحت حوالہ دیا ہے ان میں خصوصاً حدیث قبیصہ ہلالی "الذی اخرجه ابو داؤد مفصلاً" کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "انما هذه الآیات یخوف الله عز و جل بها فاذا رأیتموها فصلوا کأحدث صلوٰة صلیتموها من المکتوبة" پڑھو اس تازہ نماز کی طرح جو فرض پڑھی اور وہ فجر کی نماز ہے اب فجر کے ساتھ تشبیہ ہے اس میں فی رکعت ایک رکوع ہے، اور یہ قولی حدیث ہے، یہ نص صریح ہے کہ صلوٰۃ الکسوف میں فی رکعت ایک رکوع ہے۔

دلیل ثانی: حدیث نعمان بن بشیر "الذی اشار الیه الترمذی بقوله وفی الباب و اخرجه النسائی تفصیلاً" اس میں بھی یہی لفظ ہے۔ خصوصاً "کاحدث صلوٰة صلیتموها من المکتوبة" طریق استدلال ماقبل والا ہے۔

دلیل ثالث: حدیث سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ "الذی اشار الیه الترمذی و اخرجه ابو داؤد مفصلاً" اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صلوٰۃ کی کیفیت بیان کی گئی ہے وہ دال وحدت رکوع پر اور یہ فعلی حدیث ہے۔

دلیل رابع: حدیث عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ "الذی اشار الیه الترمذی بقوله وفی الباب و اخرجه ابو داؤد مفصلاً" یہ بھی فعلی حدیث ہے اس میں عمرو بن العاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صلوٰۃ الکسوف کی کیفیت کو بیان کررہے ہیں، یہ کیفیت بھی دال ہے کہ فی رکعت ایک رکوع ہے۔

دلیل خامس: حدیث ابوبکرہ "الذی اشار الیه الترمذی بقوله وفی الباب واخرجه النسائی مفصلاً" اس میں "یصلی مثل صلوتنا" یعنی عام نمازوں میں فی رکعت ایک رکوع ہے۔

دلیل سادس: دیگر نمازوں پر قیاس کا مقتضی بھی یہی ہے کہ ہر رکعت میں ایک رکوع ہونا چاہیے۔

آئمہ ثلاثہ کی دلیل:

حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا "الذی اخرجه الترمذی" اور صحیحین میں بھی موجود ہے؟

جواب (۱): صرف دو رکوع والی روایات تو نہیں بلکہ ثلاثہ رکوعات کی بھی روایات موجود ہیں، اربع رکوع اور خمسہ رکوعات کی بھی روایات مذکور ہیں ابوداؤد میں، اگر معاملہ دو رکوع پر رہوتا تو مان لیتے لیکن یہاں تو معاملہ آگے بڑھ رہا ہے۔ لہٰذا آپ جو جواب ثلاثہ، اربعہ، خمسہ رکوع کا دیں گے وہی جواب ہم دو رکوع کا دیں گے۔ البتہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اربع، ثلاثہ، خمسہ والی روایات کو معلول قرار دینے کی کوشش کی ہے لیکن محققین کی رائے یہ ہے کہ ان روایات کو معلول قرار دینا خود ہی علیل ہے۔

جواب (۲): حدیث میں ہے کہ رکوع بہت طویل تھا، پچھلی صفوں والوں نے سر اُٹھا کر معلوم کرنا چاہا کہ سر اُٹھایا ہے یا نہیں، دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر نہیں اُٹھایا تھا، انسے پچھلی صفوں والوں نے سمجھا کہ دو رکوع ہوئے ہیں جس نے جتنی بار سر کو اُٹھا کر دیکھا اتنا ہی روایت کردیا، گویا کہ یہ فہم پر مبنی ہے اس جواب کو اگرچہ پسند نہیں کیا گیا لیکن یہ جواب شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ نے دیا ہے، یہ بڑی عظیم شخصیت ہیں۔

جواب (۳): وحدت رکوع سے زائد جتنی رکوعات روایات ہیں یہ رکوعات صلوتی نہ تھی بلکہ یہ رکوعات آیاتی اور تخشعاتی تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ جب کوئی حادثہ پیش آئے تو سجدہ کیا جائے۔ چنانچہ ابوداؤد نے مستقل باب قائم کیا کہ آیاتِ عظیمہ کے وقت سجدہ کیا جائے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز کے درمیان آیات عجیبہ کی روایت کی رؤیت ہوئی جنت وجہنم کا مشاہدہ ہوا تو ان کی رؤیت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ نماز میں تھے اس لیے بجائے سجدہ کے رکوع پر اکتفاء کیا۔ یہ جواب حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے دیا۔

جواب (۴): روایتیں دونوں کی قسم ہیں، وحدت کی بھی اور اثنینیت کی بھی، اب ہم کہتے ہیں کہ وحدت رکوع

والی روایات راجح ہیں اور وجوہِ ترجیح کئی ہیں۔

(۱) وحدت رکوع کی احادیث قولی بھی موجود ہیں جبکہ دو رکوع والی احادیث سب فعلی ہیں اور جب یہ دونوں متعارض ہو جائیں تو قولی کو ترجیح ہوتی ہے۔

(۲) وحدیت رکوع کی احادیث قولی بھی موجود ہیں اور فعلی بھی موجود ہیں اور دو رکوع والی احادیث صرف فعلی ہیں اور مجموعہ سے استدلال اولیٰ ہوتا ہے۔

(۳) وحدت رکوع کی جانب جو قولی روایات ہیں دو رکوع کی کوئی قولی روایت ان کے معارض نہیں۔ پس وحدت رکوع کی قولی روایت سالم عن المعارض ہیں جبکہ دو رکوع والی ساری روایات فعلی ہیں۔ یہ سالم عن المعارض نہیں کیونکہ ان کے وحدت رکوع کی فعلی روایات موجود ہیں۔ لہٰذا سالم عن المعارض سے استدلال اولیٰ ہوتا ہے۔

(۴) وحدت رکوع کی روایات جو ہیں یہ قواعد کلیہ متعلق بالصلوٰۃ کے موافق ہیں جبکہ دو رکوع والی روایات قواعد کلیہ متعلق بالصلوٰۃ کے خلاف ہیں۔ لہٰذا قواعد کلیہ کو ترجیح ہوگی۔

(۵) وحدت رکوع کی روایات بالاجماع معمول بہا ہیں۔ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک بھی یہ جائز ہے جبکہ دو رکوع والی روایات بالاجماع معمول بہا نہیں۔

فائدہ: ہمارے امام ترمذی رحمہ اللہ نے وحدت رکوع اور دو رکوع والی روایات میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے کہ اگر ایک رکوع سے پہلے انجلاء ہو جائے تو وحدت رکوع والی پر عمل کر لیا جائے، اگر ایک رکوع تک انجلاء شمس نہ ہو تو پھر قرأت کرے، پھر رکوع کرے، اگر پھر بھی انجلاء شمس نہ ہو تو اسی طرح کرے تیسری مرتبہ بھی، لیکن اس تطبیق کو پسند نہیں کیا گیا کیونکہ آئمہ میں سے کسی کا بھی یہ مذہب نہیں، امام شافعی رحمہ اللہ کا دوسرا قول بھی یہی نقل کیا ہے۔ باقی کسوف شمس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں کتنی دفعہ ہوا۔ راجح یہ ہے کہ صرف ایک مرتبہ ہوا اور سنہ ۱۰ ہجری ۲۹ شوال پیر کے دن صبح ساڑھے آٹھ بجے کے قریب جس دن حضرت ابراہیم کی وفات ہوئی۔ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے ایک فرانسیسی عالم ماہر کا یہی قولِ تحقیقی نقل کیا ہے۔

بَاب: كَيْفَ الْقِرَاءَةُ فِي الْكُسُوفِ صلوٰۃ کسوف کی قرأت کیسے کی جائے

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ قَالَ صَلَّى بِنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي كُسُوفٍ لَا نَسْمَعُ لَهُ صَوْتًا.

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ کسوف کی نماز پڑھی اور ہم نہیں سنتے تھے ان کی کچھ آواز۔

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى صَلَاةَ الْكُسُوفِ وَجَهَرَ بِالْقِرَاءَةِ فِيهَا.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی نماز کسوف کی اور جہر کیا قرأت میں۔

تشریح......اختلافی مسئلہ (۳):

نمازِ کسوف میں قرأۃ جہراً ہے یا سراً؟

قول اوّل: امام صاحب و امام شافعی فرماتے ہیں کہ قرأت سراً ہے۔

قول ثانی: امام مالک و احمد بن حنبل فرماتے ہیں قرأت جہراً ہے اور یہی قول صاحبین کا بھی ہے۔ عجیب حال ہے کہ اس مسئلہ میں امام صاحب کے متبعین نے امام صاحب کو چھوڑ دیا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے متبعین نے امام شافعی کو چھوڑ دیا ہے۔

احناف کی دلیل: روایت الباب حدیث سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھائی اور قرأت کی لیکن ہم کو آواز سنائی نہ دی۔

صاحبین کی دلیل: مابعد میں اس باب کے تحت حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلوٰۃ الکسوف پڑھی اور جہراً قرأت کی "وجھر بالقرأۃ" کے الفاظ ہیں اور امام طحاوی کا میلان بھی صاحبین کی طرف ہے۔

چنانچہ اس پر نظر و قیاس پیش کیا کہ دن کی نمازیں دو قسم پر ہیں:

(۱) وہ نمازیں جو دائماً پڑھی جاتی ہیں۔

(۲) وہ نمازیں جو کبھی کبھی پڑھی جاتی ہیں جیسے عیدین اور جمعہ، اب جو نمازیں دائمی ہیں ان میں قرأت سراً ہے اور جو نماز غیر دائمی ہیں ان میں قرأت جہراً ہے اور صلوٰۃ الکسوف بھی غیر دائمی ہے اس میں بھی قرأت جہراً ہونی چاہیے۔

حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جواب (۱)

یہ حدیث المرأۃ ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پچھلی صفوں میں ہوں گی اور حدیث سمرہ بن جندب یہ حدیث رجل ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اگلی صفوں میں ہوں گے، ان کو زیادہ حال معلوم ہے، قرأت جہراً ہوئی یا سراً ہوئی۔ لہٰذا حدیث سمرہ کو حدیث رجل ہونے کی وجہ سے ترجیح حاصل ہے۔

جواب (۲): حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں احتمال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آیات عجیبہ کی رؤیت ہوئی ہو اور اس بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تہلیل و تکبیر و تسبیح کہی ہو، ممکن ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان کلمات کو سن کر یہ سمجھا کہ شاید قرأت جہراً ہو رہی ہے۔

جواب (۳): یہ بھی احتمال ہے کہ غلبۂ حال کی وجہ سے غیر اختیاری طور پر آیت کا جہر ہوا ہو اس کو سن کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے خیال کیا کہ شاید قرأت جہراً ہو رہی ہیں۔

جواب (۴): حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا محمول ہے چاند کے گرہن لگنے کی صورت پر اور اس میں جہراً قرأت ہوتی ہے ہم بھی مانتے ہیں۔

سوال: خسوف القمر میں نماز باجماعت مسنون نہیں؟

جواب: منع بھی تو نہیں جب چاند گرہن ہو جائے تو قرأت جہراً کی جائے گی۔

امام طحاوی رحمہ اللہ کی نظر کا جواب:

اس کو توڑنا آسان کام نہیں کیونکہ امام طحاوی رحمہ اللہ "بحز لا ساحل" ہیں لیکن بایں ہمہ مجدد الف ثانی نے اس کو توڑا ہے اور فرمایا کہ یہ سارا عالم اللہ کی صفات کا مظہر ہے۔ بایں طور کہ اس مظہر کی صورتیں دو ہیں۔ مظہر جلال اور مظہر جمال، ابر اگر مظہر جلال ہے تو مال مظہر جمال ہے بالکل ایسے ہی دن مظہر جلال ہے اور رات مظہر جمال ہے، مظہر جمال کا مقتضی یہ ہے کہ ہم کلامی ہونی چاہیے اور مظہر جلال کا مقتضی یہ ہے کہ خاموش رہے، اس لیے دن کی دائمی نمازوں میں قرأت سراً ہے اور رات کی نمازوں میں قرأت جہراً ہے لیکن بایں ہمہ دنوں میں سے یوم الجمعۃ اور خصوصاً جمعہ کی نماز کا وقت ہے اور ایسے ہی عیدین کا دن جو ہیں یہ دنوں میں سے بھی مظہر جمال ہے اس لیے ان نمازوں کی قرأت کو جہراً رکھا گیا ہے "اذا کان الامر کذالک" اب دیکھنا یہ ہے کہ کسوف کی نماز حالت جلال ہے یا حالت جمال ہے ہر شخص یہی کہے گا کہ یہ مظہر جلالی ہے۔ ارے امام طحاوی آپ مظہر جلال کو قیاس کر رہے ہیں مظہر جمال پر، لہٰذا یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے۔" فجزاء اللہ خیر الجزاء" لیکن فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَلَاةِ الخَوْفِ خوف کے وقت نماز پڑھنے کا بیان

عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى صَلَاةَ الخَوْفِ بِإِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ رَكْعَةً وَالطَّائِفَةُ الأُخْرَى مُوَاجِهَةُ العَدُوِّ ثُمَّ انْصَرَفُوا فَقَامُوا فِي مَقَامِ أُولَئِكَ وَجَاءَ أُولَئِكَ فَصَلَّى بِهِمْ رَكْعَةً أُخْرَى ثُمَّ سَلَّمَ عَلَيْهِمْ فَقَامَ هَؤُلَاءِ فَقَضَوْا رَكْعَتَهُمْ وَقَامَ هَؤُلَاءِ فَقَضَوْا رَكْعَتَهُمْ.

ترجمہ: حضرت سالم سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی نماز خوف کی ایک رکعت ایک گروہ کے ساتھ اور دوسرا گروہ سامنے رہا دشمن کے پھر گیا یہ گروہ یعنی جس نے ایک رکعت پڑھی تھی اور کھڑا ہوا ان کی جگہ یعنی دشمن کے مقابلے میں اور آیا وہ گروہ اور پڑھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ایک رکعت پھر سلام پھیر دیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور کھڑے ہوئے یہ لوگ اور پڑھ لی اپنی ایک رکعت اور کھڑا ہوا وہ دوسرا گروہ اور پڑھ لی انھوں نے بھی ایک رکعت یعنی ایک رکعت ہر گروہ کی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوئی اور ایک جدا۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ أَنَّهُ قَالَ فِي صَلَاةِ الخَوْفِ قَالَ يَقُومُ الإِمَامُ مُسْتَقْبِلَ القِبْلَةِ، وَتَقُومُ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَهُ وَطَائِفَةٌ مِنْ قِبَلِ العَدُوِّ وَوُجُوهُهُمْ إِلَى العَدُوِّ فَيَرْكَعُ بِهِمْ رَكْعَةً وَيَرْكَعُونَ

لِأَنْفُسِهِمْ وَيَسْجُدُونَ لِأَنْفُسِهِمْ سَجْدَتَيْنِ فِي مَكَانِهِمْ ثُمَّ يَذْهَبُونَ إِلَى مَقَامِ أُولَئِكَ وَيَجِيءُ أُولَئِكَ فَيَرْكَعُ بِهِمْ رَكْعَةً وَيَسْجُدُ بِهِمْ سَجْدَتَيْنِ فَهِيَ لَهُ ثِنْتَانِ وَلَهُمْ وَاحِدَةٌ، ثُمَّ يَرْكَعُونَ رَكْعَةً وَيَسْجُدُونَ سَجْدَتَيْنِ. قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ سَأَلْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ فَحَدَّثَنِي عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيِّ وَقَالَ لِي يَحْيَى اكْتُبْهُ إِلَى جَنْبِهِ وَلَسْتُ أَحْفَظُ الْحَدِيثَ، وَلَكِنَّهُ مِثْلُ حَدِيثِ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيِّ.

ترجمہ روایت ہے کہ سہل بن ابی حثمہ نے کہا کہ کھڑا ہوا امام سامنے قبلے کے نمازِ خوف میں اور ایک جماعت کھڑی ہو اس کے ساتھ اور دوسری جماعت دشمن کی طرف رہے کہ منہ ان کے دشمن کی طرف ہوں اور پڑھے امام ایک رکعت جماعت کے ساتھ اور دوسری رکعت وہ جماعت اپنی آپ پڑھ لے اور دو سجدے بھی کر لیں اسی جگہ میں پھر جائیں اس جماعت کی جگہ اور آئیں وہ لوگ اور پڑھے امام ان کے ساتھ ایک رکعت اور دو سجدے کرے تو امام کو یہ دوسری رکعت ہے اور اس جماعت کی پہلی رکعت پھر پڑھ لیں، یہ ایک رکعت اور دو سجدے کر لیں اور کہا محمد بن بشار نے پوچھا میں نے یحییٰ بن سعید سے اس حدیث کو تو روایت کیا انہوں نے شعبہ سے انہوں نے عبدالرحمن بن قاسم سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے صالح بن خوات سے انہوں نے سہل بن ابی حثمہ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یحییٰ بن سعید انصاری کی حدیث کی مانند اور کہا مجھے یحییٰ بن سعید نے لکھ دو اس حدیث کو اس کے بازو میں اور میں خوبی یاد نہیں رکھتا ہوں اس حدیث کو لیکن وہ مثل یحییٰ بن سعید انصاری کے ہے۔

تشریح......پہلی بات:

صلوٰۃ الخوف کب مشروع ہوئی، اس میں دو قول ہیں (۱) غزوہ ذات الرقاع کے وقت، مشہور یہی ہے اور غزوہ ذات الرقاع کب ہوا ایک قول یہ ہے کہ ۴ ہجری میں اور ایک قول ۵ ہجری کا ہے اور ایک قول ۷ ہجری کا ہے۔ (۲) یہ ہے کہ صلوٰۃ الخوف مشروع ہوئی غزوہ عسفان میں اور غزوہ عسفان پیش آیا حدیبیہ کے سال سنہ ۶ ہجری میں۔

دوسری بات: اختلافی مسئلہ: صلوٰۃ الخوف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دُنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد بھی مشروع ہے یا نہیں؟

قولِ اوّل: جمہور کے ہاں جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مشروع تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی تا قیامت مشروع رہے گی۔

قولِ ثانی: قاضی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ الخوف کی مشروعیت مخصوص ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہی۔

جمہور کی دلیل: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دُنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد اکابر صحابہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں عبدالرحمن بن سمرہ کابل میں سنہ ۹۴ ہجری میں حضرت ابوموسیٰ اشعری نے اصبہان میں اور حضرت سعد بن وقاص نے طبرستان میں مجوس کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مغرب کی نماز لیلۃ الحریر میں صلٰوۃ خوف کے ساتھ پڑھائی۔ان اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل بسند صحیح صلٰوۃ الخوف پڑھنا ثابت ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔

قاضی صاحب رحمہ اللہ کی دلیل:

صلٰوۃ الخوف میں امور منافیہ للصلٰوۃ پائے جاتے ہیں۔مثلاً نقل وحرکت وغیرہ ان اُمور کے ہوتے ہوئے نماز کا ہونا خلاف اصل ہے۔لہٰذا یہ خاص ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہی زمانہ کے ساتھ،اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی ذات ایسی ہے کہ سب صحابہ رضی اللہ عنہم چاہتے تھے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھیں،لہٰذا اب متعدد جماعتیں کرائی جائیں اور اس کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے "اذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلٰوۃ" کا خطاب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے۔

جواب: ان امور کا منافی للصلٰوۃ ہونا شارح ہی کے بتلانے سے معلوم ہوا اور شارح ہی کے بتلانے سے معلوم ہوا کہ صلٰوۃ الخوف ان اُمور کے ہوتے ہوئے جائز ہے۔نیز جو آپ نے کہا کہ یہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب ہے یہ احتراز کے لیے نہیں، یہ ایسے ہی ہے جیسے "خُذْ مِنْ اموالھم" اب یہ زکوٰۃ وصول کرنا صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص نہیں حالانکہ خطاب صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہی ہے۔

البتہ شمس الائمہ سرخسی نے کہا ہے کہ امام ابو یوسف مطلق مشروعیت کا انکار نہیں کرتے بلکہ یہ ایک خاص صورت میں ہے کہ جب ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھی جائے جس میں نقل وحرکت پائی جائے اور اگر متعدد اماموں کے پیچھے پڑھی جائے تو کوئی انکار نہیں ہے۔

تیسری بات،اختلافی مسئلہ: صلٰوۃ الخوف کا طریقہ کیا ہے؟

احادیث میں سولہ سے زائد طریقے بتلائے گئے ہیں جن میں سے سب سے زیادہ اہتمام امام ابوداؤد نے کیا ہے کہ تقریباً بارہ طریقے بیان کیے ہیں۔عجیب طریقے سے کہ ایک صورت کو ترجمۃ الباب بنا کر اس کی دلیل بیان کی ہے ایسے ہی تمام صورتوں کو بیان کیا ہے جیسے استحاضہ والے احکام کا اہتمام بھی امام ابوداؤد نے کیا ہے۔اس میں اتفاق ہے کہ سب طریقے جائز ہیں،سوائے ایک دو طریقوں کے،البتہ اس میں اختلاف ہے کہ افضل طریقہ کیا ہے؟ یہاں پر تین طریقے ذکر کیے جاتے ہیں۔

صلٰوۃ خوف کا پہلا طریقہ: احناف فرماتے ہیں کہ امام دو فریق بنا لے،ایک فریق دشمن کے مقابلے میں اور دوسرا خلف الامام جو فریق خلف الامام ہے وہ ایک رکعت پڑھے اور امام نماز کی حالت میں رہے، یہ فریق دشمن کے مقابلے میں چلا جائے اور

دوسرا فریق خلف الامام آجائے، اس دوسرے فریق کو امام دوسری رکعت پڑھائے، پھر امام فارغ ہوجائے اور یہ فریق ثانی دشمن کے مقابلہ میں چلا جائے، فریق اوّل امام کی جگہ آکر لاحق کی طرح نماز مکمل کرے، پھر یہ دشمن کے مقابلہ میں چلا جائے اور فریق ثانی امام کی جگہ لوٹ کر مسبوق کی طرح رہی ہوئی رکعت پڑھ لے۔ اس صورت میں کسی فریق کی رکعتوں میں موالات نہیں۔ یہ طریقہ سہل بن ابی حثمہ کی روایت سے ثابت ہے جو موقوفاً اور مرفوعاً دونوں طرح منقول ہے۔

دوسرا طریقہ: شوافع اور حنابلہ ہے اور شوافع کے نزدیک وہ صورت افضل ہے جو کہ دوسری حدیث میں ہے کہ امام پہلے فریق کو ایک رکعت پڑھائے، امام نماز میں رہے اور یہ فریق اپنی بقیہ نماز پڑھ کر چلا جائے اور اب دوسرا فریق آئے، امام ان کو ایک دوسری رکعت پڑھائے، پھر امام جلوس کرے، پھر وہ فریق اپنی پہلی ہی اس رکعت کو پورا کرے، جب وہ دوسرا فریق اپنی رکعت پڑھ لے تو پھر امام ان کے ساتھ سلام پھیرے۔ اس صورت میں خصوصیت یہ ہے کہ چلنا پھرنا کم ہے۔ امام کو مقتدیوں کا انتظار کرنا پڑتا ہے اور شوافع کی وجہ ترجیح اس کیفیت کے راجح ہونے پر یہی ہے کہ اس میں چلنا پھرنا بہت کم ہے۔ اس کا جواب: اس میں ٹھیک چلنا پھرنا کم ہے لیکن امام کو انتظار کرنا پڑ رہا ہے تاکہ اکٹھا سلام پھر جائے اور یہ امام کے منصب کے خلاف ہے۔ امام تو متبوع ہوتا ہے یہاں تابع بن گیا۔

تیسرا طریقہ: امام طائفہ اولیٰ کو ایک رکعت پڑھائے، یہ چلا جائے امام کھڑا رہے۔ دوسرا طائفہ آئے، امام اس کو ایک رکعت پڑھالے اور بیٹھا رہے یہ لوگ ایک رکعت پڑھ کر امام کے ساتھ سلام پھیر لیں۔ پھر پہلے والے آئیں اور اپنی رکعت پوری کرلیں۔

چوتھا طریقہ: یہ بھی شوافع کا ہے۔ اگر دشمن قبلہ کی جانب ہو تو امام دو صفیں بنائے، ہر دونوں صفیں امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ میں شامل ہوں اور پہلے رکعت کے رکوع تک شامل رہیں، رکوع سے سر اُٹھانے کے بعد امام اور اگلی صف والے سجدہ میں چلے جائیں۔ پچھلی صف قومہ کی حالت میں رہے جب امام اور اگلی صف والے دوسرے سجدہ سے فارغ ہوجائیں اور سیدھے کھڑے ہوجائیں تو پچھلی صف والے سجدہ میں چلے جائیں، سجدہ سے فارغ ہونے کے بعد پچھلی صف والے اگلی صف میں اور اگلی صف والے پیچھے چلے جائیں، پھر دوسری رکعت میں رکوع تک اکٹھے رہیں، پھر امام اور اگلی صف والے سجدہ کرکے التحیات میں بیٹھ جائیں، پھر پچھلی صف والے سجدہ کرکے التحیات میں بیٹھ جائیں، پھر امام ہر دونوں صفوں کے ساتھ اکٹھا سلام پھیرے۔

مالکیہ ان کے ہاں بھی پہلی والی صورت ہے لیکن فرق اتنا ہے کہ امام دوسرے فریق کو پڑھا کر انتظار نہ کرے سلام پھیر دے، پھر دوسرا فریق اکیلا سلام پھیرے، پھر عام ازیں دشمن قبلہ کی جانب ہو یا غیر قبلہ کی جانب، حنابلہ اور مالکیہ کے ہاں مابہ الاشتراک تعمیم ہے اور مابہ الامتیاز انتظار کرنا اور نہ کرنا ہے۔ امام ترمذی نے اجمالاً مذاہب ذکر کیے ہیں، ان کو اس تفصیل پر منطبق کیا جائے۔ اسحاق بن راہویہ کے ہاں ساری صورتیں جائز ہیں کسی کو ترجیح نہیں ہے ورنہ تو ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی کیونکہ صلوٰۃ الخوف سے متعلق ساری حدیثیں صحیح ہیں۔

احناف کی دلیل اوّل:

حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما "الذی اخرجه امام محمد فی کتاب الآثار" کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی احناف والی کیفیت منقول ہے، یہ اگرچہ موقوف ہے لیکن غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے حکماً مرفوع ہے۔

دلیل ثانی: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما لیکن "بجمیع اجزائه" نہیں صرف اس اعتبار سے کہ فریق اوّل کی دونوں رکعتوں میں موالاۃ نہیں۔

دلیل ثالث: حدیث عبدالرحمن بن سمرہ "الذی اخرجه ابو داؤد" باقی وہی تفصیل ہے۔

دلیل رابع: حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ، فرق اتنا ہے کہ اخیری تینوں حدیثیں بعض اجزاء کے اعتبار سے ہیں اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما "بجمیع اجزائه" دلیل ہے۔

شوافع کی دلیل:

جب دشمن قبلہ کی جانب ہو تو ماھوالمختار عندالشوافع کی دلیل حدیث ابوعیاش زرقی امام ترمذی نے وفی الباب کے تحت حوالہ دیا اور امام ابوداؤد نے پوری تفصیل سے بیان کیا، اس میں یہی صورت مذکور ہے اور ماھوالمختار جب دشمن غیر قبلہ کی جانب ہو تو حدیث سہل ابن ابی حثمہ بسند یزید بن رومان اس کی طرف اجمالاً اشارہ کیا اور ابوداؤد میں پوری تفصیل ہے اور "ماھو المختار عند الحنابله" کی مطلقاً دلیل یہی حدیث ہے۔ حدیث سہل بن ابی حثمہ، حنابلہ اس کو عموم پر رکھتے ہیں اور شوافع تخصیص کرتے ہیں اور "ماھو المختار عند المالکیه" حدیث سہل بن ابی حثمہ بسند قاسم بن محمد، اس میں ہے کہ امام سلام پھیر دے، انتظار نہ کرے اور حدیث یزید بن رومان میں ہے کہ انتظار کرے۔

اسحاق بن راہویہ کے شبہ کا جواب:

ان کا شبہ یہ تھا کہ وجہ ترجیح موجود نہیں ہے اس لیے ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے، ہم کہتے ہیں وجوہ ترجیح موجود ہیں۔

(۱) "ماھو المختار عندالاحناف" قواعد کلیہ کے موافق ہیں۔ مثلاً قاعدہ ہے کہ امام پہلے فارغ ہو اور مقتدی بعد میں جبکہ "ماھو المختار عندالآئمه" ایک فریق پہلے فارغ ہو جاتا ہے اور امام ابھی فارغ نہیں ہوتا۔

(۲) قواعد کلیہ صلوٰۃ میں سے ہے کہ امام متبوع ہوں اور مقتدی تابع ہوں اور "ماھو المختار عندالحنابله والشوافع" میں معاملہ برعکس ہے امام کو انتظار کرنا پڑ رہا ہے یہ اس وقت ہے جبکہ دشمن غیر قبلہ کی جانب ہو۔

سوال: احناف والے مذہب میں کثرت نقل وحرکت پائی جارہی ہے۔ یہ امور منافیہ للصلوٰۃ ہیں؟

جواب: ان کا منافی للصلوٰۃ ہونا شارع کے بتلانے سے معلوم ہوا اور یہ بھی شارع کے بتلانے سے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ الخوف میں یہ امور منافی للصلوٰۃ نہیں۔ احناف کثرت نقل وحرکت گوارہ کرتے ہیں لیکن قواعد کے موافق ہیں اور شوافع وغیرہ قواعد کے خلاف ہیں۔

"قال محمد بن بشار سألت" یہاں سے سند پر کلام ہے کہ محمد بن بشار کے اُستاد ہیں۔ یحییٰ بن سعید القطان اس کے پھر دو اُستاد ہیں۔(۱) یحییٰ بن سعید انصاری (۲) شعبہ، ان دونوں اُستادوں کی روایت میں تین فرق ہیں۔

(۱) یحییٰ بن سعید اس کے مطابق یہ روایت موقوف ہے۔ سہل بن ابی حثمہ پر اور شعبہ کی روایت کے مطابق مرفوع ہے۔

(۲) یحییٰ کی روایت میں عبدالرحمن کا واسطہ نہیں اور شعبہ کی روایت میں عبدالرحمن کا واسطہ بھی موجود ہے، معتدبہ فرق موقوف ومرفوع ہونے کا ہے۔ اب یحییٰ کہتے ہیں کہ شعبہ نے جب روایت بیان کی تو کہا کہ اس روایت کو اپنے بیاض میں اپنے اُستاد یحییٰ بن سعید کی روایت کے قریب لکھ دو، اس لیے کہ مجھے حدیث کے الفاظ بعینہ یاد نہیں رہے، البتہ اتنی بات یاد ہے کہ میری اس حدیث کے الفاظ وہی تھے جو یحییٰ بن سعید کے ہیں۔ اس لیے میری روایت بھی یحییٰ بن سعید کی حدیث کے قریب لکھ دو تا کہ معلوم ہو کہ ان دونوں روایتوں کے الفاظ ایک ہی ہیں۔

سوال: دونوں میں تفاوت ہے؟

جواب: یہ تفاوت مضر نہیں ہے کیونکہ موقوف غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے حکماً مرفوع ہے۔ باقی دوسرے فرق میں بھی کوئی ضرر نہیں کیونکہ دونوں احتمال ہیں، واسطہ ہو یا بلاواسطہ یعنی بلاواسطہ بھی حاصل ہو اور بالواسطہ بھی۔ "قال لی" اس کے قائل یحییٰ بن سعید القطان اور فاعل شعبہ ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي سُجُودِ الْقُرْآنِ قرآن کے سجدوں سے متعلق

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سَجَدْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِحْدَى عَشْرَةَ سَجْدَةً مِنْهَا الَّتِي فِي النَّجْمِ.

ترجمہ حضرت ابی الدرداء سے روایت ہے کہ گیارہ سجدے کیے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہ سورۂ نجم کا سجدہ بھی اس میں تھا۔

تشریح پہلا مسئلہ: سجدہ تلاوت کا کیا حکم ہے اس میں مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں واجب ہے۔

قول ثانی: جمہور کے ہاں سنت ہے۔

دلیل: امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سجدہ کے متعلق قرآن کریم میں تین قسم کی آیات ذکر کی ہیں۔

(۱) بعض آیات میں صیغہ امر مذکور ہے جیسے "واسجد واقترب"

(۲) بعض میں مشرکین کے سجدہ سے انکار کا ذکر ہے جیسے "واذا قرأعلیھم القرآن لا یسجدون"

(۳) بعض آیات میں انبیاء علیہم السلام کے سجدہ کی نقل حکایت ہے جیسے "خر راکعا واناب" اس میں داؤد علیہ

السلام کے سجدہ کی حکایت ہے۔

ان تینوں کا تقاضا یہ ہے کہ سجدہ تلاوت واجب ہے کیونکہ اگر صیغہ امر کا لحاظ کیا جائے تو امر وجوب کے لیے آتا ہے۔ اگر کفار کے انکار کا لحاظ کیا جائے تو پھر بھی یہ وجوب کی علامت ہے تا کہ کفار کی مخالفت ہو سکے۔ اگر انبیاء علیہم السلام کے سجدہ کی نقل حکایت کا لحاظ کیا جائے تو پھر بھی واجب ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی اقتداء کا حکم ہے۔

آئمہ ثلاثہ کی دلیل اوّل:

ترمذی شریف میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "وفیہ قرأت علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم النجم فلم یسجد فیھا" زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سورۃ النجم پڑھی اور اس میں سجدہ نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سجدہ تلاوت واجب نہیں کیونکہ اگر سجدہ واجب ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی سجدہ کرتے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بھی سجدہ کا حکم دیتے۔

جواب (۱): یہاں وجوب علی الفور کی نفی ہے مطلق سجدہ کی نفی نہیں اور اس بات کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ سجدہ تلاوت کی ادائیگی علی الفور واجب نہیں بلکہ ادائیگی میں تاخیر ہو سکتی ہے۔

جواب (۲): جس وقت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے تلاوت کی ہو سکتا ہے کہ وہ وقت مکروہ ہو اور مکروہ وقت میں سجدہ تلاوت کی ادائیگی جائز نہیں۔

دلیل ثانی: ترمذی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے سجدہ تلاوت والی آیت منبر پر پڑھی، پھر منبر سے اُتر کر سجدہ تلاوت ادا کیا۔ پھر اسی آیت کو دوسرے جمعہ میں پڑھا، لوگوں نے سجدہ ادا کرنے کی تیاری کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "انھا لم تکتب علینا" کہ سجدہ ہم پر کوئی فرض نہیں ہے، نہ عمر رضی اللہ عنہ نے سجدہ کیا اور نہ ہی لوگوں نے سجدہ کیا، اس سے معلوم ہوا کہ سجدہ تلاوت واجب نہیں۔

جواب (۱): اس سے مراد وجوب علی الفور کی نفی ہے۔

جواب (۲): "لم تکتب علینا" کا مطلب یہ ہے کہ اجتماعی حالت میں ہم پر سجدہ واجب نہیں اور اس کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اجتماعی حالت میں سجدہ واجب نہیں ہے۔

"قال ابو عیسٰی حدیث ابی الدرداء حدیث غریب لا نعرفہ الا من حدیث . . . الخ" سند پر کلام یہ ہے کہ انتظار کرے، اس حدیث کی سند میں عمرو دمشقی اور اُم الدرداء کے درمیان واسطہ ہے یا نہیں؟ پہلی سند میں نہیں اور دوسری موجود نہیں ہے، اس لیے سند میں عبداللہ بن عبدالرحمن کا واسطہ ہے، اُم الدرداء اور عمرو دمشقی کے درمیان "سمعت الخ" امام ترمذی رحمہ اللہ نے واسطہ ہونے کو ترجیح دی۔

بَابُ فِي خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْمَسَاجِدِ عورتوں کا مسجد جانا

عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ائْذَنُوا لِلنِّسَاءِ بِاللَّيْلِ إِلَى الْمَسَاجِدِ فَقَالَ ابْنُهُ وَاللّٰهِ لَا نَأْذَنُ لَهُنَّ يَتَّخِذْنَهُ دَغَلًا فَقَالَ فَعَلَ اللّٰهُ بِكَ وَفَعَلَ أَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُولُ لَا نَأْذَنُ لَهُنَّ.

ترجمہ حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ ہم تھے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اجازت دو عورتوں کو رات کے وقت مسجدوں میں جانے کی سو کہا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے نے قسم ہے اللہ کی ہم اجازت نہ دیں گے ان کو حیلہ بنائیں گے وہ فساد کا یعنی مسجدوں میں جانے کو فساد کا بہانہ ٹھہرائیں گے تو کہا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایسا کرے اللہ تجھ کو اور ویسا یعنی بددُعا کہتا ہوں میں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور تو کہتا ہے میں اجازت نہ دوں گا۔

تشریح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض مصلحتوں کی بناء پر عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت تھی لیکن جب مصلحتیں نہ رہیں تو مطلقاً عورتوں کو مسجد میں نماز باجماعت کے لیے حاضر ہونے کی اصلیت نہیں۔ باقی ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے کا نام واقد تھا اور بعض نے بلال کہا ہے، باقی بیٹے کی بات تو صحیح تھی کہ اب وہ زمانہ نہیں رہا لیکن انداز ایسا تھا جس سے صورۃً حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معارضہ معلوم ہو رہا تھا اس کو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے برداشت نہ کیا کہ یہ بھی ادب کے خلاف ہے۔ اس پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے غضبناک ہو کر فرمایا "فعل اللہ بک و فعل" اور مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ "فاقبل علیہ عبداللہ فسبہ" اور مسند احمد کی روایت میں ہے "فما کلمہ عبداللہ حتی مات" حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے کا مقصد حدیث رسول کے مقابلے میں اپنی رائے کو پیش کرنا اور ترجیح دینا نہیں تھا بلکہ انہوں نے جو کچھ کہا وہ ایک غرض صحیح کے لیے کہا۔ البتہ اس کی تعبیر مناسب اور صحیح نہیں تھی۔ اس لیے اس حدیث کے ساتھ معارضہ پیش کیا۔

بَابُ فِي كَرَاهِيَةِ الْبُزَاقِ فِي الْمَسْجِدِ مسجد میں تھوکنے کی کراہت

عَنْ طَارِقِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْمُحَارِبِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كُنْتَ فِي الصَّلَاةِ فَلَا تَبْزُقْ عَنْ يَمِينِكَ وَلٰكِنْ خَلْفَكَ أَوْ تِلْقَاءَ شِمَالِكَ أَوْ تَحْتَ قَدَمِكَ الْيُسْرَى.

ترجمہ حضرت طارق بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ہو تو نماز میں تو نہ تھوک اپنی سیدھی طرف مگر پیچھے یا بائیں طرف یا نیچے بائیں طرف پیر کے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبُزَاقُ فِي الْمَسْجِدِ خَطِيئَةٌ وَكَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا.

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھوکنا مسجد میں گناہ ہے اور کفارہ اس کا دفن کرنا ہے یعنی تھوک کو دبا دینا۔

تشریح مطلقاً تھوکنا گناہ ہے یا پھر دفن کرنے کا ارادہ نہ ہو۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مطلقاً گناہ ہے اور قاضی عیاض کہتے ہیں کہ گناہ تب ہے جب دفن کرنے کا ارادہ نہ ہو، ظاہر حدیث امام نووی رحمہ اللہ کے موافق ہے۔

بَابُ فِي السَّجْدَةِ فِي إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ وَ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ

سورۂ انشقاق اور سورۂ علق میں سجدہ کرنا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَجَدْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ وَإِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ.

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سجدہ کیا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سورۂ اقرأ اور اذا السماء انشقت میں۔

تشریح اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مفصلات میں سجدہ ہے یا نہ اور دو مذاہب ہیں۔

قولِ اوّل: امام ابوحنیفہ، امام احمد اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک مفصلات میں سجدہ ہے۔

قولِ ثانی: امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مفصلات میں سجدہ تلاوت نہیں ہے۔

قولِ ثانی کی دلیل:

ان کا استدلال ترمذی میں حضرت زید بن ثابت کی روایت سے ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سورۃ النجم تلاوت کی اور سجدہ نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مفصلات میں سجدہ نہیں ہے۔

دلیل کا جواب: اس میں وجوب علی الفور کی نفی ہے یا وہ وقت مکروہ تھا کیونکہ اگر یہ توجیہ نہ کی جائے تو پھر اس کا تعارض آئے گا، مابعد والے باب میں عبداللہ بن عباس کی روایت سے جس میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۃ النجم میں سجدہ تلاوت ادا کیا ہے۔

قولِ اوّل کی دلیل: آئمہ ثلاثہ کا استدلال زیر بحث باب اور اس کے بعد والے باب کی روایتوں سے ہے۔ زیر بحث باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ الانشقاق اور سورۃ العلق کے اندر

سجدہ کیا ہے۔اس کے بعد والے باب میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ النجم میں سجدہ کیا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ مفصلات میں سجدہ ہے کیونکہ یہ سورتیں مفصلات کی ہیں۔

سوال: پہلے بھی سجود تلاوت بعد میں بھی سجود تلاوت درمیان میں دو اجنبی باب ہیں باب خروج النساء اور باب کراہیۃ البزاق کیسے ذکر کر دیئے؟

جواب: اور ترمذی کے شراح خاموش ہیں کیونکہ یہ یا تو کاتب کی غلطی ہے یا امام ترمذی رحمہ اللہ سے تسامح ہوا ہے، اصل بات یہ ہے کہ متقدمین کے ہاں مقصود ترتیب نہیں ہے بلکہ مسائل کو مستنبط کرنا ہے اور متاخرین کے ہاں ترتیب ملحوظ ہوتی ہے۔ بادی النظر سے معلوم ہوتا ہے کہ متاخرین کا اونچا مقام ہے لیکن معاملہ برعکس ہے کیونکہ متقدمین کی حیثیت ان جوہریوں کے جیسی ہے جو سمندر کی گہرائی میں غوطہ لگا کر طرح طرح کے موتی لاتے ہیں، پھر ڈھیر لگا دیتے ہیں، پھر خدام کو ہر رنگ کے جواہر الگ کرنے کا حکم دیا جاتا ہے، پھر عام لوگ ترتیب دیتے ہیں، بالکل ایسے ہی متقدمین نے قرآن وحدیث کے مسائل کا ڈھیر لگا دیا اور متاخرین کے حوالے کر دیا کہ ترتیب تم نے دینی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّجْدَةِ فِي النَّجْمِ سورۂ نجم میں سجدہ

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَجَدَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا يَعْنِي النَّجْمَ وَالْمُسْلِمُونَ وَالْمُشْرِكُونَ وَالْجِنُّ وَالإِنْسُ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سجدہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں یعنی سورۂ نجم میں اور سجدہ کیا مسلمانوں اور مشرکوں اور جنوں اور آدمیوں (انسانوں) نے۔

تشریح سوال: مسلمانوں نے تو اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے سجدہ کیا لیکن مشرکین نے کیوں کیا؟

جواب (۱): صحیح توجیہ یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں حجۃ البالغہ میں کہ اس موقع پر جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلاوت کی تو اللہ تعالیٰ کی ایسی تجلیات کا ظہور ہوا جس نے کل عالم کو لپیٹ میں لے لیا، مشرکین غیر اختیاری طور پر سجدہ میں چلے گئے۔

جواب (۲): جو کہ غلط ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہو گئے۔ "تلک الغرانیق العلیٰ ان الشفاعتهن لترتجی" تو مشرکین خوش ہو کر سجدے میں گر گئے لیکن محققین حضرات نے اس کو قبول نہیں کیا کیونکہ اس طرح تو حق و باطل کے درمیان فرق باقی نہیں رہے گا اور وحی پر اعتماد نہیں رہے گا۔

سوال: ابن عباس رضی اللہ عنہما کو جنات کے سجدے کا علم کیسے ہوا؟

جواب: جنات کے سجدے کا علم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتلانے سے ہوا، ان سب حدیثوں کا قدر مشترک یہ ہے کہ مفصلات کے تینوں سجدے ثابت ہیں اس کی طرف اشارہ کیا "والقول الاوّل اصح وبه يقول الثوری و ابن

المبارک و الشافعی و احمد و اسحاق" لیکن مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ یہ سجدے ثابت نہیں۔ "وقال بعض اهل العلم من اصحاب النبی" سے اشارہ کیا ہے۔

جمہور کے دلائل:

احادیث الباب، حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما، مالکیہ کی دلیل: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما "الذی اخرجه ابو داؤد" فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مفصلات کا سجدہ نہیں کیا۔

جواب (۱): نفی واثبات میں تعارض ہے، لہٰذا اثبات کو ترجیح ہوگی۔

جواب (۲): ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نہ دیکھنے سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ کیے ہی نہ ہوں۔

جواب (۳): مفصلات کے سجدہ کی روایت کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں ان کی روایت اثبات پر دال ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی نفی پر، لہٰذا اثبات کو ترجیح ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ مَنْ لَمْ يَسْجُدْ فِيهِ جو سورۂ والنجم میں سجدہ نہ کرے

عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَرَأْتُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّجْمَ فَلَمْ يَسْجُدْ فِيهَا.

ترجمہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پڑھی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے سورۂ والنجم سو سجدہ نہیں کیا اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

تشریح مسئلہ: سجدہ تلاوت کی حیثیت کیا ہے؟

قول اوّل: احناف کے ہاں واجب ہے۔

قول ثانی: آئمہ ثلاثہ کے ہاں مسنون ہے۔

احناف کی دلیل: آیات سجدہ تلاوت تین قسم پر ہیں ۱

(۱) وہ آیات جن میں حکم بصیغہ امر ہے اور امر وجوب پر دال ہے۔ (۲) وہ آیات جن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے انبیاء کے سجدہ تلاوت کی حکایت کی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے "فبهداهم اقتده"

(۳) وہ آیات جن میں کفار کے سجدہ نہ کرنے پر انکار اور مذمت کا بیان ہے اور ان کی مخالفت تو واجب ہے۔

جمہور کی دلیل اوّل: حدیث زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سورۃ نجم کی تلاوت کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ نہیں کیا، اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدہ اسی وجہ سے نہیں کیا کہ سجدہ واجب نہیں۔

دلیل ثانی: اثر عمر رضی اللہ عنہ انہوں نے خطبہ جمعہ میں آیت سجدہ تلاوت کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی سجدہ کیا، حاضرین نے بھی کیا، پھر اگلے جمعہ میں بھی تلاوت کی وہی آیت کی یا اس کے علاوہ آیت تلاوت کی اور لوگ سجدہ کے لیے تیار ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "انہا لم تکتب علینا"

دلیل اوّل کا جواب: بعض حنابلہ کی طرف سے یہ ہے کہ سامع کے ذمے سجدہ تلاوت تب ہوتا ہے جب تالی سجدہ کرے اور تالی زید بن ثابت تھے، انہوں نے سجدہ نہیں کیا، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی نہیں کیا اور حضرت زید نے نہ کیا مکلف نہ ہونے کی وجہ سے اس وقت حضرت زید کی عمر ۱۱ سال تھی اور گیارہ سال کی عمر میں آدمی بالغ نہیں ہوتا، لیکن امام ترمذی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جواب احناف کی طرف سے ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں کیونکہ احناف کا مذہب یہ ہے کہ تالی سجدہ کرے نہ کرے سامع پر سجدہ ہے یہ تو احناف پر الزام ہے۔ احناف کی طرف سے جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدہ نہ کیا، وجوب علی الفور نہ ہونے کی وجہ سے اور تالی نے سجدہ نہ کیا عارض کی وجہ سے مثلاً وضوء نہ ہوگا لیکن احناف کی بھی دو روایتیں ہیں، اگر نسیان کا اندیشہ ہو تو وجوب علی الفور ہے اور اگر خوف نہ ہو تو پھر وجوب علی الفور نہیں۔

جواب (۱): یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے یہ صحیح نہیں کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی انکار نہیں کیا گویا اجماع ہو گیا۔

جواب (۲): حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود فرما رہے ہیں "انہا لم تکتب علینا الی علی الفور"

جواب (۳): ایک عمدہ جواب یہ ہے کہ سجدہ تلاوت میں وضع الجبہ علی الارض ضروری نہیں، رکوع پر اکتفاء کرنا بھی جائز ہے، خارج صلوٰۃ میں بھی اور حضرت عمر اجتہاد عمر رضی اللہ عنہ ہے یہی بتلانا چاہتے تھے کہ سجدہ تلاوت کا وجوب بصورت "وضع الجبہۃ علی الارض" یہ اس طور واجب نہیں، مطلقاً وجوب کی نفی نہیں ہے۔ چنانچہ فتاویٰ میں ہے کہ خارج صلوٰۃ بھی انحناء پر اکتفاء کر سکتا ہے جو رکوع کے انحناء کی طرح ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّجْدَةِ فِي صٓ سورۂ صٓ میں سجدہ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْجُدُ فِي ص، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَلَيْسَتْ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُودِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ دیکھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرتے ہوئے سورۂ ص پڑھ کر کہا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اور یہ کچھ واجب سجدوں میں نہیں ہے۔

تشریح: اختلافی مسئلہ: سورۃ صٓ کا سجدہ ہے یا نہیں؟

قول اوّل: احناف وحنابلہ ومالکیہ سجدہ کے قائل ہیں۔

قول ثانی: شوافع حضرات اس سجدہ کے قائل نہیں ہیں۔

احناف کی پہلی دلیل: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما "رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یسجد فی ص"

احناف کی دوسری دلیل: باب کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں سجدہ کیا۔صحیح بخاری میں ہے کہ "سجدھا داؤد توبۃ و نسجدھا شکرا" اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اس میں سجدہ ہے۔

شوافع کی دلیل: قول ابن عباس رضی اللہ عنہما "لیست من عزائم السجود"

جواب (۱): ہمارے نزدیک اولیٰ بالاستدلال عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے نہ کہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

جواب (۲): قول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مؤوّل ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان سجدوں میں سے نہیں جن کا حکم بصیغہ امر ثابت ہوا بلکہ یہ ان میں سے ہے جن کو پہلے انبیاء علیہم السلام عمل میں لائے ان کی اتباع میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ہوا، اس لیے یہ کہا "لیست من عزائم السجود" اس وجہ سے نہیں کہ واجب ہی نہیں ہے، یہ ایک خاص اصطلاح ہے کہ بعض سجدے عزائم السجود میں سے ہیں اور بعض نہیں، امام ترمذی نے یہاں شوافع کا قول نقل کیا ہے، امام ترمذی سے تسامح ہوا ہے ممکن ہے ایک روایت ان کی بھی ہو لیکن اصل مذہب وہی ہے جو اوپر بتلا چکے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي السَّجْدَةِ فِي الْحَجِّ سورۂ حج میں سجدہ

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ فُضِّلَتْ سُورَةُ الْحَجِّ بِأَنَّ فِيهَا سَجْدَتَيْنِ قَالَ نَعَمْ، وَمَنْ لَمْ يَسْجُدْهَا فَلَا يَقْرَأْهَا.

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ عرض کیا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فضیلت دی گئی سورۂ حج اور سورتوں پر اِس لیے کہ اس میں دو سجدے ہیں، فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاں اور جس کو سجدہ نہ کرنا ہو وہ اس کو نہ پڑھے۔

تشریح: اختلافی مسئلہ: سورۃ حج کا دوسرا سجدہ ہے یا نہیں؟

قول اوّل: احناف اس بات کے قائل ہیں کہ دوسرا سجدہ صلاتیہ ہے نہ کہ سجدہ تلاوت، اس کی طرف امام ترمذی نے اشارہ کیا، "ورأی بعضهم فیها سجدة وهو قول سفیان، ثوری، مالک و اهل الکوفة"

قول ثانی: شوافع وحنابلہ کے ہاں یہ بھی سجدہ تلاوت ہے۔امام ترمذی نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے "وبه یقول ابن المبارک والشافعی واحمد واسحاق"

احناف کی دلیل: سیاق قرآن عموماً جب رکوع کے ساتھ سجدہ کا حکم ہو تو اس سے مراد سجدہ صلوتیہ ہوتا ہے اور نظر کا تقاضا بھی یہی ہے کہ رکوع تو نماز کا ہوگا اور یہ فرض ہے اور آگے سجدہ تلاوت مراد لیا جائے تو یہ تو فرض قطعی نہیں ہے اور نظم قرآنی کا مقتضی بھی یہی ہے خصوصاً شوافع کے مذہب پر تو نظم غیر مربوط ہو کر رہ جائے گی۔

شوافع کی دلیل: حدیث الباب حدیث عقبہ بن عامر فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ سورۃ حج کو اس لیے فضیلت ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں، فرمایا ہاں۔

جواب (۱): ہم مانتے ہیں کہ دو ہیں، لیکن ایک سجدہ تلاوت اور ایک صلوتی۔

جواب (۲): یہ روایت سنداً کمزور ہے کیونکہ اس میں دو راوی ضعیف ہیں، عبداللہ بن لہیعہ، مشرح بن باعان، لیکن بایں ہمہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خارج صلوٰۃ کرلیا جائے۔

بَابُ مَا يَقُولُ فِي سُجُودِ الْقُرْآنِ قرآن کے سجدوں میں کیا پڑھے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي رَأَيْتُنِي اللَّيْلَةَ وَأَنَا نَائِمٌ كَأَنِّي أُصَلِّي خَلْفَ شَجَرَةٍ فَسَجَدْتُ، فَسَجَدَتِ الشَّجَرَةُ لِسُجُودِي فَسَمِعْتُهَا وَهِيَ تَقُولُ اللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِي بِهَا عِنْدَكَ أَجْرًا وَضَعْ عَنِّي بِهَا وِزْرًا وَاجْعَلْهَا لِي عِنْدَكَ ذُخْرًا وَتَقَبَّلْهَا مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ، قَالَ الْحَسَنُ قَالَ لِيَ ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ لِي جَدُّكَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَرَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجْدَةً ثُمَّ سَجَدَ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَسَمِعْتُهُ وَهُوَ يَقُولُ مِثْلَ مَا أَخْبَرَهُ الرَّجُلُ عَنْ قَوْلِ الشَّجَرَةِ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آیا ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سو کہا اس نے یا رسول اللہ! میں نے اپنے تئیں خواب میں دیکھا اور میں سوتا تھا گویا کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں ایک درخت کے پیچھے سو میں نے سجدہ کیا اور درخت نے بھی میرے سجدے کے ساتھ ہی سجدہ کیا اور سنا میں نے اس سے اللہم سے عبدک داؤد تک اور معنی اس دُعا کے یہ ہیں: یا اللہ! لکھ میرے لیے اس سجدے کا ثواب اور گھٹا اس کے سبب سے میرے گناہ اور لکھ اس سجدے کو میرے لیے ذخیرہ اور قبول کر مجھ سے جیسا قبول کیا تو نے اپنے غلام داؤد علیہ السلام سے کہا حسن نے کہا ابن جریج نے کہ کہا مجھ سے تمہارے دادا نے کہ کہا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے پڑھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت سجدے کی پھر سجدہ کیا اور سنا میں نے کہ کہتے تھے اس کی مثل جو خبر دی تھی اس شخص نے درخت کی دُعا کی یعنی وہی دُعا پڑھتے تھے جو اوپر مذکور ہوئی۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي سُجُودِ الْقُرْآنِ بِاللَّيْلِ سَجَدَ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے قرآن کے

سجدے میں رات کو یہ دُعا "سَجَدَ وَجْهِيَ" سے آخر تک اور معنی اس کے یہ ہیں کہ سجدہ کیا میرے منہ نے اس کو جس نے پیدا کیا میرے منہ کو اور چیرا کان اس کا اور آنکھ اس کی سجدہ کیا اس کی قوت اور توفیق سے۔

تشریح: اس باب میں باللیل کی قید بیان واقعہ کے لیے ہے احتراز مقصود نہیں ہے۔ باقی سجدہ تلاوت کے متعلق پانچ مسئلے ہیں: نمبر ۱: حیثیت کیا ہے۔

نمبر ۲: مفصلات کے تینوں سجدے۔

نمبر ۳: سورۃ ص کا سجدہ ثابت ہے یا نہیں ہے۔

نمبر ۴: سورۃ حج کا دوسرا سجدہ ہے یا نہیں ہے۔ نمبر ۵: پہلے چاروں مسئلوں کا نتیجہ سجدہ تلاوت کی تعداد کیا ہے۔

احناف وشوافع متفق ہیں کہ چودہ سجدے ہیں لیکن مصداق میں اختلاف ہے۔ احناف کے ہاں سورۃ ص کا سجدہ ہے اور حج کا دوسرا سجدہ نہیں ہے اور شوافع کے ہاں حج کے دونوں سجدے ہیں اور سورہ ص کا نہیں ہے۔ حنابلہ کے نزدیک تعداد پندرہ ہے۔ سورۃ ص اور حج دونوں کا شمار کرتے ہیں۔ مالکیہ کے نزدیک گیارہ ہیں۔ مفصلات کے تینوں سجدے اور حج کا دوسرا سجدہ نہیں ہے۔

بَابُ مَا ذُكِرَ فِيمَنْ فَاتَهُ حِزْبُهُ مِنَ اللَّيْلِ فَقَضَاهُ بِالنَّهَارِ

جس کا وظیفہ رات کا قضاء ہو جائے تو دن کو پڑھ لے

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنْ حِزْبِهِ أَوْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ فَقَرَأَهُ مَا بَيْنَ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الظُّهْرِ كُتِبَ لَهُ كَأَنَّمَا قَرَأَهُ مِنَ اللَّيْلِ.

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن عبدالقاری سے روایت ہے کہ سنا میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو سو گیا اور وظیفہ نہ پڑھا رات کا یا کچھ اس میں سے باقی رہ گیا پھر پڑھ لیا اس کو صبح اور ظہر کے بیچ میں تو لکھا جائے گا اس کے لیے کہ گویا رات ہی کو پڑھا۔

تشریح: مسئلہ: کسی کا رات کا وظیفہ تھا، مثلاً وہ رات کو اُٹھ کر آٹھ رکعت پڑھتا تھا مگر کسی رات کو عذر کی وجہ سے رہ جائے تو وہ اس کو دن میں پڑھے، اس کو وہی ثواب ملے گا جو رات کو پڑھنے میں ملتا ہے۔

"قولہ فقضاہ بالنہار" قضاء کا یہ معنی نہیں کہ اس کی قضاء واجب ہے بلکہ سنت کی قضاء سنت اور نفل کی قضاء نفل ہے۔ باقی دن کو پڑھنے کی ترغیب اس لیے دی تاکہ دوام باقی رہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت تھی کہ کوئی عمل کرتے تو اس میں دوام اختیار کرتے۔ اسی طرح فرمایا، بہترین عمل وہ ہے جس پر دوام کیا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّشْدِيدِ فِي الَّذِي يَرْفَعُ رَأْسَهُ قَبْلَ الإِمَامِ ان يحوّل اللّٰہ

جو رکوع یا سجدے میں امام سے پہلے سر اُٹھائے اس کے متعلق وعید

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا يَخْشَى الَّذِي يَرْفَعُ رَأْسَهُ قَبْلَ الإِمَامِ أَنْ يُحَوِّلَ اللّٰهُ رَأْسَهُ رَأْسَ حِمَارٍ، قَالَ قُتَيْبَةُ، قَالَ حَمَّادٌ، قَالَ لِي مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ، إِنَّمَا قَالَ أَمَا يَخْشَى.

ترجمہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا ڈرتا نہیں وہ شخص جو اُٹھالیتا ہے سر اپنا امام سے پہلے یعنی رکوع میں یا سجدے میں اس بات سے کہ کردے اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کا سر۔ کہا قتیبہ نے کہا حماد نے کہا مجھ سے محمد بن زیاد نے کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا لفظ ''أَمَا يَخْشَى''

تشریح اگر یہ حقیقت پر محمول ہے تو پھر بھی کوئی استحالہ نہیں، ترمذی اور مشکوٰۃ کے حاشیہ میں یہ واقعہ ہے کہ دمشق کے ایک محدث نے امتحاناً ایسا کیا تو اس کا سر گدھے کا ہوگیا۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ کنایہ ہے حماقت سے، جب امام کی اقتداء کرلی ہے تو پھر اسی کا التزام کرے، نماز سے پہلے فارغ تو ہو نہیں سکتا، پھر جلدی کرنے کا کیا مطلب؟

سوال: دوسری حدیثوں میں ہے کہ نسخ نہیں ہوگا؟

جواب: عموماً نہیں ہوگا، جزوی طور پر ہوسکتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الَّذِي يُصَلِّي الفَرِيضَةَ ثُمَّ يَؤُمُّ النَّاسَ بَعْدَ ذٰلِكَ

جو شخص فرض نماز پڑھنے کے بعد لوگوں کی امامت کرے

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ كَانَ يُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَغْرِبَ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى قَوْمِهِ فَيَؤُمُّهُمْ.

ترجمہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ مغرب کی نماز پڑھا کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پھر جاتے اور امامت کرتے اپنی قوم کی۔

تشریح ......اختلافی مسئلہ:

اقتداء المفترض خلف المتنفل جائز ہے یا نہیں؟ ویسے عقلاً کل چار صورتیں ہیں۔ (۱) اقتداء المفترض خلف المفترض، (۲) اقتداء المتنفل خلف المتنفل (۳) اقتداء المتنفل خلف المفترض یہ صورتیں بالاتفاق جائز ہیں۔

(۴) اقتداء المفترض خلف المتنفل یہ اختلافی صورت ہے۔

قول اوّل: احناف کے ہاں لایجوز۔

قول ثانی: آئمہ ثلاثہ کے ہاں یجوز۔

احناف کی دلیل اوّل: الامام ضامن، باب الاذان میں ماقبل میں گزر چکا، اس کا ایک معنی یہ ہے کہ امام مقتدی کی نماز کو اپنے ضمن میں لینے والا ہے "صحۃ و فسادًا" اور قاعدہ ہے کہ متضمن جز ہے وہ متضمن سے اعلیٰ ہو یا پھر کم از کم مساوی ہو، اگر کمزور ہوگا تو پھر متضمن بننے کی صلاحیت نہیں رہے گی۔

دلیل ثانی: "انما جعل الامام لیؤتم بہ" اس کے ساتھ مؤطا امام مالک میں جو اضافہ ہے اس کو بھی لگا لیا جائے، وہ یہ ہے "فلا تختلفوا علیہ" جس طرح ظاہری افعال میں مخالفت جائز نہیں، اسی طرح باطنی میں بھی جائز نہیں۔

سوال: اے احناف مفترض کے پیچھے متنفل کی نماز تمہارے نزدیک بھی جائز ہے تو اس صورت میں بھی اختلاف نہیں ہونا چاہیے۔

جواب: فرض بھی بمعہ شئی زائد پر مشتمل ہیں۔

دلیل ثالث: حدیث "متعلقہ بصلوٰۃ الخوف" کہ شریعت نے نقل وحرکت کو برداشت کر لیا لیکن یہ برداشت نہیں کیا کہ امام پہلی جماعت کو بھی نماز پڑھا دے اور دوسرے کو بھی دو رکعتیں پڑھا دے۔

جمہور کی دلیل اوّل: حدیث امامت جرائیل علیہ السلام دیکھیے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی نماز نفل تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز فرض تھی۔

جواب: مؤطا میں ہے کہ جبرائیل علیہ السلام بھی اس وقت حکم کی وجہ سے مفترض ہو گئے تھے۔

دلیل ثانی: حدیث امام معاذ رضی اللہ عنہ اپنے محلہ میں امامت کراتے اور مسجد نبوی میں فرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھ کر جاتے تھے، یہاں ترمذی کی روایت میں مغرب کی نماز کا ذکر ہے تو ذکر کیا مغرب کو اور مراد لیا عشاء کو کیونکہ دیگر کتابوں میں عشاء کا تذکرہ ہے۔

جواب: نماز کے فرض اور نفل ہونے کا مدار نیت پر ہے ایسا کیوں نہیں ہوسکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں نیت نفل پڑھنے کی ہو اور اپنی قوم کو فرض پڑھاتے ہوں۔

سوال: ہمارے پاس ایسی دلیل موجود ہے جو دال ہے کہ حضرت معاذ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں فرض پڑھتے تھے

(۱) "اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ" مسجد نبوی میں جب عشاء کی اقامت ہوئی تو اب اس کے بعد فرض ہی جائز ہوں گے۔

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے مقصود تحصیل الفضیلت ہے اس کا مقتضٰی بھی یہ ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے فرض ادا کریں۔

(۳) حدیث ابن جریج عن عمرو بن دینار عن جابر میں تصریح ہے کہ "وھی لہ تطوع ولھم فریضہ"

(۴) ابن حزم نے احناف کا ایک ضابطہ نقل کیا ہے کہ جس نے فرض نہ پڑھے ہوں، وہ بنیت نفل جماعت میں شریک نہیں ہوسکتا، اس ضابطے کا مقتضی یہ ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں نفل میں شریک نہیں ہوتے تھے اس لیے کہ ابھی فرض ادا نہیں کیے۔ان چار جزئیات کے جوابات:

دلیل اوّل کا جواب: اذا اقیمت الصلٰوۃ کا مطلب یہ ہے کہ انفرادی طور پر اقامت کے بعد کوئی نماز جائز نہیں، جماعت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے۔

دلیل ثانی کا جواب: تحصیل فضیلت والی دلیل کا جواب، اس کو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ تحصیل فضیلت منحصر ہے اس بات میں کہ بنیت فرض پڑھی جائے بلکہ بنیت نفل سے بھی فضیلت حاصل ہوجاتی ہے افائدہ زائدہ کے۔اصل مقصود امامت کا طریقہ سکھانا ہوتا تھا۔

دلیل ثالث کا جواب (۱): یہ لفظ "وھی لہ تطوع ولھم فریضہ" عمرو بن دینار کے بیسیوں شاگردوں میں سے جو کہ حفاظ ہیں، کوئی بھی نقل نہیں کررہا اور جو نقل کررہے ہیں، ابن جریج وہ شاذ کے درجے میں ہیں۔ نیز یہ ہمارے خلاف تب ہوتا جب یہ قول ہوتا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا یہ تو نچلے رواۃ کا قول ہے۔

جواب ثانی: یہ مؤوّل ہے اور ضمیر کا مرجع حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پڑھی ہو تو اب معنی ہوگا ان کے لیے نفل ہوتی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں فرض ہوتی تھی۔

دلیل رابع کا جواب اوّل: ابن حزم کے ضابطہ کا جواب، ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ ضابطہ احناف کا بیان کردہ ہوتا تو بڑا آسان معاملہ تھا لیکن کیا کریں احناف سے یہ بات ثابت ہی نہیں، صرف منسوب ہے اور احناف پر ایک الزام ہے۔ ایسا کیوں نہیں ہوسکتا کہ ایک دن مغرب کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھتے ہوں، اگلے دن اپنی قوم کو جاکر مغرب کی امامت کرواتے ہوں یا اس وقت ابھی نابالغ تھے۔

جواب ثانی: یہ ہے کہ فعل مافعل باجتہادہ چنانچہ ترمذی کے محشی نے مسند احمد کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو فرمایا احد الامرین کرو۔یعنی اگر میرے ساتھ پڑھو تو قوم کو نہ پڑھاؤ یا پھر میرے پیچھے نہ پڑھو۔

جواب ثالث: ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ یہ اُس زمانہ کا واقعہ ہو جب تکرار فریضہ جائز تھا۔

جواب رابع: ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ مغرب کی نماز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پڑھتے ہوں۔اور عشاء کی قوم کو پڑھاتے ہوں۔

جواب خامس: ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ایک دن عشاء کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پڑھتے ہوں اور دوسرے دن قوم کو پڑھاتے ہوں۔

دلیل ثالث: حدیث عمرو بن سلمہ، یہ چھ سات سال کے بچے تھے۔

جواب: فعل ما فعل باجتہادہ اور روایت میں یہ بھی ہے کہ سجدہ میں میری سرین ننگی ہو جاتی تھی اور ظاہر ہے کہ کشف عورت کے ہوتے ہوئے کسی کے ہاں بھی نماز جائز نہیں، اگر داخل فی المسجد عصر کی نماز کو ظہر کی نماز سمجھ کر پڑھے تو ابو درداء فرماتے ہیں کہ نماز صحیح ہو جائے گی لیکن احناف کے نزدیک لایجوز اختلاف نیت کی وجہ سے۔

جواب (۱): ایک طرف حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور دوسری طرف صحابی کا اجتہاد ہے۔

جواب (۲): مؤول ہے نماز صحیح ہو جائے گی نفل ہونے کی حیثیت سے۔

بَابُ مَا ذُكِرَ مِنَ الرُّخصَةِ فِي السُّجُودِ عَلَى الثَّوْبِ فِي الحَرِّ وَالبَرْدِ

گرمی یا سردی کی وجہ سے کپڑے پر سجدہ جائز ہے

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالظَّهَائِرِ سَجَدْنَا عَلَى ثِيَابِنَا اتِّقَاءَ الحَرِّ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم نماز پڑھتے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے دوپہر کے وقت یعنی ظہر کی تو سجدہ کرتے تھے اپنے کپڑوں پر گرمی سے بچنے کو۔

تشریح: پہلی بات: کپڑے پر سجدہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

اس میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ سجدہ زمین پر ہو یا جنس زمین پر ہو۔

قول ثانی: جمہور کہتے ہیں کہ زمین پر بھی سجدہ کرنا جائز ہے اور غیر زمین پر بھی جائز ہے، چاہے لکڑی ہو یا کپڑا ہو، زمین کی جنس سے ہو یا نہ ہو۔

جمہور کی مستدل باب کی حدیث ہے جس میں انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے ظہر کی نماز پڑھتے تو گرمی سے بچنے کے لیے ہم اپنے کپڑوں پر سجدہ کرتے۔

اس پر اجماع ہے کہ ثوب منفصل پر سجدہ جائز ہے۔

دوسرا مسئلہ ثوب ملبوس پر بھی سجدۃ جائز ہے یا نہیں؟

قول اوّل: احناف کے ہاں جائز ہے۔

قول ثانی: شوافع کے نزدیک لایجوز، اور حدیث الباب احناف کے موافق جارہی ہے، اس میں تعمیم ہے۔

بَابُ ذِكْرِ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الجُلُوسِ فِي المَسْجِدِ بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ

فجر کی نماز کے بعد مسجد میں طلوعِ آفتاب تک بیٹھنا مستحب ہے

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى الفَجْرَ قَعَدَ فِي مُصَلَّاهُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ.

ترجمہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھ چکتے صبح (فجر) کی تو بیٹھے رہتے اپنی نماز کی جگہ میں طلوعِ آفتاب تک۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى الغَدَاةَ فِي جَمَاعَةٍ ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللهَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ كَانَتْ لَهُ كَأَجْرِ حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَامَّةٍ تَامَّةٍ تَامَّةٍ.

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو نماز پڑھے صبح (فجر) کی جماعت سے پھر بیٹھا ذکر کرتا رہے اللہ تعالیٰ کا یہاں تک کہ نکلے آفتاب پھر پڑھے دو رکعت ہوگا اس کو ثواب مانند ایک حج اور عمرے کے کہا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا پورا یعنی ثواب۔

تشریح اعمال پر جو اجر مرتب ہوتا ہے اس کی دو اقسام ہیں، ایک اجر اصلی، دوسرا اجر انعامی، اجر اصلی جس کا وعدہ کیا گیا ہے اور اس کی مقدار مقرر کردی گئی ہے۔ دوسرا اجر انعامی جو اخلاص نیت اور صفاء باطنی وغیرہ کی وجہ سے حق تبارک وتعالیٰ کی طرف سے بندوں کو مزید بخشا جاتا ہے، اس کی کوئی مقدار معین نہیں، اس لیے اس حدیث میں اجر اصلی میں تشبیہ مراد ہے، باقی رہا حج کا اجر انعامی تو وہ بہت زیادہ ہوگا۔

بَابُ مَا ذُكِرَ فِي الِالْتِفَاتِ فِي الصَّلَاةِ نماز میں کن انکھیوں سے دیکھنا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَلْحَظُ فِي الصَّلَاةِ يَمِينًا وَشِمَالًا وَلَا يَلْوِي عُنُقَهُ خَلْفَ ظَهْرِهِ.

ترجمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گوشۂ چشم سے دیکھتے تھے

نماز میں داہنے اور بائیں اور نہیں پھیرتے تھے گردن اپنی پیٹھ کے پیچھے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بُنَيَّ إِيَّاكَ وَالِالْتِفَاتَ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّ الِالْتِفَاتَ فِي الصَّلَاةِ هَلَكَةٌ فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَفِي التَّطَوُّعِ لَا فِي الْفَرِيضَةِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے میرے بیٹے! بچ تو گوشۂ چشم سے دیکھنے سے نماز میں اس واسطے کہ گوشۂ چشم سے دیکھنا نماز میں ہلاکت ہے پھر اگر ضرور ہو تو نفل میں نہ فرض میں۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الِالْتِفَاتِ فِي الصَّلَاةِ قَالَ هُوَ اخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلَاةِ الرَّجُلِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ پوچھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اِدھر اُدھر دیکھنے کو نماز میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو ایک اُچک لینا ہے کہ اُچک لیتا ہے شیطان آدمی کی نماز سے۔

تشریح: نماز میں التفات کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) آنکھ کے کنارے سے دیکھے تو یہ بالاجماع جائز ہے۔

(۲) التفات رُخسار کے ذریعہ بدون تحویل صدر کے ضرورۃً جائز ہے ورنہ مکروہ ہے۔

(۳) گردن بھی پھر جائے اور سینہ بھی پھر جائے یہ مفسد صلوٰۃ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا التفات خشوع کے منافی نہیں کیونکہ یہ حکم الٰہی سے تھا۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو جیسے سامنے دکھائی دیتا تھا ایسے ہی پیچھے دکھائی دیتا، پھر آنکھوں کے کنارے سے دیکھنے کی کیا ضرورت تھی؟

جواب: یہ معجزہ تھا کبھی کبھی ظاہر ہوتا تھا۔

"اذا اقیمت الصلاۃ فلا تقوموا حتی ترونی خرجت"

مسئلہ: مقتدی اقامت سے پہلے کھڑے ہوں یا درمیان اقامت میں؟

جب امام مسجد میں داخل ہو تو مقتدیوں کے قیام کے بارے میں حنفیہ کے نزدیک یہ تفصیل ہے کہ اگر امام محراب کے کسی دروازے سے یا اگلی صف کے سامنے سے آئے تو جس وقت مقتدی امام کو دیکھیں اس وقت کھڑے ہو جائیں اور اگر امام پچھلی صفوں کی طرف سے آ رہا ہو تو جس صف سے گزرے وہ صف کھڑی ہوتی چلی جائے اور اگر امام پہلے سے مسجد میں ہو

ایسی صورت میں مقتدیوں کو کس وقت کھڑا ہونا چاہیے؟
اس بارے میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں۔
قول اوّل: امام شافعی رحمہ اللہ اور ایک جماعت کے نزدیک اقامت ختم ہونے کے بعد کھڑا ہونا مستحب ہے۔
قول ثانی: امام مالک اور بہت سے علماء کا مسلک قاضی عیاض رحمہ اللہ نے یہ نقل کیا ہے کہ شروع اقامت ہی سے لوگوں کا کھڑا ہونا مستحب ہے۔
قول ثالث: حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ شروع اقامت ہی سے سب کا کھڑا ہو جانا صرف مستحب ہی نہیں بلکہ واجب ہے۔
قول رابع: امام اعظم ابو حنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک "حیَّ علی الفلاح" اور "قد قامت الصلٰوۃ" پر کھڑا ہونا چاہیے۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن حضرات نے "حیَّ علی الفلاح" پر یا "قد قامت الصلاۃ" پر کھڑے ہونے کو مستحب فرمایا ہے، ان کے نزدیک استحباب کا مطلب یہ ہے کہ اس امر کے بعد بیٹھے رہنا خلاف ادب ہے نہ یہ کہ اس سے پہلے کھڑا ہونا خلاف ادب ہے کیوں کہ پہلے کھڑے ہونے میں تو اور بھی زیادہ مسارعت پائی جاتی ہے۔
اس میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس بارے میں مذاہب آئمہ اربعہ کا تمام تر اختلاف محض افضلیت واولیت کا ہے، اس میں کوئی جانب ناجائز یا مکروہ نہیں۔
اُمت میں یہ کسی کا مذہب نہیں کہ امام اقامت کے وقت باہر سے آکر مصلے پر بیٹھ جائے اور بیٹھنے کو ضروری سمجھے، کھڑے ہونے والے مقتدیوں کو کھڑے ہونے سے روکے،
ان کو اور ان کے عمل کو برا اور مکروہ سمجھے، خود آئمہ حنفیہ اور فقہاء و مفتی حضرات میں سے کسی نے بھی پہلے کھڑے ہونے کو مکروہ نہیں کہا اور کہہ بھی کیسے سکتے تھے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خلفاء راشدین، اور عام صحابہ وتابعین کے تعامل سے ابتداء اقامت میں کھڑا ہونا ثابت ہے۔
نیز صفوں کی درستگی تب ہی ممکن ہے جب اقامت سے پہلے ترتیب دی جائیں۔ چند احادیث ملاحظہ ہوں۔
(۱) "عن ابی ہریرۃ یقول اقیمت الصلٰوۃ فقمنا فعدلنا الصوف قبل أن یخرج الینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم"
(۲) دوسری حدیث الباب ہے۔
(۳) "نعمان بن بشیر قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم یسوی یعن صفوفنا اذا قمنا للصلٰوۃ فاذا استوینا کبر" ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اقامت سے پہلے صفیں درست کرواتے تھے۔

بَابُ مَا ذُكِرَ فِي الرَّجُلِ يُدْرِكُ الإِمَامَ وَهُوَ سَاجِدٌ كَيْفَ يَصْنَعُ

اگر کوئی شخص امام کو سجدے میں پائے تو کیا کرے؟

عَنْ عَلِيٍّ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الصَّلَاةَ وَالإِمَامُ عَلَى حَالٍ فَلْيَصْنَعْ كَمَا يَصْنَعُ الإِمَامُ.

ترجمہ حضرت علی اور عمرو بن مرہ سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں ابن ابی لیلیٰ سے وہ معاذ بن جبل سے کہا علی اور معاذ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آئے آدمی کوئی تم سے نماز کو اور امام ہو کسی حال میں تو کرے جو کرتا ہے امام یعنی امام جس رُکن میں ہو اسی رُکن میں شامل ہو جائے۔

تشریح اس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ مقتدی امام کو جس رُکن میں پائے، اسی رکن میں امام کے ساتھ شامل ہو جائے، انتظار نہ کرے کہ ایک رُکن سے جب دوسرے رکن کی طرف امام منتقل ہوگا تو پھر شامل ہوں گا کیونکہ ہوسکتا ہے وہ قبولیت کا موقع ہو اور آپ اس سے محروم رہ جائیں۔

بَابُ كَرَاهِيَةِ أَنْ يَنْتَظِرَ النَّاسُ الإِمَامَ وَهُمْ قِيَامٌ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ

نماز کے وقت لوگوں کا کھڑے ہو کر امام کا انتظار کرنا مکروہ ہے

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَقُومُوا حَتَّى تَرَوْنِي خَرَجْتُ.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن ابی قتادہ سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تکبیر ہو نماز کی تو کھڑے نہ ہو تم لوگ جب تک دیکھ لو مجھ کو کہ میں نکلا۔

تشریح خلاصہ یہ ہے کہ اگر امام کا انتظار کرنا پڑ جائے تو کھڑے ہو کر انتظار نہ کیا جائے بلکہ بیٹھ کر انتظار کیا جائے، جس رُکن میں امام کو پالے اس کے ساتھ شریک ہو جائے، البتہ مدرک رکعت تب ہوگا جب قیام یا رکوع میں امام کو پالے، سجدے میں پایا تو اس سجدے میں امام کے ساتھ شریک ہو جائے لیکن وہ مدرک رکعت نہ ہوگا۔

بَابُ مَا ذُكِرَ فِي الثَّنَاءِ عَلَى اللهِ، وَالصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ الدُّعَاءِ

دُعا سے پہلے تعریف اللہ کی اور دُرود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیجنا چاہیے

عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ كُنْتُ أُصَلِّي وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ مَعَهُ فَلَمَّا جَلَسْتُ

بَدَأْتُ بِالثَّنَاءِ عَلَى اللهِ ثُمَّ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ دَعَوْتُ لِنَفْسِي فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَلْ تُعْطَهْ، سَلْ تُعْطَهْ.

ترجمہ حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ میں نماز پڑھتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پھر جب بیٹھا میں یعنی قعدہ اخیرہ میں پہلے تعریف کی اللہ کی پھر درُود بھیجا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پھر دُعا کی میں نے اپنے لیے سوفرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کر دیا جائے گا یعنی قبول ہوگی تیری دُعا۔

بَابُ مَا ذُكِرَ فِي تَطْيِيبِ الْمَسَاجِدِ مسجدوں میں خوشبو کرنے سے متعلق

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبِنَاءِ الْمَسَاجِدِ فِي الدُّورِ وَأَنْ يَتَنَظَّفَ وَيَتَطَيَّبَ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حکم دیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدیں بنانے کا محلوں میں اور یہ کہ صاف کی جائیں اور خوشبودی جائیں۔

ایک لفظ تنظیف ہے اور دوسرا تطییب ہے۔ تنظیف کا مطلب یہ ہے کہ گندگی، میلی کچیلی چیزوں اور طبع سلیم پر ناگوار اشیاء سے صاف رکھنا۔ تطییب کا مطلب یہ ہے کہ مسجد میں خوشبو وغیرہ کا انتظام کرنا اور بد بو دور کرنا۔

تشریح دُور کا معنی یا تو محلہ ہے یا پھر عرفی معنی مراد ہے، گھروں میں مخصوص جگہ ہوتی ہے۔ ”حدّثنا ابن ابی عمر“ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قبائل بھی محلے میں پڑھتے رہتے ہیں، دونوں ٹھیک ہے۔

بَابُ: أَنَّ صَلَاةَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنَى مَثْنَى رات اور دن کی (نفل) نماز دو دو رکعت ہے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلَاةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنَى مَثْنَى.

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز رات کی اور دن کی دو دو رکعت ہے۔

تشریح اس حدیث الباب کی مباحث ماقبل میں تفصیل سے گزر چکی ہے۔

بَابُ كَيْفَ كَانَ تَطَوُّعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّهَارِ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم دن میں کس طرح نوافل پڑھتے تھے

عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ قَالَ سَأَلْنَا عَلِيًّا عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ النَّهَارِ فَقَالَ

إِنَّكُمْ لَا تُطِيقُونَ ذَاكَ فَقُلْنَا مَنْ أَطَاقَ ذَاكَ مِنَّا فَقَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ مِنْ هَاهُنَا كَهَيْئَتِهَا مِنْ هَاهُنَا عِنْدَ الْعَصْرِ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ، وَإِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ مِنْ هَاهُنَا كَهَيْئَتِهَا مِنْ هَاهُنَا عِنْدَ الظُّهْرِ صَلَّى أَرْبَعًا وَصَلَّى أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ، وَقَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعًا يَفْصِلُ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ بِالتَّسْلِيمِ عَلَى الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ وَالنَّبِيِّينَ وَالْمُرْسَلِينَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ.

ترجمہ حضرت عاصم بن ضمرہ سے روایت ہے کہ پوچھا میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نماز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دن میں تو فرمایا آپ نے تم طاقت نہیں رکھ سکتے اس کی کہا میں نے بھلا اگر کوئی طاقت رکھے ہم میں سے تو فرمایا تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہوتا سورج اس طرف یعنی مشرق میں جیسا ہوتا ہے اس طرف یعنی مغرب میں عصر کے وقت پڑھتے دو رکعت یعنی اشراق کی اور جب ہوتا سورج اس جگہ یعنی مشرق کی طرف جیسا ہوتا ہے اس جگہ اور پڑھتے قبل ظہر کے چار رکعت اور بعد اس کے دو رکعت اور قبل عصر کے چار رکعت جدا کر دیتے ہر دو رکعت کو ساتھ سلام کے ملائکہ مقربین پر اور انبیاء اور مرسلین پر اور جو تابعدار تھے ان کو مومنین اور مسلمین کے۔

تشریح سوال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دن کے نوافل کے بارے میں کیا تو فرمایا تو طاقت نہیں رکھتا، معلوم ہوا کہ صرف علم ہی مقصود نہیں عمل بھی ضروری ہے۔

بَابُ فِي كَرَاهِيَةِ الصَّلَاةِ فِي لُحُفِ النِّسَاءِ عورتوں کی چادروں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّي فِي لُحُفِ نِسَائِهِ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز نہیں پڑھتے تھے اپنی بیبیوں رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی چادروں میں۔

تشریح اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عورتوں کے لحاف میں نماز جائز تو ہے لیکن "کما ینبغی" احتیاط نہ ہونے کی وجہ سے بہتر یہ ہے کہ نہ پڑھی جائے۔

بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الْمَشْيِ وَالْعَمَلِ فِي صَلَاةِ التَّطَوُّعِ نفل نماز میں چلنے اور عمل کے متعلق

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جِئْتُ وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي الْبَيْتِ وَالْبَابُ عَلَيْهِ مُغْلَقٌ فَمَشَى حَتَّى فَتَحَ لِي ثُمَّ رَجَعَ إِلَى مَكَانِهِ، وَوَصَفَتِ الْبَابَ فِي الْقِبْلَةِ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آئی میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے گھر میں اور دروازہ بند تھا اندر سے سو چلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تک کہ کھول دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازہ میرے لیے پھر چلے گئے اپنی جگہ میں جہاں نماز پڑھتے تھے اور بیان کیا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہ دروازہ قبلے کی طرف تھا۔

تشریح صلوٰۃ التطوع کی قید اس لیے لگائی کہ حدیث صلوٰۃ التطوع مذکور ہے ورنہ تو مسئلہ عام ہے۔

مسئلہ: عمل منافی للصلوٰۃ مفسد ہے یا نہیں تو اس میں تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ عمل منافی للصلوٰۃ دو قسم پر ہے۔(۱) عمل قلیل (۲) عمل کثیر۔ اوّل غیر مفسد ہے اور ثانی مفسد ہے۔ فرق یہ ہے کہ ناظر کا اگر یہ خیال ہے کہ یہ عامل خارج صلوٰۃ ہے تو یہ عمل کثیر ہے اور اگر ناظر عامل کو داخل فی الصلوٰۃ ہی سمجھے تو یہ عمل قلیل ہے۔

سوال: حدیث میں جو عمل مذکور ہے وہ عمل کثیر ہے لیکن اس کے باوجود نماز فاسد نہیں ہو رہی؟

جواب: ممکن ہے یہ مشی متوالیا نہ ہو۔

سوال: تین عمل ہیں، مشی، فتح، رجوع۔ ان تینوں کا مجموعہ عمل کثیر ہے؟

جواب: ایسا کیوں نہیں ہوسکتا کہ تینوں عمل وقفے وقفے سے ہوں۔

"ووصفت الباب فی القبلہ" یہ بیان کیا دفع دخل مقدر شبہ ہوسکتا تھا کہ شاید چلنے کی وجہ سے انحراف قبلہ ہوگیا ہو۔

سوال: حجرہ کا دروازہ تو مغرب کی جانب ہے اور قبلہ جنوب کی جانب ہے یہ کیسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہہ رہی ہیں کہ دروازہ قبلہ کی جانب ہے۔

جواب: حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بڑا دروازہ تو مغرب کی جانب تھا اور جنوب کی جانب حضرت حفصہ کا حجرہ مبارک تھا، درمیان کھڑکی رکھی ہوئی تھی آمد و رفت کے لیے اور ممکن اس موقع پر حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہن کے گھر آئی ہو اور وہ تو جنوب کی جانب تھا۔

سوال: نسائی کی روایت میں ہے "مشی یمینا و شمالا" ہوئی، اگر دروازہ قبلہ کی جانب تھا تو پھر دائیں، بائیں چلنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

جواب: دروازہ تو جنوب کی جانب میں تھا لیکن بالکل محاذات میں نہ تھا، دائیں جانب تھا تو دائیں جانب چل کر کھول دیا یا بائیں جانب تھا تو بائیں جانب چل کر کھول دیا لیکن چلے ایسے انداز سے تھے تحویل صدر عن القبلہ نہ ہوا۔

بَابُ مَا ذُكِرَ فِي قِرَاءَةِ سُورَتَيْنِ فِي رَكْعَةٍ ایک رکعت میں دو سورتیں پڑھنا

عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ عَبْدَ اللهِ عَنْ هَذَا الْحَرْفِ {غَيْرِ آسِنٍ} أَوْ يَاسِنٍ قَالَ كُلَّ الْقُرْآنِ قَرَأْتَ غَيْرَ هَذَا؟ قَالَ نَعَمْ، قَالَ إِنَّ قَوْمًا يَقْرَءُونَهُ يَنْثُرُونَهُ نَثْرَ الدَّقَلِ لَا

يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ إِنِّي لَأَعْرِفُ السُّوَرَ النَّظَائِرَ الَّتِي كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرُنُ بَيْنَهُنَّ، قَالَ فَأَمَرْنَا عَلْقَمَةَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ عِشْرُونَ سُورَةً مِنَ الْمُفَصَّلِ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرُنُ بَيْنَ كُلِّ سُورَتَيْنِ فِي رَكْعَةٍ.

ترجمہ حضرت اعمش سے روایت ہے کہ سنا میں نے ابووائل سے کہتے تھے پوچھا ایک شخص نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ لفظ کہ غیر اٰسن ہے یا غیر یاسن ہے تو کہا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا سارا قرآن پڑھ چکا تو اس کے سوا؟ کہا اس نے ہاں! کہا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک قوم پڑھتی ہے قرآن کو جھاڑتی ہے جیسا کوئی جھاڑتا ہو خراب کھجور کو نہیں آگے بڑھتا ان کے گلے سے میں جانتا ہوں دو دو سورتوں کے مشابہ کو کہ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملا کر پڑھتے ان کو کہا راوی نے حکم کیا ہم نے علقمہ کو کہ پوچھے عبداللہ سے تو کہا عبداللہ نے وہ بیس سورتیں ہیں مفصل سے یعنی آخر قرآن سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ملا کر پڑھتے تھے دو سورتیں ایک ایک رکعت میں۔

تشریح اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حاشیہ میں جو سورتوں کی ترتیب ہے وہ ہمارے مصحف عثمانی کے اعتبار سے منطبق نہیں ہوتی بلکہ تقدیم وتاخیر ہوگی۔ یہ تفصیل مصحف ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے باقی حضرات ابن مسعود رضی اللہ عنہ مطلوبہ سوال کا جواب نہ دیا، اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے کہ لفظی تحقیق کے بجائے عمل کرنا چاہیے۔

بَابُ مَا ذُكِرَ فِي فَضْلِ الْمَشْيِ إِلَى الْمَسْجِدِ وَمَا يُكْتَبُ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ فِي خُطَاهُ

مسجد کی طرف چلنے کی فضیلت اور ان قدموں کے اجر کے متعلق

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا تَوَضَّأَ الرَّجُلُ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ لَا يُخْرِجُهُ أَوْ قَالَ لَا يَنْهَزُهُ إِلَّا إِيَّاهَا لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَةً أَوْ حَطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةً.

ترجمہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جب آدمی اچھی طرح وضو کرے، پھر نماز کے لیے نکلے، نماز کے سوا اور کوئی چیز اس کو نکالنے یا حرکت دینے والی نہ ہو تو وہ جو قدم بھی اُٹھائے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ بلند اور ایک خطا معاف فرمائیں گے۔

تشریح اس کے مباحث کتاب الطہارت میں گزر چکے ہیں۔

بَابُ الصَّلَاةِ بَعْدَ المَغْرِبِ فِي البَيْتِ مغرب کے بعد گھر میں نماز (نوافل) پڑھنے کا بیان

عَنْ سَعْدِ بْنِ إِسْحَاقَ بْنِ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَسْجِدِ بَنِي عَبْدِ الأَشْهَلِ المَغْرِبَ فَقَامَ نَاسٌ يَتَنَفَّلُونَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِهَذِهِ الصَّلَاةِ فِي البُيُوتِ.

ترجمہ: سعد بن اسحق سے روایت ہے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے کہ نماز پڑھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں قبیلہ بنی عبد اشہل کے مغرب کی سو کھڑے ہوئے کچھ لوگ نفل پڑھنے کو سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لازم جانو اس نماز کو گھر میں پڑھنے کو۔

تشریح: مغرب کے بعد نوافل کو گھر میں پڑھنا افضل ہے، یہی تمام نوافل کا حکم ہے اور مسجد میں پڑھنا بھی جائز ہے۔ لہٰذا دونوں قسم کی احادیث میں تعارض نہیں ہے۔ علامہ ابن عبدالبر نے نقل کیا ہے کہ بعض کے نزدیک مطلقاً نوافل مسجد میں مکروہ ہیں (کوکب) اور ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک نوافل مغرب مسجد میں ادا نہیں ہوں گے، گھر میں پڑھنا واجب ہے۔ (فتح الباری) لیکن یہ دونوں اقوال حدیث کے خلاف ہیں اس لیے معتبر نہیں۔ واللہ اعلم

بَابٌ: فِي الِاغْتِسَالِ عِنْدَمَا يُسْلِمُ الرَّجُلُ اسلام قبول کرنے کے وقت غسل کا بیان

عَنْ قَيْسِ بْنِ عَاصِمٍ أَنَّهُ أَسْلَمَ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَغْتَسِلَ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ.

ترجمہ: حضرت قیس بن عاصم سے روایت ہے کہ وہ جب اسلام لائے تو حکم کیا ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہانے کا، پانی اور بیری کے پتوں سے۔

تشریح: **مسئلہ اختلافی، قول اوّل:**

اسلام قبول کرنے کے بعد حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک غسل مسنون ہے۔

قول ثانی: حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک واجب ہے لیکن غسل واجب کرنے والی کوئی چیز حالت کفر میں پائی جا چکی ہو تو فریق اوّل کے نزدیک بھی اسلام کے بعد غسل واجب ہے۔ البتہ شوافع اور حنفیہ کے مسلک میں یہ فرق ہے کہ حالت کفر میں غسل کر چکا ہو تو اسلام کے بعد حنفیہ کے نزدیک پھر غسل کرنا واجب نہیں اور شوافع کے نزدیک واجب ہے۔ گویا حالت کفر کا غسل شوافع کے نزدیک معتبر نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک معتبر ہے۔ (کوکب وغیرہ)...... بیری کے پتوں سے میل کچیل اچھی طرح صاف ہو جاتا ہے اس لیے اُن کے ساتھ غسل کا حکم دیا گیا ہے۔ "واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم"

بَابُ التَّسْمِيَةِ فِي دُخُولِ الْخَلَاءِ دخول خلاء کے وقت تسمیہ کا بیان

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَتْرُ مَا بَيْنَ أَعْيُنِ الْجِنِّ وَعَوْرَاتِ بَنِي آدَمَ إِذَا دَخَلَ أَحَدُهُمُ الْخَلَاءَ أَنْ يَقُولَ بِسْمِ اللّٰهِ ۔

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنوں کی آنکھوں پر پردہ بنی آدم کی شرم گاہوں سے وہ یہ ہے کہ بسم اللہ کہے جب داخل ہو پاخانے میں۔

تشریح: علامہ ابن حجر مکی کہتے ہیں کہ یہاں تعوذ سے پہلے بسم اللہ کہنا مسنون ہے۔ قاری فرماتے ہیں کہ تعوذ کے بعد بھی دُرست ہے جیسا کہ تلاوت میں ہوتا ہے اور دونوں میں سے ایک پر اکتفاء بھی دُرست ہے لیکن جمع افضل ہے۔ بعض محققین نے فرمایا ہے کہ اس موقع پر بسم اللہ کے بعد رحمن و رحیم کا اضافہ نہ کرنا چاہیے کیونکہ یہ اس کے ذکر کا موقعہ نہیں ہے۔ دوم ظاہر حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ (کذا قال المناوی)

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر حدیث سے صرف لفظ بسم اللہ ثابت ہے، اس پر زیادتی ثابت نہیں اور اس کا محل بنی ہوئی عمارت میں دخول سے پہلے اور فضا میں ستر کھولنے سے پہلے ہے۔ (کوکب) تشریح کتاب الطہارت میں گزر چکی ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم"

بَابُ سِيمَاءِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ مِنْ آثَارِ السُّجُودِ وَالطُّهُورِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

قیامت کے دن وضو اور سجدوں کی وجہ سے اس اُمت کی نشانی

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرٌّ مِنَ السُّجُودِ، مُحَجَّلُونَ مِنَ الْوُضُوءِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن بسر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اُمت قیامت کے دن ہوں گے چمکتے منہ سجدہ سے اور چمکتے ہاتھ وضو سے۔

تشریح: بعض علماء کے نزدیک اُمم سابقہ میں وضو نہیں تھا بلکہ یہ اس اُمت کی خصوصیات میں سے ہے۔

دوسرا قول: وضو تو پچھلی اُمتوں میں بھی تھا لیکن غرہ وتحجیل یعنی اعضاء وضو کا چمکنا اس اُمت کی خصوصیت ہے۔

تیسرا قول: اس اُمت کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی روشنی کامل ہوگی۔ پچھلی اُمتوں میں یہ روشنی ضعیف ہوگی جس کی وجہ سے اشتباہ والتباس نہ ہو سکے گا۔ علامہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پچھلی اُمتوں میں وضو کا ہونا صحیح روایات سے ثابت ہے۔ لہٰذا اس

اُمت کی خصوصیت وہ روشنی ہے جو دوسری اُمتوں میں نہ ہوگی۔ (عرف الشذی)

غرہ سجدہ اور وضو دونوں کی وجہ سے ہوگا اور تحجیل صرف وضو کی وجہ سے لیکن چونکہ غرہ میں سجدہ کو زیادہ دخل ہے اس لیے اس کو سجدہ کے ساتھ خاص طور پر ذکر فرمایا گیا ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ التَّيَمُّنِ فِي الطُّهُورِ

وضو میں دائیں جانب سے ابتداء کا استحباب

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُحِبُّ التَّيَمُّنَ فِي طُهُورِهِ إِذَا تَطَهَّرَ، وَفِي تَرَجُّلِهِ إِذَا تَرَجَّلَ وَفِي انْتِعَالِهِ إِذَا انْتَعَلَ.

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوست رکھتے تھے داہنی طرف سے شروع کرنے کو طہارت میں جب طہارت کرتے اور کنگھی کرنے میں جب کنگھی کرتے اور جوتی پہننے میں جب اسے پہنتے۔

بَابُ قَدْرِ مَا يُجْزِئُ مِنَ الْمَاءِ فِي الْوُضُوءِ وضو میں کتنی مقدار میں پانی کافی ہے

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُجْزِئُ فِي الْوُضُوءِ رِطْلَانِ مِنْ مَاءٍ.

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کافی ہے وضو میں دو رطل پانی۔

تشریح دوسری روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام ایک مد پانی سے وضو اور پانچ مد پانی سے غسل فرمایا کرتے تھے۔

بَابُ مَا ذُكِرَ فِي نَضْحِ بَوْلِ الْغُلَامِ الرَّضِيعِ

دودھ پیتے بچے کے پیشاب پر پانی بہانا کافی ہے

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي بَوْلِ الْغُلَامِ الرَّضِيعِ يُنْضَحُ بَوْلُ الْغُلَامِ وَيُغْسَلُ بَوْلُ الْجَارِيَةِ، قَالَ قَتَادَةُ وَهٰذَا مَا لَمْ يَطْعَمَا فَإِذَا طَعِمَا غُسِلَا جَمِيعًا.

ترجمہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دودھ پیتے لڑکے کے پیشاب میں کہ چھڑکا جائے پانی اور دھویا جائے پیشاب لڑکی کا۔ کہا قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور یہ حکم جب تک ہے کہ کھانا کھاتے ہوں پھر جب کھانا کھانے لگیں تو دھویا جائے پیشاب دونوں کا۔

بَاب: فِي الرُّخصَةِ لِلْجُنُبِ فِي الْأَكْلِ وَالنَّوْمِ إِذَا تَوَضَّأَ

جنبی اگر وضو کرلے تو اس کے لیے کھانا اور سونے کی اجازت ہے

عَنْ عَمَّارٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لِلْجُنُبِ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْكُلَ أَوْ يَشْرَبَ أَوْ يَنَامَ أَنْ يَتَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ.

ترجمہ: حضرت عمار سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رُخصت دی جنب کو کھانے اور پینے اور سونے کی جب چاہے اگر وضو کرے وضو نماز کا سا۔

تشریح: ......قول اوّل: جمہور کے نزدیک جنبی کے لیے غسل سے پہلے کھانا پینا سونا جائز ہے اور غسل کرلیا جائے تو افضل ہے۔ نیز ان چیزوں سے پہلے وضو بھی واجب نہیں بلکہ افضل ہے۔ البتہ ابن سید الناس رحمہ اللہ نے شرح ترمذی میں نقل کیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک وضو واجب ہے۔

قول ثانی: بعض ظاہریہ اور ابن حبیب مالکی رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ سونے سے پہلے جنبی کے لیے وضو واجب ہے، وجوب ماننے والوں کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رات میں جنابت پیش آنے کے بارے میں سوال کیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ وضو کرلو، اعضاء مخصوصہ کو دھولو، پھر سو جاؤ۔ (بخاری ومسلم)

جمہور کے نزدیک یہ حکم استحباب کے لیے ہے کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے "انما امرت بالوضوء اذا قمت الی الصلوٰۃ (اخرجہ اصحاب السنن)

دوم: عن ابن عمر رضی اللہ عنہما سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم اینام احدنا وھو جنب قال نعم ویتوضأ ان شاء (ابن حبان)"

سوم، ترمذی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا ذُكِرَ فِي فَضْلِ الصَّلَاةِ

نماز کی فضیلت

عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُعِيذُكَ بِاللّٰهِ يَا كَعْبَ بْنَ عُجْرَةَ مِنْ أُمَرَاءَ يَكُونُونَ مِنْ بَعْدِي فَمَنْ غَشِيَ أَبْوَابَهُمْ فَصَدَّقَهُمْ فِي كَذِبِهِمْ وَأَعَانَهُمْ عَلَى ظُلْمِهِمْ

فَلَيْسَ مِنِّي وَلَسْتُ مِنْهُ وَلَا يَرِدُ عَلَيَّ الْحَوْضَ، وَمَنْ غَشِيَ أَبْوَابَهُمْ أَوْ لَمْ يَغْشَ وَلَمْ يُصَدِّقْهُمْ فِي كَذِبِهِمْ، وَلَمْ يُعِنْهُمْ عَلَى ظُلْمِهِمْ، فَهُوَ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ، وَسَيَرِدُ عَلَيَّ الْحَوْضَ، يَا كَعْبَ بْنَ عُجْرَةَ الصَّلَاةُ بُرْهَانٌ، وَالصَّوْمُ جُنَّةٌ حَصِينَةٌ، وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيئَةَ كَمَا يُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ، يَا كَعْبَ بْنَ عُجْرَةَ، إِنَّهُ لَا يَرْبُو لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ إِلَّا كَانَتِ النَّارُ أَوْلَى بِهِ.

ترجمہ حضرت کعب بن عجرہ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پناہ میں دیتا ہوں میں تجھ کو اللہ تعالیٰ کی اے کعب بن عجرہ ان امیروں سے کہ ہوں گے بعد میرے سو جو گیا ان کے دروازے پر اور سچا کہا ان کے جھوٹ کو اور مدد کی ان کے ظلم کی سو وہ میرا نہیں اور میں اس کا نہیں اور کبھی نہ آسکے گا میرے حوض پر اور جو آیا ان کے دروازے پر یا نہ آیا اور سچا نہ کیا ان کے جھوٹ کو اور مدد نہ کی ان کے ظلم میں پس وہ میرا ہے اور میں اس کا اور قریب ہے کہ آئے گا میرے حوض پر۔ اے کعب بن عجرہ نماز دلیل ہے یعنی امام اور روزہ سپر (ڈھال) مضبوط ہے اور صدقہ بجھاتا ہے گناہوں کو جیسا بجھاتا ہے پانی آگ کو اے کعب بن عجرہ نہیں بڑھتا ہے کوئی گوشت کہ پیدا ہو حرام سے مگر آگ اس کے حق میں لائق تر ہے۔

تشریح "الصلوٰۃ برھان الخ" سے مراد یہ ہے کہ نماز ایمان کی دلیل ہے اور روزہ شہوانی وحیوانی قوتوں کو کمزور کرتا ہے اس لیے گناہوں سے بچنے کا ذریعہ ہے جو جہنم میں جانے کا سبب ہیں۔ علامہ کشمیری فرماتے ہیں، شاید حوض کوثر محشر میں سنت محمدیہ کی تمثال ہوگا۔ یعنی سنت قیامت کے روز اس شکل میں ظاہر ہوگی۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پل صراط محشر میں صراط مستقیم کی تمثال ہوگا، میں کہتا ہوں کہ اعمال قیامت میں مختلف شکلوں میں متشکل ہو کر سامنے آئیں گے۔

جیسا کہ اس باب کی حدیث میں ہے کہ روزہ ڈھال ہوگا اور مسند احمد میں ہے کہ قبر میں قرآن کریم سرہانے کی طرف سے عذاب سے آدمی کی حفاظت کرے گا۔

اور روزہ بائیں جانب سے اور صدقہ قدم کی جانب سے اور نماز دائیں جانب سے اسی طرح احادیث میں ہے کہ سورۃ بقرہ محشر میں سر پر ظلہ کی طرح سایہ فگن ہوگی۔

یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ خود اعمال یہ شکلیں اختیار کر کے نمودار ہوں گے۔ (العرف الشذی)

علماء کی دوسری جماعت کی رائے یہ ہے کہ خود اعمال نہیں بلکہ اُن کا ثواب ان اشکال میں ظاہر ہوگا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم)

بَابُ مِنْهُ

دوسرا باب اسی بیان میں

حَدَّثَنِي سُلَيمُ بنُ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ فِي حَجَّةِ الوَدَاعِ فَقَالَ اتَّقُوا اللهَ رَبَّكُمْ وَصَلُّوا خَمْسَكُمْ وَصُومُوا شَهْرَكُمْ وَأَدُّوا زَكَاةَ أَموَالِكُمْ وَأَطِيعُوا ذَا أَمْرِكُمْ تَدْخُلُوا جَنَّةَ رَبِّكُمْ، قَالَ فَقُلْتُ لِأَبِي أُمَامَةَ مُنْذُ كَمْ سَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ هَذَا الحَدِيثَ قَالَ سَمِعْتُهُ وَأَنَا ابْنُ ثَلَاثِينَ سَنَةً.

ترجمہ حضرت ابی امامہ سے روایت ہے کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب خطبہ پڑھتے تھے حجۃ الوداع کا فرماتے تھے ڈرو تم اللہ سے جو پروردگار ہے تمہارا اور پڑھو نماز پنجگانہ اور روزے رکھو اپنے مہینے کے اور ادا کرو زکوۃ اپنے مالوں کی اور اطاعت کرو اپنے صاحب حکومت کی یعنی جو شرع کے موافق حکم کرے داخل ہو جاؤ جنت میں اپنے پروردگار کے کہا راوی نے کہا میں نے ابی امامہ سے کب سے سنی ہے تم نے یہ حدیث کہا انہوں نے سنی میں نے اور تھا میں تیس برس کا۔

تشریح قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول الخ" امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اُصول اربعہ کو بیان کر دیا گیا ہے۔ یعنی کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع اور قیاس، اجماع اولی الامر سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس سے مراد ارباب حل وعقد ہیں اور قیاس آیت کے اگلے حصہ سے ثابت ہوتا ہے۔

اس حدیث میں ذوامر سے مراد وہی ہے جو آیت میں اولوالامر سے مراد ہے، اولوالامر کی تعریف میں متعدد اقوال ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں اس میں ۱۱ قول ہیں۔

(۱) اس سے مراد ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

(۲) خلفاء اربعہ

(۳) مہاجر وانصار، یہ عطاء کا قول ہے۔

(۴) جمیع صحابہ، یہ مجاہد کا خیال ہے۔

(۵) صحابہ وتابعین۔

(۶) ارباب عقل جو لوگوں کی سیاست وقیادت کرتے ہیں۔

(۷) امراءِ لشکر، یہ مقاتل وغیرہ کی رائے ہے۔

(۸) امراء وخلفاء، یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابوہریرہ، نیز امام شافعی وغیرہ کا قول ہے۔

(۹) علماء وخلفاء، یہ جابر وحسن وغیرہ کا قول ہے۔

(۱۰) اہل علم وقرآن، یہ امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے۔

(۱۱) مطلقاً ہر وہ شخص مراد ہے جو کسی امر کا والی وحاکم ہو، یہی صحیح ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا میلان بھی اسی قول کی طرف ہے۔ (انتہی کلام العلامۃ العینی رحمہ اللہ)

باقی یہاں حج کا ذکر نہیں کیا، اس لیے کہ اگر حج کا ذکر کرے تو شبہ ہوتا کہ شاید حج دوسری مرتبہ بھی فرض ہے کیونکہ یہ ارشاد حجۃ الوداع کے موقع پر جو صحابہ حج کر رہے تھے ان کو کیا، باقی ابوامامہ نے یہ حدیث تیس (۳۰) برس کی عمر میں سنی، اس وقت قویٰ مضبوط ہوتے ہیں، لہٰذا نسیان کا کوئی احتمال نہیں۔

قد تم بفضل اللّٰہ و توفیقہٖ کتابُ الصّلوٰۃ و الحمدللّٰہ الذی بمنّہٖ و کرمہٖ تتم الصالحات حمدًا کثیرًا طیبًا مبارکًا فیہ مبارکًا علیہ کما یحب ربنا ویرضٰی و صلی اللّٰہ تعالٰی وسلّم علٰی خیر خلقہٖ سیدنا و مولانا محمّد النبی الامی الھاشمی الحبیب الشفیع المطھر المعطر الکریم وعلٰی اٰلہٖ واصحابہٖ و ازواجہٖ وذریتہٖ و اتباعہٖ صلٰوۃ و سلامًا دائمین متوالیین۔ ویتلوہ کتاب الزکوٰۃ ان شاء اللّٰہ تعالٰی۔

الحمدللہ تقریرات ترمذی کی پہلی جلد اور دوسرا حصہ مکمل ہوا۔
دوسری اور آخری جلد کا پہلا حصہ ابواب الزکوٰۃ سے شروع ہے

اشرفیہ مجلس علم وتحقیق

بحمد اللہ تمّ

اَلسُنَنُ الکُبریٰ لِلبَیہقِی (عربی) مستند احادیث کا عظیم ذخیرہ۔ پہلی مرتبہ فقہ حنفی کا مستدل
مع الجوہر النقی (10 جلد) ''الجوہر النقی'' کے ساتھ اشاعت عرصہ دراز سے نایاب احادیث کا
عظیم ذخیرہ مفید اضافہ اور جدید ترتیب کے ساتھ شائع کیا گیا ہے

000001 007985
taqrirat trimzi
ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(0322-6180738, 061-4519240